مُسیلمہ کذّاب سے

دجّال قادیان تک

جانباز مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر .... مکتبہ تبصرہ لاہور

طبع .... خادم پرنٹنگ پریس لاہور

اشاعت اوّل .... گیارہ سو

کتابت .... نذیر احمد تنویر، عبداللطیف

تاریخ اشاعت .... فروری ۱۹۹۳ء

ضخامت .... ۴۵۶ صفحات

سرورق .... حضرت سید نفیس رقم مدظلہ العالی

قیمت .... ۱۰۰/= روپیہ

مکتبہ تبصرہ، لالہ زار کالونی کشمیر روڈ

نیو شاد باغ لاہور

مرزائیت، انسانیت کے دامن پر ایک ایسا گہرا
اور سیاہ داغ تھا جسے شہدائے ختم نبوت نے
اپنے خون سے دھویا ہے، اگر یہ لہو نہ گرتا تو مسئلہ
ختم نبوت اقوام عالم کی نظر میں مشکوک ہو کر رہ جاتا۔
سلام ہو اُن ماؤں کی کوکھ پر جنہوں نے ان
بہادر سپوتوں کو جنم دیا۔ (مصنف)

دوستوں کے باوفا ہونے کا وقت آیا

زیر نظر کتاب برسوں پہلے قارئین تک پہنچ گئی ہوتی لیکن انسانی سوچ اور فکر جہاں پہنچ کر دم توڑ دیتی ہے وہیں سے ربِ اکبر کا فیصلہ شروع ہوتا ہے۔ اور یہی فیصلہ حقیقت ہے۔

اپنی اصلیت تک پہنچنے کے لیے تاریخ کو کئی موڑ کاٹنے پڑتے ہیں۔ پھر کہیں منزل ملتی ہے۔ پھول نہیں کانٹوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ کبھی ہوائیں اوراق اڑا کرلے جاتی ہیں۔ کبھی حالات قلم کا راستہ روک لیتے ہیں۔ ارادہ تھا کہ جیسے ہی تحریک ختم نبوت پر حکومت کے دستخط ہوئے تھے۔ یہ دستاویز عوام کے حوالے کر دی جاتی لیکن حالات و واقعات کی دیواریں اونچی ہوتی چلی گئیں کہ بعض دفعہ تو انہیں عبور کرتے ہی جی ہار دینا پڑا۔ مگر جونہی شہدائے ختم نبوت کا خون اپنی بے گناہی کا واسطہ دیتا دکھائی دیا قلم بیتاب ہو گیا۔ مگر ساتھ ہی کاغذ کی گرانی، پریس کی ضرورت، دفتری کا رونا، نیز اپنی ضرورتوں کا تقاضا دامن کھینچتے رہے۔ اس پر اپنی تہی دامنی کی دھجیاں اڑتی نظر آئیں ——— آخر اُن دروازوں پر دستک دینا پڑی جہاں خالی ہاتھ لوٹ آنے کا تصور تک نہیں تھا۔ سب نے وعدہ تو کیا مگر وعدہ کی وفا کسی نے نہ کی۔

؎ تیرے وعدوں پہ جیئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے گر اعتبار ہوتا

بہر طور وقت تھا کہ گذرتا چلا گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں ایسے دوست بھی سامنے آئے جن سے مایوسی کی امید نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے بھی سوت کی انٹی پر یوسف کی خریداری کو گراں سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ ادھار پر بھی کسی نے سودا نہ لیا حالانکہ یہ اُن کی ضرورت کی

چیز تھی۔

حکومت کو تو جانباز کے قلم پر اعتبار نہیں مگر جانے پہچانے لوگ بھی وفا نہ کر سکے۔ دوستوں سے ہٹ کر مجلسوں کے دروازے کھٹکھٹائے مگر جانباز کے قلم پر انہیں بھی اعتبار نہ آیا۔

رہا سہا اثاثہ گذشتہ کئی برسوں کی مسلسل بیماری کی نظر ہو گیا۔ ان پریشانیوں کے باعث کئی ہفتے قلم چھوڑے رکھا کئی دفعہ مسودہ پھاڑ پھینکنے کو جی چاہا۔

ے جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

لیکن ایک قلمکار کے لیے یہ مشکل تھا ایک دفعہ تو آنسو نکل آئے مگر یہ سوچ کر:

؎ ناخدا جن کا نہ ہو اُن کا خدا ہوتا ہے

اس پر کسی سے کوئی گلہ نہیں۔ غلطی میری اپنی تھی کہ میں نے خالقِ کائنات کا دروازہ چھوڑ کر بندوں سے آس لگائی تھی۔

سمندر میں جوار بھاٹا کی طرح زمانہ اپنے ساتھ سب کچھ لے کر آتا ہے اور بہت کچھ ساتھ لے جاتا ہے، مگر تاریخ کو نہ کسی کے جانے کا غم اور نہ آنے کی خوشی۔ وہ صرف اپنا تحفظ چاہتی ہے۔ زمانے کی خواہش کہ میں دو جمع دو کو چار کیوں کہتا ہوں پانچ کیوں نہیں کہہ دیتا۔

ے اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی نالاں ہیں
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

جنرل ضیاء الحق کے دور کا ذکر ہے کہ اُن کے ایک قریبی دوست میرے پاس تشریف لائے اور کہا:

"میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو حکومت پاکستان سے کاروانِ احرار پر ایوارڈ دلوانے کی سفارش کروں۔ لیکن آپ نے تو کسی کو معاف نہیں کیا۔"

میں نے یہ بات ہنسی میں ٹال دی۔

مؤرخ تاریخ کا امانتدار ہوتا ہے ۔اس کا تحفظ اس پر لازم آتا ہے ۔ ذرا سی غلطی ماضی کو مشکوک کر دیتی ہے ۔

تحفظِ ختم نبوت کی تحریک اس صدی کی بہت بڑی تحریک تھی ۔اس تحریک میں بہہ جانے والا لہو تقاضا کرتا ہے کہ قلم کو سنبھال کر اٹھاؤ ۔لیکن میرے عزیزوں نے مصنف بننے کی خوشی میں تمام تاریخ کو ایسا داغدار کیا کہ مستقبل کا مؤرخ اُنہیں کبھی معاف نہیں کرے گا ۔

حقیقت تک پہنچنے کی تصویر کو من وعن فریم میں لایا جائے ۔لیکن رفقاء میں بدگمانی کا خوف حائل ہوا ۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۴ء تک کی یہ تحریک جن سنگلاخ راہوں سے گذری اگر انہیں واقعات کو گواہ بنا کر تحقیق کی جاتی تو بات صاف ہو جاتی اور ممکن ہے مزید قلم اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی یا اگر بالغ نظر ہی خود اس پر ایک نظر ڈالتیں تو بڑی حد تک معاملہ درست رہتا ۔

جب سچائی کو جھوٹ کے ساتھ گرہ دینے کا رواج چل پڑے اور انسانی ضمیر بازاری اشیاء کی طرح فروخت ہو رہا ہو ۔تو ایسے میں صحیح راستہ تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے ۔ پتھر کھانے پڑتے ہیں ۔ گالیاں سُننی پڑتی ہیں ۔اس پر بھی اگر حقیقت سمجھ میں آجائے تو سودا مہنگا نہیں ہوتا اگرچہ رواں حالات نے دل و دماغ بگاڑ رکھے ہیں ۔ بازار میں کھوٹے سکے مہنگے بھاؤ بک رہے ہیں ۔ تو حکومت کی جیب میں بھی ایسے ہی سکوں کا رواج ہے سوچ و فکر کے سوتے بند ہو چکے ہیں ۔جن سانچوں میں میرے کل پُرزے ڈھلے ہیں ۔اُن کے ہاں ایمان کی دولت ہی تو تھی ۔جو کبھی ضائع نہیں ہوتی ۔

؎ من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں ۔
دھن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

میں نے اپنے قلم اور ضمیر کا سودا کبھی نہیں کیا ۔ اور نہ آئندہ ہو گا ۔ (انشاء اللہ)
بات دوسری طرف چل نکلی ۔میرا منشاء یہ سب کچھ کہنے کا نہیں تھا ۔مگر خیر......

زیرِ نظر کتاب کی اشاعت کا ذکر چل رہا تھا۔ تحریک ختمِ نبوت رواں صدی کی بہت بڑی تحریک تھی۔ اگر اسے کمزور قلمکاروں پر چھوڑ دیا جاتا تو اس تحریک کی افادیت ضائع ہو جاتی۔

●

میں نے اپنے پختہ کار ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ تاہم جہاں تک تحریک ختمِ نبوت کی تاریخ کا تعلق ہے۔ میری حقیقت ساحل پر کھڑے تماشائی کی نہیں بلکہ میں برسوں اس سمندر کا تیراک رہا ہوں۔ موجوں سے اُلجھا، نہنگوں سے لڑا اور طوفانوں سے کھیلتا آ رہا ہوں۔ کبھی ہارا نہیں۔ ماضی کی تاریخ پر میرا قلم رہا ہے۔ الحمد للہ اقتدار کو گلہ ہو تو ہو، واقعات کو میری رائے سے اختلاف نہیں۔ ہاں کوتاہی ہو سکتی ہے۔

●

تاریخ اُن واقعات کو اپنے دامن میں گرہ دیتی ہے جو اُس کے چشم دید ہوں۔ یا اُن شخصیات کا ذکر ضروری ہوتا ہے جو اس کے محرک رہ چکے ہوں۔ رہے وہ نام جو اس راستے میں کام آئے اُن کی فہرست داورِ محشر تک محفوظ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اس کا صلہ ضرور دے گا۔

●

۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۴ء تک ہزاروں شہید ہوئے۔ لاکھوں جیل خانوں میں گئے۔ یہ تمام روزِ محشر میں سامنے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی لاج رکھیں گے۔

●

قارئین جان گئے ہوں گے کہ جب میں کسی تاریخ یا تحریک پر قلم اُٹھاتا ہوں تو اُس کا پس منظر سامنے لانا میرے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ مستقبل سمجھنے سے پہلے ماضی سمجھ میں آ جائے۔

مغربی تہذیب نے جن اطوار سے اسلام کے ساتھ برصغیر کی تاریخ کو اپنی سیاسی ضرورت کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ رواں نسل اس حقیقت کو جان کر اپنا کردار چھوڑتی جا

رہی ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب اگر ۱۹۳۱ء سے شروع کرتا تو تحریک ختم نبوت کے کئی ابتدائی اور بنیادی پہلو ذہنوں سے ماورئی رہتے۔ جبکہ نصف صدی گذرنے پر بھی غلامی کے اثرات نوجوانوں کے ذہنوں پر غالب ہیں۔

●

غدارِ ختم نبوت، دجال قادیان (مرزا غلام احمد) کا شجرہ نسب چونکہ مسیلمہ کذاب سے ملتا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے سے کتاب کی ضخامت بڑھنی لازمی تھی۔ ظاہر ہے اس کا قیمت پر بھی اثر پڑتا۔ لہٰذا اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ کتاب خریدنے میں آسانی رہے۔ دوسرا حصہ کتابت کے مراحل طے کر رہا ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد قارئین تک پہنچ جائے گا۔ والسلام آپ کی دعاؤں کا محتاج جانباز مرزا ۳/۱/۱۹۹۲

قارئین کرام! والدِ گرامی مرزا غلام نبی جانباز کی زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت تھی۔ بچپن ہی سے قافلہ احرار سے وابستہ ہو کر جیل اور ریل کی نذر ہو گئے اور پھر زندگی کے آخری دور میں قلم و قرطاس سے رشتہ جوڑ کر تاریخ کی گتھیاں سلجھانے میں لگ گئے۔ اس میدان میں انہوں نے تن تنہا وہ کام کیا جو ایک ادارے اور جماعت کا کام تھا۔

"مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک" ان کا آخری کارنامہ ہے جس کی تکمیل و اشاعت کیلئے وہ آخری وقت تک بھرپور توجہ دیتے رہے۔ کتابت کے مراحل ان کی زندگی میں طے ہو گئے۔ افسوس ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء کی شب وہ آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے اور اشاعت کی خواہش ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ بہرحال اب یہ امانت آپ کی نذر کر رہا ہوں۔

ان کے جملہ تحریری سرمایہ کی اشاعت کا تسلسل انشاء اللہ جاری رہے گا۔ اس ضمن میں ان کے احباب اور نیازمندوں کی دعائیں اور تعاون مجھے درکار ہوگا۔ یقین ہے کہ احباب حسبِ سابق محبت سے نوازیں گے۔

میں اپنے بزرگ مولانا محمد شریف احرار اور اپنے چھوٹے بھائی طارق جانباز کا بھی ممنون ہوں جن کا پُرخلوص تعاون میرے ساتھ ہے۔ والسلام

دعاؤں کا محتاج ——— خالد جانباز ۳۰-۱-۱۹۹۳

فہرست مضامین

و ارشادِ خداوندی
و ارشادِ خاتم الانبیاء (صلعم)
و مسیلمہ کذاب کی حضور خاتم الانبیاءؐ کی خدمت میں حاضری
و سرکارِ دوعالمؐ کا جواب
و حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا دورِ حکومت
و حضرت خالدؓ بن ولید کا مسیلمہ سے آمنا سامنا
و مسیلمہ کذاب کا قتل بدست حضرت وحشی رضؓ

۲

و برطانوی دورِ حکومت اور غدار کی تلاش
و برطانوی وفد کی غدار کی تلاش میں ہندوستان میں آمد
و غدارِ وطن کا خط برطانوی ملکہ کے نام
و دجال قادیان کی موت کس طرح سے ہوئی (باتصویر)
و مرزائیوں کا سیاسی اور اخلاقی ماحول
و مولانا عبدالکریم مباہلہ کا قادیان سے نکلنا
و مفکرِ احرار چوہدری افضل حق سے مباہلہ کی ملاقات
و قادیان میں احرار کا پہلا وفد اور اُس کی پٹائی
و قادیان میں انسانوں کا قتلِ عام
و قادیان میں مجلسِ احرار کا قیام اور مولانا عنایت اللہ چشتی

۳

و قادیان میں احرار کانفرنس (۱۹۳۴ء)

و ربّ قادیان

و حضرت امیرِ شریعت کا قادیان میں داخلہ

و مرزائیوں کے خلاف دیوبندی، بریلوی اور شیعہ اتحاد

و خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم اور میاں ممتاز محمد دولتانہ کی چپقلش

و قادیان میں احرار کا دفتر

و ماسٹر تاج الدین انصاری کا قادیان میں تقرر

۴

و تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کا آغاز

و گرفتاریاں اور نظر بندیاں

و مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا تحریک ختم نبوت میں کردار

و مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی گرفتاری

و مولانا مودودی گرفتار کیوں ہوئے

و ایک اہم انکشاف

مصنفین اور معاونین کا شکریہ | یہ ناانصافی ہوگی اگر میں اُن مصنفین اور معاونین کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے میری اس تاریخی دستاویز کو مکمل کرنے میں میرے ذہن اور دل کی رہنمائی کی۔

و آئینہ تلبیس حصہ اول، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری و مشاہدات قادیان، مولانا عنایت اللہ چشتی میانوالی و شہر سدوم، شفیق مرزا و منیر انکوائری رپورٹ و کاروانِ احرار جلد چہارم، حیاتِ امیر شریعتؒ جانباز مرزا، میری ذاتی یادداشتوں کے علاوہ، مولانا عبدالرحیم اشعر عالمی مجلسِ تحفظِ ختم نبوت پاکستان، مولانا حمیدالرحمٰن عباسی، مولانا عبدالرشید انصاری نے بھی میری رہنمائی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ (آمین)

نظامِ فطرت میں جھوٹ اور سچائی کے مابین کشمکش کی تاریخ انسان کی پیدائش سے شروع ہے۔ کبھی جھوٹ کی چمک سچائی کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور کبھی سچائی ابھر کر جھوٹ کی روشنی کو ماند کر دیتی ہے، جیسے ہی افسانوی بت حقیقت کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، وقت اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے اور جھوٹ کی ساری عمارت ڈھیر ہو کر رہ جاتی ہے

اغراضِ زمانہ اس لڑائی کو کسی نہ کسی پلڑے میں ڈال کر اپنے کو شریک کر لیتی ہیں، یہیں سے سیاست جنم لیتی ہے، جس کی زد کبھی مذہب پر پڑتی ہے اور کبھی سلطنت اپنا وقار ضائع کر بیٹھتی ہے۔

اقوامِ مغرب کی مشرق میں آمد کے ساتھ ہی جس سیاسی وجود نے جنم لیا برصغیر میں اپنے برگ و بار بکھیرے اور ایشیائی مذاہب کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کی سب سے بڑی زد اسلام پر پڑی۔ اس باغ کا ہر گل بوٹا بادِ سموم کی زد میں آکر اپنی بہاریں کھو بیٹھا۔

کفر کے قدم جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے، اسلام کا توقف اور اصول غیر ملکی آئین کی نظروں میں جکڑتے چلے گئے تاآنکہ سورج کی ہر کرن برائی کے گھیراؤ میں آکر داغدار دکھائی دینے لگی۔ اس مذموم گھٹن میں برائی کے جو ذرات پھیلے، مرزائیت کا وجود بھی انہیں میں تھا۔ اس کی تخم ریزی میں وہی ہاتھ کارفرما تھا، جنہیں اپنے استحکام کے لئے غلامی کی گرہیں مضبوط کرنا مقصود تھا۔

یہ پودا جب تن آور درخت بن کر اسلام کے دامن کو اپنے خار و خس سے چھیدنے لگا تو اس کی بیخ کنی کی فکر ہوئی بالآخر وہی ہاتھ اس کو اکھاڑنے کے لئے اٹھے، جو ۱۸۵۷ء سے انگریز کے دست و گریبان سے کھیلتے چلے آ رہے تھے۔

انگریز بھی اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت کے لئے پوری قوت سے ان لوگوں کے سامنے آیا۔ آخر جیت کس کی ہوتی؟ یہ داستان دلچسپ بھی ہے اور پُر مصائب بھی۔

قارئین کرام! زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ دینی اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ مرزائیت کی سیاسی، تاریخی، اخلاقی اور بدکرداریوں کے پس منظر میں کریں۔

اس گروہ نے ملتِ اسلامیہ اور اسلام کے بنیادی پتھر کو انگریز کا اشارہ پا کر اپنی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کی۔ خدا نخواستہ اگر یہ اپنی کوشش میں انگریز کی سیاسی ضرورت کے لیے کامیاب ہو جاتے تو اسلام کا روشن چراغ ہمیشہ کے لیے مدھم ہو جاتا۔

؎ انہیں کے مطلب کی کہہ رہے تھے
زبان ان کی تھی، بات اُن کی

انگریز نے اپنی زرّیت کے ذریعے مسئلہ جہاد اور اس قسم کے ضروری ارکان کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ عین وقت پر مجلس احرار اسلام ہند نے آگے بڑھ کر اس گروہ کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اور الحمد للہ احرار کامیاب ہوئے۔ آج یہ گروہ مسلمانانِ عالم میں ایک گالی کی حیثیت رکھتا ہے۔

لہٰذا کتاب ہٰذا کو اسی پس منظر میں پڑھیں۔

(مصنف)

غدّارِ وطن

غدّارِ وطن غدّارِ نبیؐ اس پاک وطن میں کیوں کر ہیں
میں پوچھتا ہُوں یارانِ وطن یہ خارِ چمن میں کیوں کر ہیں
ناموسِ محمّد عربیؐ پر ہم جان نچھاور کر دیں گے
گر وقت نے ہم سے خوں مانگا ہم وقت کا دامن بھر دیں گے
باطل نے بھی ہم کو جانا ہے ہم دار و رسن کے راہی ہیں
ہم موت سے لڑنا جانتے ہیں اس بات کی قسمیں کھائی ہیں
باطل کی نبوّت باطل ہے یہ زہر ہے ابنِ آدم کو
یہ ٹولہ ہے ابلیسوں کا کہہ دو سارے عالم کو
ہو قادیاں یا پھر ربوہ ہو میخانے ہیں افرنگ کے یہ
یوں ننگِ شرافت کہیے انہیں اسلام کی راہ میں ننگ ہیں یہ
جمہور تقاضا کرتی ہے یہ کُفر کی بستی ختم کرو
یہ جاسوسوں کا ڈیرہ ہے اس ڈیرے کو بھی ختم کرو
ورنہ پھر میدان میں ہیں سمجھو کہ کفن بردوش بھی ہیں
ہم ختمِ نبوّت کے وارث اس راہ میں سرفروش بھی ہیں
تم سانپوں کے رکھوالے ہو کیوں دودھ پلاتے ہو ان کو
یہ پاک وطن کے دشمن ہیں تم دوست سمجھتے ہو جن کو
ہمّت تو کرو جانباز ذرا یہ بیڑہ ڈوبنے والا ہے
تم دیکھتے ہو دجالوں کا اس دنیا میں منہ کالا ہے

جانباز مرزا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آغازِ سفر

عیسائی اور یہودیت کی گمراہ کن تحریکیں اپنے عروج پر تھیں۔ عقیدۂ توحید ان کی اوٹ میں معدوم ہو چکا تھا۔ مخلوق اپنے خالق سے بیگانہ تھی، تین خداؤں کی چوکھٹ پر سجدوں کی بھیڑ لگ رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ ایک خالق کی مخلوق بہت سے خداؤں کی بھیڑ میں گم ہو چکی ہے۔

یہ ایک دو سالوں کی بات نہیں بلکہ پانچ صدیاں اسی گمراہی میں گذر چکی تھیں۔ اس دوران حیوانات کی پرستش کو اپنی ضرورتوں کا محور سمجھ کر ان کی پوجا ہو رہی تھی۔ انہیں کو حاجت روا جان کر خدا کی مخلوق خدا سے ہزاروں میل دور جا چکی تھی۔ خدا کے پیغام کی آواز اگر ان تک پہنچی بھی تو سنی اَن سنی کر کے اس کا مذاق اڑایا گیا۔ یہ مغرب کا حال تھا۔

اقوامِ عرب ان سے کہیں بڑھ کر ضلالت کے گڑھے میں گری ہوئی تھی۔ یہاں نہ کوئی مذہب تھا، نہ اصول، ہر قبیلے کے ہر گھر کے طاقچے میں اپنا اپنا بُت رکھا تھا۔ لات، ہُبل اور منات کی پوجا ہو رہی تھی۔ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی رسمیں عام تھیں، فسق و فجور کے اسی پُر آشوب دور میں یہاں اسلام کا ظہور ہوا۔

خالق کا آخری پیغامبر بنی نوعِ انسان کی بھلائی اور سلامتی کے لئے جو نسخۂ کیمیا لے کر آیا تھا، سچائی سے منحرف اور بھٹکی ہوئی اقوامِ عرب نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آوارہ مزاج عرب قبائل قسمیں اٹھا کر

حق کی آواز روکنے کے لئے کوہِ گراں بن کر آن کھڑے ہوتے۔ وقت بھی انہیں کے ساتھ ہو لیا۔

عرب کی خزاں زدہ وادیاں جو صدیوں سے اپنی بہاریں کھو چکی تھیں، بادِ سموم کے تند و تیز جھونکے، تپتی ریت کی گٹھریاں لے کر اپنے سروں پر ڈال رہے تھے، ایسے میں بھی داورِ حشر کا نجات دہندہ اپنے رب کا حکم ان تک پہنچاتا رہا۔ لیکن بگڑی ہوئی قوم نے سمجھنے اور سننے کی بجائے انہیں مجنون کہا۔ دعائیں دینے کی بجائے گالیاں دیں۔ پھولوں کی جگہ پتھر مارے۔ مکہ کی گلیاں اور بازار اور خود ربِ کائنات تیرہ برس خاتم الانبیاؐ کے صبر اور تحمل کا امتحان لیتا رہا۔ اپنے مظلوم بندے کے ساتھ اقوامِ عرب کا برتاؤ دیکھ کر فطرت کے آنسو بھی بہہ نکلے اور یہی آنسو ابرِ رحمت بن کر وادیٔ عرب پر برسے کہ زمین کے ساتھ دلوں کی کھیتیاں بھی لہلہا اٹھیں۔ گمراہی اور جہالت کے بادل جنہوں نے سچائی کے سورج کی کرنیں روک رکھی تھیں، پھٹتے چلے گئے۔ اس پر بھی زنگ آلود دلوں کا نکھرنا مشکل تھا۔

نیکی انمول شے ہے اور اس پر مالکِ کون و مکاں کا اپنا اختیار ہے۔ وہ جسے مناسب سمجھیں عنایت کرتے ہیں۔ فطرت کا یہ انمول شاہکار جن نیک سیرت جھولیوں میں گرنا تھا، گرا اور وہ راہِ حق کے سنگِ میل بن کر کائنات پر ابھرے۔

صداقت کا آفتاب طلوع ہونے کی دیر تھی کہ عرب قبائل کفر کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے اُجالے میں آنے لگے، تاہم بعض دلوں میں کفر کی سیاہی بدستور جمی رہی، صنم کدوں سے بُت اٹھا کر آستینوں میں رکھ لئے گئے۔ اسلام اور خاتم الانبیاؐ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں کا مرکز دشمنِ اسلام عمر بن ہشام (ابوجہل) کی حویلی کو ٹھہرایا گیا۔ منافقینِ مکہ کی یہود اور نصاریٰ سے شب و روز ہم آہنگی بڑھنے لگی۔

سرتاجِ انبیاؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے کے ہر موڑ پر دکھ اور تکلیف دینے کے نئے نئے منصوبے سوچے گئے، راہ چلتے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر ان پر پھینکے گئے، انہیں مجنون کہہ کر بچوں سے تالیاں پٹوائی گئیں۔ نماز کے وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر اونٹ کی اوجھ رکھ دینا منافقین کا روز کا معمول بن گیا۔ اس پر یہ ستم کہ اپنے بھی منہ موڑ کر پرائی صف میں جا کھڑے ہوتے۔

یتیم مکہ ایسے حالات میں یکہ و تنہا مکہ کی گلیوں میں ربِ اکبر کا پیغام پہنچاتے رہے۔

نئے فتنوں کا آغاز

نہ تو نیکی نے اپنا راستہ کبھی چھوڑا نہ برائی نیکی کے راستے خراب کرنے سے باز رہی۔ آفتابِ رسالت نے جب سارے عرب کو محیط کر لیا تو باطل نئی سوچ و فکر سے سامنے آیا۔

مرزائیت ؟

انسانی دل و دماغ سے ایوانِ حکومت تک گذشتہ نصف صدی میں مرزائیت کے خلاف جو عملی، علمی سیاسی اور آئینی جد و جہد ہوئی اس سے مرزائیت اِس قابل نہیں رہی کہ اس کا تذکرہ کیا جائے، تاہم رواں نسل جسے مغربی تعلیم نے اسلام سے ارادتاً دور رکھا، مرزائیت کی باطل تحریک سے ہنوز پوری طرح آشنا نہیں۔

یہ دجالی تحریک نہ تو کوئی مذہب تھا اور نہ عقیدہ، بلکہ غیر ملکی حکومت کی برصغیر میں سیاسی ضرورت تھی یہ تحریک جس کے پسِ منظر میں اسلام کا بنیادی عقیدہ ختم نبوت کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس حقیقت کو ختم کرنا مقصود تھا کیونکہ اسلام کا محور یہی عقیدہ ہے مسلمان اس شمع پر جل مرنا اپنا ایمان سمجھتا ہے۔

عیسائی حکمرانوں کے لئے لازم تھا کہ وہ برصغیر کے غلام مسلمان کو اس عقیدہ سے

سے منحرف ہونے کی ترغیب دیں نیز اس سے مسلمان کو بغاوت پر آمادہ کریں۔ انگریز نے اس پر عمل کرتے ہوئے تمام کھیل کھیلا چنانچہ یہی وہ باطل تحریک ہے، جس نے مسلمان کو جہاد لیسے جذبہ سے بیگانہ کرکے انگریز کی معاونت پر آمادہ کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی جذبۂ جہاد کا نتیجہ تھی اور انگریز اس تحریک سے الرجک تھا۔ اس جذبے کو ختم کرنا فرنگی حکمرانوں کے لئے ازبس ضروری تھا۔ اسی ضرورت کے لئے انگریز نے مرزائیت کو جنم دیا۔ جس نے آگے چل کر محکوم مسلمان کو مذہب سے بیگانہ کر دیا۔

دجالی تحریک کے بانی (مرزا غلام احمد) نے انگریز کی منشا اور اغراض کے لئے قریباً نوّے سال پیشتر سے اسلام کے عنوان پر اسلام اور داعی اسلام کے خلاف لٹریچر کی اشاعت کی اور ہندوستان کے مسلمان کو گمراہ کیا۔

(۳)

قوموں کی زندگی میں وہ دن بڑا منحوس ہوتا ہے، جب وہ کسی غیر ملک کے غلام ہو جائیں۔ پھر تمدن کے ساتھ مذہب پر بھی پرائی چھاپ لگ جاتی ہے۔

ایک ہزار برس برصغیر پر حکومت کی ہواؤں میں تیرنے والا مسلمان جب فرنگی کی عملداری میں اپنا وقار کھو بیٹھا۔ اس پر اس کی تمام نردیں ہر گئیں۔ اس کے پاس عزت کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ مقدر کے ساتھ مذہب کا دفاع کیسے ہو سکے، احتجاج تک کی قوت بھی سلب ہو کر رہ گئی۔ انہیں واقعات نے عقیدہ ختم نبوت کو ذہنوں سے اس حد تک محو کر دیا کہ اسلام کی بنیاد پر زد پڑتی دکھائی دینے لگی۔ اسلام اپنی حقانیت کے باوجود مشکوک ہونے لگ پڑا۔ غیر ملکی حکومت کا یہی منشا تھا اور وہ اس میں کامیاب تھی۔

احساس غلامی کے باوجود علمائے دین نے اپنی قوتِ ایمانی کو برطانوی ایجنٹوں وطن عزیز کے غداروں اور ختم نبوت کے باغی دجالی گروہ کے مقابل متحد کرنے کا فیصلہ

کرلیا۔

۱۹۳۱ء کا سال اس اعتبار سے بڑا مبارک سال ہے۔ جب اس غدار ٹولے پر مجلسِ احرار کی پہلی ضرب پڑی، یہ ضرب اس قدر کاری تھی کہ سازِ فرنگی کے تمام تار جھنجھنا اٹھے اور مرزائیت کے تمام راگ بے سُرے ہو کر رہ گئے۔

(۴)

مرزائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (نعوذ باللہ) اور ان کی قبر کشمیر سرینگر کے ایک محلہ بانیاں میں ہے۔ اس باطل عقیدے کے تحت یہ دجالی گروہ کشمیر پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اگر یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو کشمیر کا تیس لاکھ مسلمان مرزائیت کی آغوش میں چلا جاتا۔ (اس کی تفصیل کیلئے

کاروانِ احرار کی پہلی جلد دیکھیں) جب کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کشمیر کمیٹی کی صدارت ابن دجال بشیر الدین محمود کے سپرد کر چکے تھے۔ اگر احرار راہنما اس وقت جرأت نہ کرتے تو آج سارا کشمیر کفر گڑھ ہوتا۔

اس موقعہ پر فرنگی سامراج اپنی روحانی اولاد کی حفاظت کے لئے کیل کانٹوں سے آراستہ محاذ آرائی پر اُتر آیا۔

کاروانِ حُریت ایک طرف وطن عزیز کی آزادی کے لئے انگریز سے جنگ آزما تھا تو عین اسی وقت اسے دشمنانِ ملت سے بھی برسرِ پیکار ہونا پڑا۔

(۵)

زیرِ نظر کتاب کی نہ تو مذہبی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کا دینی مسائل سے کوئی تعلق، کیونکہ قادیانی تحریک نہ مذہبی ہے نہ علمی۔ اکثر مصنفین نے خواہ مخواہ اس دجالی گروہ کو مذہبی سمجھ کر اس پر دلیل و براہین کے ڈھیر لگا دیئے ۔ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہ تھی نہ ہے۔

تاہم دنیاوی حجت کے طور پر حضرت مولانا ثنا اللہ امرتسریؒ دجال اعظم (مرزا غلام احمد) سے جو عملی مباہلہ ہوا کہ

"سچے کے مقابل جھوٹا اس کی زندگی میں مر جائے گا"

تو یہ فیصلہ بھی ہو چکا، جھوٹا دجال اعظم (مرزا غلام احمد) مولانا ثنا اللہؒ کی زندگی میں واصل جہنم ہوا۔ اور حضرت مولانا چالیس سال بعد فوت ہوئے۔ یہ حجت بھی پوری ہو گئی۔

قرآن حکیم :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ○

محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں لیکن رسولؐ ہے اللہ کا، اور مہر سب نبیوں پہ اور ہے اللہ سب چیز جانتا۔

●

ارشادِ ربِّ کریم

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدہ : ۳)

آج کے دن کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے (کہ اب یہ دین ختم نہیں ہو سکتا) اس لیے تم کافروں سے مت ڈرو صرف مجھی سے ڈرو۔

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت میں

نے پوری کردی۔ اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو ہی بطور دین پسند کیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (الاحزاب: ۴۰)

(حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالےٰ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالےٰ ہر شئے کی حقیقت کو جاننے والے ہیں۔

ارشادِ خاتم الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم

اَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

میں نبیوں کی آمد کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

انا خاتم النبین لا نبی بعدی،

حضرت امام ابوحنیفہؒ

"کوئی شخص کہے کہ وہ نبی ہے، اس سے دلیل مانگنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔"

•

ان واضح حقائق اور زرین اقوال کے بعد دینی اور دنیاوی اعتبار سے کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی، لیکن برطانوی دورِ اقتدار میں کوئی ہمت نہ کر سکا کہ وہ دجالِ قادیان (مرزا غلام احمد) سے وہ سلوک کرے جو حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حکم پر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ

نے مسیلمہ کذاب سے کیا تھا۔ تاہم وہ لوگ قابلِ قدر اور لائق تحسین ہیں جنہوں نے غلام ہونے پر بھی دجالِ اعظم سے اس کے دجل اور فریب پر علمی بحث کی اور کتابیں لکھیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ (آمین)

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ اگر ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

جانباز مرزا

منصبِ نبوتؐ پر حملے اور دفاعِ نبوتؐ

اندرونی خلفشار جس میں منافقین مکہ کے ساتھ
یہود و انصاریٰ کا بڑا دخل تھا، کے علاوہ عرب کے گرد و نواح میں ارتداد و بغاوت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی رہنمائی چار شخص کر رہے تھے، جن میں تین مرد اور ایک عورت تھی۔ پہلا شخص مسیلمہ کذاب تھا، بعض مؤرخین نے اس مسئلے میں گڈمڈ کی ہے۔ انہوں نے اسود عنسی کو اسلام اور نبوت کا پہلا باغی قرار دیا، مگر حقیقت یہ نہیں۔ اسود عنسی، خاتم الانبیآ (صلعم) کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام کے قریب منصبِ نبوتؐ پر حملہ آور ہوا اور اپنی بیوی (جس کا نام آزار تھا) کی سازش سے واصلِ جہنم ہوا۔ جیسا کہ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے اپنی عربی کتاب میں درج کیا ہے جس کا اُردو ترجمہ بھی انہوں نے خود ہی کیا۔ اس میں انہوں نے اسود عنسی کے متعلق اسی طرح لکھا ہے، جب کہ باغیانِ ختمِ نبوت کی ترتیب اس کے برعکس ہے۔

(۱) مسیلمۃ الکذاب (۲) سجاح بنت حارث (۳) طلحہ اور (۴) اسود عنسی،
یہ غارت گرِ انسانیت اپنے اپنے وقت میں ختمِ نبوت کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر کے محسنِ کائنات کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ عرب کے جہلاؔ ان کے جال میں آتے چلے گئے۔

یہ لڑائی ایک طرف عرب کی تہذیبِ کہنہ کی نمائندہ تھی، جس میں شعبدہ باز اور بُت گروں کے گروہ پوری قوت سے آراستہ تھے۔ خدا کا آخری پیغامبرؐ

صرف اور صرف یکہ وتنہا سچائی اور دیانت کے پہاڑ پر کھڑا لوگوں کو پکار رہا تھا۔
"ھذا صراط مستقیم"

تاریخ عالم کے اکثر قضیے، عورت، مذہب یا وقارِ سلطنت کے بہانے لڑے گئے۔ لیکن عوام ان کے پس منظر سے ہمیشہ ناآشنا رہے اور جب حقیقت سامنے آتی تو پانی سروں سے گزر چکا ہوتا۔ مگر۔

ے کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

دشمنانِ ختمِ نبوتؐ کا انجام

۱۔ مسیلمۃ الکذاب

میلمہ کے باپ کا نام حبیب[1] تھا اور کنیت ابوثمامہ یا ابوثمالہ تھی ۔ بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو حنیفہ کا جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۹ھ میں آیا تھا، اُس کا ایک رکن یہ بھی تھا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر اپنے بعد مجھ کو اپنا قائمقام بنانے کا وعدہ کریں تو میں آپ سے بیعت کر لوں گا، لیکن آپ نے کھجور کی ایک شاخ جو آپ کے پاس تھی اس کی طرف اشارہ کر کے صاف جواب دے دیا کہ اگر تم مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگو گے تو میں نہیں دوں گا۔ اسی قبیلہ کے ایک اور شخص ہوزۃ بن علی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کی بات لکھی تھی۔ لیکن آپ نے اس کو بھی یہی جواب دیا اور ساتھ ہی دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو مجھ کو اس کے شر سے بچا چنانچہ چند روز کے بعد ہی یہ مر گیا۔ (بلاذری ص ۹۴)

مسیلمہ وفد بنو حنیفہ کے ساتھ اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اس کے ساتھیوں نے یہ خبر اڑا دی کہ محمد (رسول اللہ) نے مسیلمہ کو اپنا شریکِ کار تسلیم کر لیا ہے۔ بنو حنیفہ اور جو لوگ اِن کے حلیف تھے وہ سب

نوٹ: بلاذری بیان کے مطابق حبیب مسیلمہ کے باپ کا نہیں دادا کا نام تھا اور باپ وغیرہ مسیلمہ بن حبیب لکھتے ہیں ۔ صحیح بخاری ج۲ ص ۶۲۸

مسیلمہ کے ساتھی ہو گئے۔ اب ان کی جرآت یہاں تک ہو گئی کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہ عبارت تھی۔
من مسیلمۃ رسول اللّٰہ الیٰ مُحَمَّدٌ رسول اللّٰہ" اور اس کے بعد لکھا تھا:
آدھی زمین میری ہے اور آدھی زمین قریش کے لئے۔ لیکن قریش انصاف نہیں کرینگے"

یہ خط عمر بن الجارود الحنفی نے مسیلمہ کی طرف سے لکھا تھا اس کا جواب نبی صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب سے جو لکھوایا اس کے شروع میں یہ الفاظ تھے "محمد النبی الی مسیلمۃ الکذاب" اور پھر لکھا تھا کہ زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔
مسیلمہ کے ساتھیوں میں کثرت سے ایسے لوگ تھے، جو مسیلمہ کو جھوٹا سمجھتے تھے اور اس کی بداخلاقی و بدعملی کے باعث اس کو ناپسند بھی کرتے تھے لیکن صرف قبائلی عصبیت کے باعث اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے، چنانچہ خود مسیلمہ کا مؤذن جس کا نام حجیر تھا اور وہ جب اذان دیتا تھا تو برملا کہتا تھا، اشھدان مسیلمۃ یزعم انہ رسول اللّٰہ" یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور لطف یہ ہے کہ مسیلمہ بھی یہ سن کر کہتا تھا" افصح حجیر"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسیلمہ خود بھی اپنے متلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں تھا لیکن صرف اپنا کام نکالنے کے لئے چہرہ پر نبوت کا نقاب ڈال لیا تھا۔

یوں تو مدعیان نبوت کے سلسلہ میں اور بھی دو تین نام ملتے ہیں لیکن ان کو فروغ نہیں ہوا اور وہ جلد ہی گم نامی کی موت مر گئے۔ ارتداد و بغاوت کا عرب میں یک بیک جو طوفان اُمڈ آیا تھا اس کی رہبری اور قیادت یہی مذکورہ بالا چار شخص تین مرد اور ایک عورت کر رہے تھے، ان کے علاوہ عیینہ بن حصن الفزاری اور مالک بن نویرہ وغیرہ ہما قسم کے لوگ انہیں میں سے کسی نہ کسی کے اعوان و انصار تھے۔ ان چار میں سے ایک شخص یعنی اسود عنسی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا آپؐ کی وفات کے فوراً بعد (علی اختلاف الروایات) مارا گیا تھا اور اس کے ساتھیوں میں سے، جو چند آدمی زندہ و سلامت بچ رہے تھے انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

•

سجاح بنت الحارث

اس وقت نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی ہوا کچھ ایسی چل رہی تھی کہ مرد تو مرد عورتیں بھی اس میدان میں قسمت آزمائی کے لئے اُتر پڑیں۔ چنانچہ سجاح نے جو بنو تغلب سے تعلق رکھتی تھی، اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو تغلب اور بنو میم میں کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ ان کے علاوہ قبیلہ ہذیل جو عیسائی تھا وہ بھی اس کا حامی ہو گیا اور مسیحیت کو ترک کر دیا۔ مالک بن نویرہ، جو مرتد ہو گیا تھا اس کا دستِ راست تھا لیکن سجاح اور مسیلمہ جس کا ذکر ابھی آتا ہے، دونوں میں ازدواجی تعلق ہو گیا اور اس طرح اس کی نبوت مسیلمہ کی نبوّت میں مدغم ہو گئی۔

اس تعلق کی ابتدا کیوں کر ہوئی اور یہ کس نوعیت کا تعلق تھا۔ ابن جریر نے اس کی تفصیل جو کہ نہایت فحش ہے جلد دوم ص ۴۹۷ میں لکھی ہے [1] فتوح البلدان ص ۹۷ بلاذری نے حلیہ یہ لکھا ہے کہ پست قامت زرد رُو اور چپٹی ناک والی تھی۔
سجاح بنتِ الحارث کا انجام بھی مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہوا۔

طلیحۃ الاسدی

طُلیحہ بن خویلد اسدی قبیلۂ بنو اسد کی طرف منسوب ہے جو نواحِ خیبر میں آباد تھا۔ اس شخص نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد سعادت میں مرتد ہو کر سمیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی دن میں ہزارہا لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

طُلیحہ نے اپنے عم زاد بھائی یا برادر زادہ کو جس کا نام حیال یا حبال تھا۔ دُنیا کے ہادیٔ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی نبوت کی دعوت کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حیال بارگاہ نبوی میں پہنچا اور صورتِ حال بیان کر کے حضرت سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر "ایمان" لانے کی دعوت دی۔ حیال نے اپنے اثباتِ دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذو النون (روح الامین) آتا ہے۔ آپ نے فرمایا "تم لوگوں نے محض ذو النون کا نام کہیں سے سُن لیا ہے"۔ حیال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگا "واہ صاحب! آپ کیا کہتے ہیں، کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور نجات دہندہ یقین کرتی ہے"؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا "خدا تمہیں ہلاک کرے۔ اور تمہارا خاتمہ بخیر نہ ہو"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حیال حالت ارتداد ہی میں قتل ہو کر داخل جہنم ہُوا۔ اور اس دُنیا سے نامراد گیا۔ طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر ان کو مسجع کیا اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔ رکوع و سجود کو حذف کر دیا۔ رکوع و سجود کے متعلق کہا کرتا تھا کہ خدا تمہارے بے نیاز مونہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ معبود برحق کو کھڑے ہو کر یاد کر لینا کافی ہے۔ دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت

سی باتیں اختراع کی تھیں۔ کہا کرتا تھا کہ جبریل امین ہر وقت میری مصاحبت میں رہتے ہیں اور وزیر کی حیثیت سے تمام امور مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

طلیحہ کے باپ کا نام خویلد تھا اور قبیلۂ بنی اسد کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے اسدی کہلاتا تھا، اس نے نبوت کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کیا۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ضرار بن الازور کو بنو اسد کا عامل بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ طلیحہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جو لوگ مرتد ہو گئے ہیں، ان کی سرزنش کی جائے، ضرار مسلمانوں کے ساتھ مقام واردات میں مقیم تھے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ان کے برخلاف طلیحہ اپنے آدمیوں کے ساتھ سمیرا میں فروکش تھا، لیکن اس کے ساتھیوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ آخر ضرار کے کسی ساتھی نے طلیحہ کو پکڑ کر اس پر تلوار ماری، لیکن اتفاق سے یہ بچ کر بھاگ نکلا۔ اب اس کو پروپیگنڈہ کا اچھا موقع مل گیا کہ تلوار اس پر اثر نہیں کرتی ہے۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ایک وسیع حلقہ اس کے گرد جمع ہو گیا۔

طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے پاس جبریل آتے ہیں اور مسجع عبارتیں گھڑ گھڑ کر یہ بطور وحی سناتا تھا۔ عیینہ بن حصن الفزاری جو طلیحہ کا دست راست تھا۔ جہاں عصبیت کے نام پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔

بہرحال اسد، غطفان اور اطراف کے قبائل میں اس کو بڑا انفوذ و اثر حاصل ہو گیا۔ طلیحہ نے ان سب لوگوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے ایک کو مقام ابرق میں ٹھہرا دیا اور دوسرے فریق کو مقام ذوالقصہ کی طرف بھیجا جو مدینہ طیبّہ سے نجد کے راستہ پر قریب ہی واقع ہے۔

طلیحہ کی موت

حیال کی آمد کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضرار بن ازور کو اپنے اُن اعمال اور قبائل کے پاس تحریک جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا، جو طلیحہ سے قریب واقع تھے۔ حضرت

ضرار نے علی ابن اسد، لقمان بن ابوسنان، اور قبیلہ قضاعہ اور قبیلہ بنو دوتاد وغیرہ کے پاس پہنچ کر انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے اس ارشاد پر لبیک کہا اور حضرت ضرار کے ماتحت مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا۔ لشکر اسلام واردات کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ ادھر کفار نے بھی لاؤ لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی دل دادگانِ توحید و جان نثارانِ رسالت شیر غرّان کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے اور جو سامنے آیا اس کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر گرا دیا۔

پیروانِ طلیحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے نرغہ کو رد کرنے کی بہتیری کوشش کی، لیکن شجاعانِ اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برآ نہ ہو سکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر اسلام مظفر و منصور واپس آیا۔ طلیحہ بھی اس جنگ میں واصل جہنم ہوا۔

●

اسود عنسی

اس کا نام عبہلہ بن کعب تھا۔ قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تعلق رکھتا تھا۔ کہانت اور شعبدہ بازی میں اس کو بڑی دسترس تھی۔ اس کا ایک گدھا تھا جس کو اس نے سکھا پڑھا رکھا تھا۔ گدھے سے کہتا کہ کیا تو اپنے رب کے سامنے سجدہ نہیں کرے گا اور اس کے بعد وہ گدھے سے گھٹنوں کے بل بیٹھنے کو کہتا اور گدھا اس کی فوراً تعمیل کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کا لقب ذوالحمار پڑ گیا تھا۔ یہ بلاذری کا بیان ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ ذوالحمار نہیں بلکہ ذوالخمار ہے۔ خمار دوپٹہ یا اوڑھنی کو کہتے ہیں، چونکہ یہ ہر وقت عمامہ باندھے رہتا اور چادر اوڑھے رہتا تھا اس لئے اس کو ذوالخمار کہتے تھے۔

اُن دنوں یمن سیاسی اعتبار سے شاہِ ایران کے ماتحت تھا۔

اسود عنسی کا دعویٰ نبوت اور خروج

حجۃ الوداع سے تشریف لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

مزاج گرامی کچھ ناساز ہوگیا تھا۔ اسود عنسی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کا حوصلہ بڑھا اور اس نے خود نبوت کا دعویٰ کر دیا، جیسا کہ کہا جا چکا ہے یہ شعبدہ باز تو تھا ہی۔ قبیلہ مدحج اس کا ہم نوا ہوگیا۔ اسود نے سب سے پہلے نجران پر حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اِس جگہ جو عامل اور مبلغ مقرر تھے یعنی عمرو بن خرم اور خالد بن سعید ان کو یہاں سے نکال دیا۔ اب وہ صنعاً کی طرف بڑھا۔ ادھر سے باذان کا بیٹا شہر مقابلہ کے لئے نکلا۔ لیکن شہر بن باذان نے جام شہادت نوش کیا (یہ واقعہ اسود عنسی کے خروج کے پچیس دن کے بعد پیش آیا) شہر صنعاً کی حیثیت چونکہ مرکزی تھی، اس لئے اس کے سقوط کے ساتھ ہی مسلمان عمال میں اضطراب پیدا ہوگیا اور وہ فضا کو ناساز گار پاکر منتشر ہو گئے۔ بقول مؤرخ ابن اثیر کے اسود عنسی کی شہرت آگ کی طرح پھیل گئی اور چند روز میں ہی یہ یمن کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ شہر بن باذان کی شہادت کے بعد اس نے اس کی بیوہ سے نکاح بھی کر لیا تھا جس کا نام آزاد تھا، قدرت نے اسی بیوہ کے ہاتھوں اس کی ہلاکت مقدر کی تھی۔

اس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے یہاں جو لوگ اپنے اسلام پر ثابت قدم تھے، ان کو پیغام بھیجا کہ وہ صاف طور پر کھلم کھلا یا چالاکی کے ساتھ جس طرح بھی ممکن ہو اسود عنسی کا مقابلہ کریں۔ ادھر ایران کے شاہی خاندان کے افراد اور اعیان و امرا جو یمن میں آباد تھے، اسود عنسی نے ان کے ساتھ انتہائی تحقیر و تذلیل کا معاملہ کرنا شروع کر دیا تھا، اس لئے یہ لوگ اس شخص سے نالاں اور پریشان تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پہنچا جس کو وبر بن یحنس الازدی لے کر گئے تھے اور ادھر آپؐ نے قیس بن ہبیرۃ بن مکشوح کو بھی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ اسود سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا تو ان لوگوں نے

ایرانی امرا فیروزاور داذویداور شہرین باذان کی بیوہ آزاذ جو اب اسود کی بیوی تھی، ان سب کے ساتھ مل کر اسود کو دھوکہ سے قتل کر دینے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ چنانچہ آزاد کی رہنمائی میں ایک شب یہ سب لوگ اسود عنسی کے مکان میں ایک پوشیدہ راستہ سے داخل ہو کر چھپ کر بیٹھ گئے اور آخر صبح کے وقت جبکہ اسود نشہ کی حالت میں پڑا سو رہا تھا، فیروز نے آگے بڑھ کر اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا اور مذبوح بیل کی طرح دہاڑیں مارنے لگا۔ اسود کے مکان کے پہرہ دار، جو ادھر ادھر تھے یہ چیخ سن کر دوڑ پڑے اور پوچھا کہ کیا ہوا تو آزاد نے مذاق میں کہا کہ تمہارے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اتنے میں داذویہ اور قیس اور چند اور مسلمان جو چھپے بیٹھے تھے آ گئے اور قیس نے اسود کی گردن اس کے تن سے جدا کر دی۔ اس کے بعد شہر کی چاردیواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اسود عنسی جھوٹا اور کاذب تھا۔ اسود کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، جو بھاگ سکتے تھے بھاگ گئے، جنہوں نے کچھ مقاومت کی ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

یہ واقعہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز پہلے پیش آیا اور آپ نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے اس کا اظہار بھی فرما دیا تھا، لیکن اس کی اطلاع مدینہ میں آپ کی وفات کے دس دن بعد پہنچی، چونکہ خلافتِ صدیقی کے عہد کی یہ پہلی خوشخبری تھی، اس لئے حضرت ابو بکر صدیق کو قدرتی طور پر اس کی بڑی مسرت ہوئی۔

فتنوں کا پس منظر مصر کے معروف دانشور محمد حسین ہیکل ان واقعات پر لکھتے ہیں۔

" فتنہ و فساد کے اس طوفان پر نظر ڈالنے سے بعض قابلِ غور اہم امور سامنے آتے ہیں "

"پہلی بات تو یہ ہے کہ جو فتنہ اٹھا، بڑی تیزی سے اٹھا۔ اسود عنسی یمنی نے بڑے تھوڑے عرصہ میں ملک کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا اور اس کی حکومت حضر موت سے مکہ مکرمہ اور طائف تک پھیل گئی۔"

"مسیلمہ اور طلیحہ نے بھی غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ مسیلمہ، طلیحہ اور اسود تینوں ایسے موقع کی تلاش میں تھے، جب وہ باقاعدہ بغاوت کا اعلان کر کے اسلامی حکومت کا تختہ الٹ سکیں۔ ابتداً میں ان تینوں نے جناب رسالت مآبؐ کی ذات پر کوئی الزام رکھے بغیر یا آپؐ کی رسالت کی مخالفت کئے بغیر اپنا پراپیگنڈہ شروع کیا۔ تینوں کا دعویٰ تھا کہ وہ نبی ہیں اور جیسے ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاً مبعوث ہوتے ہیں، اسی طرح انہیں بھی اپنی اپنی قوم کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، مگر جونہی حضور اکرمؐ کی رحلت کی خبر پھیلی، ان فتنوں کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور دیکھتے دیکھتے سارا عرب ایک آتش فشاں پہاڑ میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس سے آگ اور لاوا نکل کر چاروں طرف پھیلنے لگا۔ یہ فتنہ مختلف علاقوں میں مختلف صورتوں میں پھیلا اور ہر جگہ اس کے اسباب و عوامل بھی علیحدہ علیحدہ تھے۔

" ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ جن علاقوں میں ارتداد کا فتنہ پھیلا، وہ تہذیب و تمدن اور دولت و ثروت کے لحاظ سے سارے عرب میں نمایاں تھے اور ان کی حدود ایران سے بہت قریب تھیں۔ اسی لئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ شاید ان فتنوں کے پیچھے ایران کا ہاتھ ہو۔"

" ان مدعیان نبوت کی عارضی کامیابی میں بعض اور عناصر بھی کارفرما

تھے۔ مثلاً اسود عنسی کی کامیابی کی بڑی وجہ اہلِ یمن کی اہلِ حجاز سے سخت نفرت تھی۔ اسود نے ان کا یہ جذبۂ نفرت ابھار کر انہیں آسانی سے اہلِ حجاز کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ مسیلمہ اور طلیحہ نے بھی اپنی اپنی قوم کی عصبیت کو بھڑکایا۔

"یمن کی بغاوت نے بنی یمامہ اور بنی اسد کو اسلامی حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کی جرأت دلائی، ورنہ ابتدا میں وہ علم بغاوت بلند کرنے سے خائف تھے۔"

اللہ تعالیٰ بھی قرآن حکیم میں فرماتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ

تیسرا پارہ سورۃ آلِ عمران

ترجمہ: کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ وُہ تو یہ کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، پوری انسانیت میں بالخصوص اور کائنات کی ہر نوع میں بالعموم سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام منصب نبوت ہے جو کائنات کی ہر مخلوق کا تعلق بغیر کسی واسطے سے رَبّ کے ساتھ جوڑتا ہے۔ خُدا کے ایک ہونے اور بے مثل اور بے مثال ہونے کا تعارف نبوت کی زبان میں کراتا ہے جس کو قرآن مقدس کی روشنی میں وَحی الٰہی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خاتم الانبیاؐ کا سفرِ آخرت

منصب نبوت ایسی کھیپ نہیں، نہ منڈی کا مال ہے کہ ہر کوئی خرید سکے، یہ عطیۂ خداوندی ہے جو تن صاف ستھرا ہوگا، یہ متاع گراں مایہ خالق کائنات اسی میں ڈالتے ہیں۔

محسنِ کائنات کسی دنیاوی سلطنت کے وارث نہیں تھے، اس پر بھی فطرت کی طرف سے جو ذمہ داریاں انہیں سونپی گئیں کہ اقوام عرب کے بوسیدہ اور بگڑے ہوتے چلن کو سنوار کر انہیں صنم کدوں سے اٹھا کر توحیدِ باری تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز کر دیں۔

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے دمِ واپسی تک اپنی انہیں ذمہ داریوں کو پتھر کھا کر، گالیاں سُن کر، لہولہان ہوکر نبھایا۔ اِس طرح یہ دفاعِ نبوّت کا دورِ اوّلین ہے، جس کی رہنمائی خود سرورِ دوعالمؐ نے فرمائی اور جو کام رہ گیا وہ اپنے بااعتماد رفیقِ کار حضرتِ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سونپ کر خود سفرِ آخرت کو روانہ ہو گئے۔

عہدِ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدائی میں خدُا کے نمائندہ ہوتے ہوتے مخلوق کے لئے نیک خواہشات کا آئینہ تھے۔ لاریب فریم میں ہر تصویر اپنا عکس لئے ہوتی ہے، البتہ اس کے رنگ و روغن میں تضاد ہونا فطری عمل ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں تربیت پانے اور انہیں حاصلِ زندگی سمجھنے والا جب انسانیت کے سکول میں داخل ہوا تو بے اختیار کہہ اٹھا۔

؎ اقبال تیرے عشق نے سب بل دیئے نکال
مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

●

حضرت صدیق اکبرؓ اس درسِ عظیم کے پروردہ اور تعلیم یافتہ ہی نہیں بلکہ اس منصب کے اہل بھی سمجھے گئے، جو انہیں سپرد کیا گیا۔

؎ دیتے ہیں مۓ ظرفِ کدہ خوار دیکھ کر

تلامذہ وہی کامیاب مانے جاتے ہیں، جنہیں معلم کی مسند کا احساس ہو اور جب وہ اس منصب پر فائز ہو جائیں تو مقصودِ معلّم تک پہنچنے میں تامل نہ کریں۔

داعیِ اسلام سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے کندھوں پر سب سے بڑا بوجھ اُن مرتدین کا خاتمہ تھا جنہوں نے تختِ نبوۃ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، مگر دوسری طرف آفتابِ رسالتؐ شفق الٰہی میں غروب ہونے کے بعد مسلمان غم کے اندھیرے میں ڈوبے ہوتے تھے، انہیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ منافقین، اسلام کی مخالف قوتوں سے گٹھ جوڑ کرنے لگ پڑے تھے۔ حضور (صلعم) کے وصال کی خبر سنتے ہی لوگوں کے ایمان کی کشتیاں ڈگمگانے لگ گئیں۔ کفر اپنے باطل ارادوں کا برملا اظہار کرنے لگا۔ مسلمانوں کے سیاسی نظام کو دھچکا پہنچ رہا تھا۔ یہ وقت اصحابِ رسولؐ کے لئے ابتلاو آزمائش کا بڑا ہی خطرناک تھا، لیکن ایمان پختہ اور ارادے میں کجی نہ ہو تو سمندر کے پانی پاؤں دھونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ نے مسندِ خلافت سنبھالی تو دو عظیم فتنے مدعیانِ نبوت اور منکرینِ زکوٰۃ اسلام کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر رہے تھے۔ اگر اس وقت امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ اس دورِ پُر آشوب میں کسی مصلحت کا شکار ہو جاتے تو اسلام کا نظام اور اس کی افادیت ہمیشہ کے لئے ختم ہو کے رہ جاتی۔

تحریکِ ختمِ نبوّت کا دوسرا باب

صدف سے موتی نکالنا اس قدر دشوار نہیں، جب کہ اس کی سنبھال مشکل ہوتی ہے۔ بلاشبہ اسلام کے موقف میں زکوٰۃ کا مسئلہ اس عظیم عمارت کی خشتِ اوّل تھا، لیکن اس صورت میں جب یہ عمارت باقی رہے؟ اسلام کی اصل بنیاد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی ختمِ نبوّت ہے۔ اگر یہ پتھر اپنے

مقام پر نہیں رہتا تو اسلام کی تمام عمارت دھڑام سے نیچے آ رہتی۔ اگر شاخ نہ رہے تو نشیمن کیسا؟ اس صورت حال کو سمجھتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے معلم اعظم (صلعم) کی خواہش پر رب اکبر کے فیصلے پر پھول چڑھا دیئے کہ دین مصطفےٰؐ کی تکمیل ہو چکی۔ اب کسی نئے دین یا مزید کسی نبی کی ضرورت نہیں لہٰذا باقی امور مملکت کو مؤخر کر کے اس ضرورت کو اولیت دی کہ مستقبل میں ملت کی دیواروں میں دراڑیں پڑنے کا احتمال تھا۔

عزم راسخ ہی انسان کی معراج ہے۔ حضور (صلعم) کے وصال کے بعد حالات میں جو تعطل آ چکا تھا اِسے محسوس کرتے ہوئے اجماع صحابہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سمیت یہ رائے قرار پا چکی تھی کہ دینِ الٰہی کی بنیادیں ہنوز پختہ نہیں ہیں۔ بادِ سموم ہر گام پر آگ برسا رہی ہے۔ منافقین کے گروہوں میں سازشیں زور پکڑ رہی ہیں۔ اِن حالات میں کوئی ایسا قدم جس سے جنگ و قتال کا پہلو نکلتا ہو غیر مفید ہو گا۔

اِن دنوں اطرافِ عرب سے کئی وفود حضرت صدیق اکبرؓ سے مدینہ میں آ کر ملتے۔ جن میں منکرین زکوٰۃ اپنے حق میں کئی دلائل دیتے، جسے سن کر اکثر صحابہ نے حضرت صدیقِ اکبرؓ کو مشورہ دیا کہ

> "ان لوگوں کو جو زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے، انہیں موجودہ حالات میں چھوڑ دیا جائے اور ان سے مزید کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ ان لوگوں کا ایمان نیا نیا ہے جب مکمل طور پر دین ذہن نشین اور واضح ہو جائے گا تو پھر یہ لوگ خود بخود زکوٰۃ دینے لگ جائیں گے۔"

حضرت صدیق اکبرؓ نے صحابہ کا یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جواب میں فرمایا۔

> "خدا کی قسم اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی سے بھی، جو یہ سرکارِ دوعالم (صلعم) کے عہد میں زکوٰۃ ادا کرتے تھے، انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔"

حضرت صدیق اکبرؓ کے اس جواب کے خلاف حضرت فاروقؓ نے اپنے دلائل

دیتے لیکن اونٹ کسی کروٹ نہ بیٹھا۔

یہ بحث ہنوز تشنہ تھی کہ ایک اور سوال سامنے آیا کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں جو لشکر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں طلحہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا تھا حضرت صدیق اکبرؓ اس لشکر کو مدینہ سے روانہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ صحابہ اکرام اس پر بھی معترض تھے کہ ان حالات میں اسلامی لشکر کا مدینہ سے باہر جانا درست نہیں جبکہ منافقین چاروں طرف سے اسلامی اصولوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے' ایسا نہ ہو کہ وہ مدینہ کو مجاہدین سے خالی پاکر حملہ آور ہوں؟ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ حضرت اسامہ کی روانگی پر کیوں مُصر تھے' اس کا پس منظر جان لینا بھی ضروری ہے تاکہ صدیقِ اکبرؓ کے نباض نبوۃ ہونے کی تصدیق ہو سکے۔

حضرت زید بن حارثہؓ نے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام اور متبنیٰ تھے، ملک شام میں مُوتہ کے مقام پر نصاریٰ کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔ اس بنا پر محرم ۱۱ھ میں حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر بھیجنے کا عزم فرمایا تھا۔ آپ نے اس مہم کی قیادت حضرت زید شہیدؓ کے فرزند گرامی حضرت اُسامہؓ کو تفویض فرماتے ہوئے حکم دیا تھا کہ وہ شام جاکر بلقا اور دارِ روم کی سرحد تک ترکتاز کریں اور اعدائے اسلام کو اپنے شہید باپ کے قتل کی قرار واقعی سزا دیں' لیکن منافقوں نے اربابِ ایمان کو بد دل کرنے کے لئے یہ بحث کھڑی کر دی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و انصار پر ایک غلام کو امیر و سردار بنا دیا ہے۔ اہل نفاق کی شر انگیزی کا حال حضورؐ کے سمع مبارک تک پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سے پیشتر اُسامہؓ کے باپ زید بن حارثہؓ کی امارت پر بھی طعن کیا تھا حالانکہ زیدؓ کی طرح اُسامہؓ میں بھی صلاحیت موجود ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا منشا یہ تھا کہ اسلام اپنے تمام پیروؤں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ غلام ہو یا آقا ذاتی قابلیت و صلاحیت شرط ہے' اکثر اکابر صحابہ جن میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر مہاجر بھی داخل تھے۔۔

حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کے ہمرکاب ہوتے۔ یہ لشکر ابھی چلنے ہی کو تھا کہ حضور سید الاکرمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مرض سے دوچار ہونا پڑا، جس میں آپؐ نے اس سرائے فانی کو الوداع کہا اور چونکہ حضورؐ کا مرض روز بروز اشتداد پکڑتا گیا، اور اس قسم کی متوحش خبریں بہم آنے لگیں کہ یمن میں اَسْوَدْ عنسی نے، یمامہ میں مسیلمہ نے اور بنی اسد کے اندر طلیحہ نے خروج کیا ہے۔ جیش اسامہؓ کی روانگی میں مزید التوا ہو گیا۔ بنابریں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ حضرت اُسامہؓ کے لشکر بھیجنے پر اسی طرح قائم رہے جس طرح وہ منکرین زکوٰۃ کے سلسلے میں ڈٹے ہوئے تھے۔

مسیلمہ کذاب اور سجاح سے پیشتر بھی پاگلوں کا گروہ تختِ نبوت پر حملہ آور ہو چکا تھا جن میں اسود عنسی، طلیحہ رسدی اور ابن حیا زیادہ معروف ہوئے۔

ان مدعیانِ نبوت کے ساتھ ان کے قبائل بھی اسلام سے منحرف ہو کر اسلام کے خلاف ادھم مچاتے رہے خاص کر اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کے کردار نے سرورِ کونین (صلعم) کو زیادہ صدمہ پہنچایا۔ اِن دنوں سرکارِ دوعالم (صلعم) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر مبارک میں دمِ آخری کے انتظار میں تھے کہ سرکار دوعالم (صلعم) نے خود فرمایا۔

میں نے خواب میں اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ مجھے ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا۔ تاں دونوں کنگن معدوم ہو گئے۔ ان دونوں کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجّال ہیں کہ میں جن کے درمیان میں ہوں۔ ایک مسیلمہ یمامہ والا اور دوسرا اسود عنسی۔

آپؐ نے انہیں ایامِ مرض میں وحی الٰہی سے اطلاع پا کر یہ بھی فرمایا کہ:

"اسود فلاں روز اور فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا۔"

چنانچہ ویسا ہی ظہور میں آیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ان کے جانثار صحابہ اکرامؓ نے مدعیانِ نبوت سمیت تمام فتنوں کو ختم کر دیا تھا، البتہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کا وجود

حق کے راستے میں کانٹے بکھیر رہا تھا۔ دوسری طرف عرب کے شمال مشرق میں قبیلہ تمیم میں سجاح بنت حارث اپنے حسن کے سکے پر جہلا کے دل خرید رہی تھی۔

دل سے دل بیچتی ہوں ہے کوئی لینے والا

صنفِ نازک ہونے کے باوجود سجاح بہادر حوصلہ مند تیز طرار تھی۔ اپنی گفتگو سے پتھر موم کر لینے کا ملکہ رکھتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اسے بھی کاروبار نبوت کا شوق چرایا۔ کوئی اگر سجاح سے سوال کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فرماتے ہیں کہ:

"میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

جواب میں کہتی کہ۔

"حضورؐ نے درست فرمایا کہ مردوں میں کوئی نبی نہیں آئے گا۔
مگر حضورؐ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ عورتوں میں کوئی نبیہ نہیں آئے گی"۔

تھوڑی سی طاقت بھی آدمی کو آپے سے باہر کر دیتی ہے۔ سجاح محض حسن و جوانی کے سرمایے سے مالا مال نہ تھی بلکہ اس کی جھولی میں، جو دولت بھی اسی کی گمراہی میں آن کر قبیلہ بنی تغلق کے سردار بھی اس کے لشکر میں شریک ہو گئے، لیکن لشکر کی کمان سنبھالنے پر باہم پھوٹ پڑ گئی، جسے سجاح کی چرب زبانی نے سنبھال لیا۔ یہ تیاری قبیلۂ بنی وہاب کے خلاف تھی۔ مقابلہ میں بنی وہاب بھی تیار تھا۔ میدانِ کارزار میں آمنے سامنے ہونے پر دونوں طرف سے جنگجو مارے گئے۔ آخر میں فریقین میں صلح ہو گئی۔

مسیلمہ کذاب اور سجاح کا ازدواجی بندھن

قبیلہ بنی وہاب سے فارغ ہو کر سجاح اپنا لشکر لے کر ارضِ یمامہ کی طرف بڑھی۔ یمامہ میں قبیلہ بنی حنیفہ آباد تھا اور یہاں مسیلمہ کذاب اپنی نبوت کی ڈفلی بجا رہا تھا۔

سجاح کے گرد جو ہجوم جمع ہو گیا تھا' وہ نہ تو فوجی تھا نہ سامانِ حرب سے واقف اسی بنیاد پر سجاح کو گذشتہ دونوں جنگوں میں شکست ہوئی۔ یہ بھیڑ تھی' جسے سجاح کا حسن اپنے پیچھے لئے ہوئے تھا جیسے کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ سجاح بنت حارث مدینہ منورہ پر لشکر کشی کے لئے نکلی تھی لیکن راستہ میں اُسے الجھنا پڑا۔ اب پھر وہ اپنی منزل (مدینہ منورہ پر حملہ کے لئے) پر روانہ ہوئی۔ یمامہ کے مقام پر قبیلہ بنی حنیفہ آباد تھا' مسیلمہ کذاب کا مرکز یہی تھا چنانچہ صدیق اکبرؓ نے نظام خلافت سنبھالتے ہی اس قبیلہ کا خاتمہ ضروری سمجھا اور خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی لشکر یمامہ کی طرف روانہ کیا۔ دوسری طرف سے سجاح مسیلمہ پر حملہ کے لئے یمامہ پہنچ رہی تھی۔ مسیلمہ نے دیکھا کہ اسلامی لشکر اور سجاح ایک ساتھ حملہ آور ہو رہے ہیں' اس نے پہلے سجاح سے نپٹنا ضروری سمجھا۔

اس کے لئے مسیلمہ نے سجاح کو اپنے سے مناظرہ کی دعوت دی جسے سجاح نے قبول کر لیا۔

مسیلمہ چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ اُس نے سجاح کے آنے سے پیشتر ایک خوبصورت خیمہ نصب کیا' جس کے ارد گرد کا ماحول اور خیمے کے اندر کے ماحول کو ہمہ اقسام کے پھول اور عطر بیز فضاؤں سے نفسانی خواہشات کے مطابق اس انداز سے بھڑکیلا اور نشاط انگیز طریق سے سجایا کہ مناظرہ کی جگہ یہ خیمہ نوبیاہتا دلہن کا شبِ عروسی کا کمرہ دکھائی دیتا۔ سجاح جیسے ہی خیمہ کے اندر داخل ہوئی عطریات کی خوشبوؤں نے اس کے دماغ کو اس قدر معطر کیا کہ وہ خیمہ کی سج دھج نرم ریشمی گدّے' ہوا میں اڑتے پھولدار پردے دیکھ کر مبہوت ہو گئی' بے خودی کے عالم میں جوانی کا ابھار اچھلنے لگا۔ اس کی نظروں کے ڈورے سُرخ دیکھ کر مسیلمہ بھی اس کے قریب آ بیٹھا اور لگا مضراب دل کی تاروں کو چھیڑنے۔ جیسے جیسے مضراب کی چوٹ پڑتی گئی' سازِ شوق جذبات کی لَے میں محبت کے گیت الاپنے لگا۔

مسیلمہ اس وقت عمر کے ایک سو برس کے پیٹے میں تھا جب کہ سجاح کی جوانی کا دریا پوری طرح اپنے بہاؤ پر تھا۔ شباب اور بڑھاپے کے اس سنگم نے حرص و ہوس کو اس قدر تیز ہوا دی کہ دونوں کے درمیان تمام پردے سرکتے چلے گئے۔
مسیلمہ نے جب دیکھا کہ سجاح پوری طرح اس کے دام میں آچکی ہے تو سجاح سے سوال کیا'

"اگر جناب پر کوئی تازہ وحی نازل ہوئی ہو تو سنائیے"

سجاح : نہیں، پہلے آپ اپنی وحی کے الفاظ سنائیں، کیونکہ میں پھر بھی عورت ہوں۔

سجاح کے اس جواب پر مسیلمہ سمجھ گیا کہ سجاح کی نبوت کا حوصلہ اس کے مقابلے میں بہت کمزور ہے اور اس کی طرح یہ بھی کاغذ کی کشتی پر سوار ہے۔ اس نے سجاح کی نسوانی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

مجھ پر یہ وحی ابھی ابھی اُتری ہے۔

الم تر کیف فعل ربک بالحبلیٰ

اخرج منھا نسمۃ تسعٰی من بین صفاق

ترجمہ: "کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ ان سے چلتے پھرتے جاندار نکالتا ہے، جو نکلتے وقت جلیوں اور پردوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں"۔

یہ الفاظ سن کر مسیلمہ نے سجاح سے دست درازی شروع کر دی، کبھی جسم کو گدگداتا، کبھی رانوں پر ہاتھ پھیرتا۔ کبھی ہونٹوں اور رخساروں کو مس کرتا۔ سجاح نے مسیلمہ کا جب یہ حملہ بھی برداشت کر لیا تو اب مسیلمہ نے ایک اور وار کیا یعنی سجاح سے کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی ایک اور آیت نازل فرمائی ہے

ان اللہ خلق للنسأ افراجاہ و جعل الرجال لھن ازواجاہ فتولج فیھن ایلاجاہ ثم نخرجنا اذ النشاء اخراجا فیاتین لنا سخالا انساجاہ

گھی کو آگ پر رکھا جائے تو وہ یقیناً پگھلے گا، جوان اور کنواری لڑکی کے سامنے اگر اس قسم کی فحش، شرمناک اور اشتعال انگیز گفتگو کی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے جذبات میں طلاطم پیدا ہوگا۔

اس کے بعد مسیلمہ نے سجاح کو عربی کے ایسے فحش اور حیا سوز اشعار سنائے جس نے آگ پر تیل کا کام کیا۔

شیطان سجاح پر پوری طرح غالب آچکا تھا۔ مسیلمہ کا الہام اور سجاح کی وحی اب ایک دوسرے کے سامنے ننگے تھے۔ میدان ہموار دیکھ کر مسیلمہ کذاب نے اپنے سفر کی اگلی منزل شروع کی، یعنی سجاح سے کہا۔

"سنو! خدائے برتر نے نصف زمین مجھے دی تھی اور نصف قریش کو، مگر قریش نے ناانصافی کی، جس کی وجہ سے رب العزت نے قریش سے ان کا نصف حصہ چھین کر تمہیں عطا کر دیا ہے۔ میں کمال صدق و اخلاص سے کہتا ہوں کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم مجھے اپنی ہم نشینی کے لئے قبول کر لو اور ہم تم دونوں باہم عقد کرلیں۔ کیونکہ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کرلیں گے۔"

سجاح: "مجھے منظور ہے۔"

مسیلمہ: پھر دیر کیا ہے۔ آؤ، ذرا گلے لگ جاؤ۔

؎ تیر پر تیر چلاؤ، تمہیں ڈر کس کا ہے
دل کس کا ہے، میری جان جگر کس کا ہے

سجاح جو شروع سے خیمے کے اندرونی جذباتی ماحول سے متاثر اور

بدمست ہو چکی تھی۔ مسیلمہ کی فحش اور گندی گفتگو سے دو آتشہ ہو گئی۔ اس موقعہ پر شرم و حیا نے آنکھیں بند کر لیں۔ سجاح نے بے خودی کے عالم میں مسیلمہ کو اجازت دے دی کہ وہ اپنی خواہشات پوری کرے جب ساقی کی اپنی رضا ہو، مے خوار جام اٹھائے اور پھر موسم بھی برسات کا ہو اور چھائی ہو گھٹا بھی، کون کافر ہے، جو انکار کرے، بس پھر کیا تھا، صراحی اور جام ٹکرانے لگے، جام پرانا تھا مگر اُس نے صراحی کی ٹھیکریاں اڑا دیں۔

یہ بزم آرائی، یہ محفلِ نشاط تین روز مسلسل شب و روز آراستہ رہی، چراغ جلتے اور بجھتے رہے۔ وہ چراغِ محفل سے مسیلمہ کذاب اور سجاح کے لشکر جو خیمے سے باہر اپنے نبی اور نبیہ کے مذاکرات کے نتیجے کے منتظر تھے، فتح و شکست کے انداز دیکھ رہے تھے۔

تیسرے روز جب نبیہ باہر نکلی تو یہ مسیلمہ کذاب کی بساط پر سب کچھ ہار چکی تھی سجاح کے فوجی اور سرمایہ داروں نے آگے بڑھ کر اپنی نبیہ سے پوچھا۔

"کیوں، بی بی کیا فیصلہ ٹھہرا!

سجاح ! وہ بھی نبی برحق ہے۔ میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ تمہاری مرسلہ کو ایک مرسل کی ضرورت تھی"

سردار ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ایک سردار نے پوچھا۔

" جب آپ نے زوجیت قبول کر لی ہے تو حق مہر کیا قرار پایا"

سجاح نے اس سوال پر نظریں نیچی کر لیں اور بولی۔

" اُوہو، یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں "

یہ سن کر سب نے بیک زبان کہا۔

" حضور جائیے، اور اپنے حق مہر کا پوچھ کر آئیں۔ کیونکہ کوئی عورت بغیر حق مہر کے اپنے کو کسی کی زوجیت میں نہیں دیتی۔

سجاح جو بغیر دام کے اپنا جوہر عصمت فروخت کر چکی تھی، لجاجت اور

شرمندگی کی چادر میں لپٹی ہوئی واپس مسیلمہ کے خیمہ میں پہنچی ــ لیکن مداری اپنا تماشہ دکھا کر جا چکا تھا۔

گناہ کیسا بھی ہو گناہ ہے' دل و دماغ قبول کرے نہ کرے' مگر آدمی کا ضمیر اندر سے اپنے مجرم ہونے کا اعتراف ضرور کرتا ہے۔ مسیلمہ کذاب مدعی نبوت ہوتے ہوتے سجاح کو اپنی حریف سمجھے ہوئے تھا اور وہ عسکری قوت کے ساتھ اس پر حملے کا قصد لے کر آئی تھی' یہ الگ بات ہے کہ مسیلمہ کذاب نے اپنی حکمت عملی سے سجاح کو زیر کر لیا مگر مجرم ضمیر اندر سے خوف زدہ تھا کہ کہیں سجاح کا لشکر اس نکاح کو اپنی توہین جان کر اس پر حملہ نہ کر دے۔ اس خوف اور ڈر کے مارے وہ اپنے قلعے میں جا چھپا۔

سجاح کے آنے کی اطلاع پا کر مسیلمہ قلعہ کی چھت پر آکر بولا۔

"کیوں۔ اب کیا لینے آئی ہو؟"

سجاح : میرا نکاح تو ہو گیا' مگر مہر تو آپ نے نہیں بتایا۔

مسیلمہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ تمہارا منادی بھی آیا ہے؟ سجاح نے جواب دیا ہاں شیث بن ربیع میرا موذن موجود ہے۔ مسیلمہ نے اس سے کہا تم جا کر منادی کر دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پاس سے پانچ نمازیں لاتے تھے' رب العزت نے ان میں سے عشا اور صبح کی دو نمازیں مومنوں کو سجاح کے مہر میں معاف کر دیں۔

سجاح بنت حارث نے اسلام قبول کر لیا

مسیلمہ کذاب سے جسمانی اور اخلاقی شکست کے بعد سجاح سے اس کا اپنا لشکر بھی دل برداشتہ ہو گیا' جیسے کہ سجاح کے ایک ساتھی نے کہا'

"ہماری پیغمبر عورت بنے' جسے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں حالانکہ اور لوگوں کے پیغمبر مرد ہیں"

آئینِ فطرت کے مطابق اپنے اپنے مقام پر عورت کے سبھی ناطے قابلِ احترام ہیں مگر امامت کی رسی صرف مرد کو زیب دیتی ہے۔

عورت ہوتے ہوئے سجاح ذلت کے جس گڑھے میں گر چکی تھی، شاید اس کا عورت پن جاگ اٹھا ہو کہ اس نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس اپنے قبیلہ میں خاموش اور گمنام زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

گذشتہ اوراق میں آچکا کہ سجاح اور اسلامی لشکر بیک وقت اپنے اپنے مقام سے یمامہ میں مسیلمہ کذاب پر حملہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اسلامی لشکر ہنوز راستے میں تھا کہ سجاح بنت حارث مسیلمہ کے خیمہ میں پہنچ گئی۔ اہم اور ضروری کارروائی کے بعد جب وہ یہاں سے واپس لوٹ رہی تھی کہ یمامہ کے قریب سجاح کے فوجیوں نے اسلامی لشکر کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں یمامہ کی طرف آتے دیکھا تو افراتفری میں بھاگ کھڑے ہوئے اور سجاح نے قریب کے جزیرہ میں پناہ لی۔

مورخین کا کہنا ہے کہ کئی برس بعد جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا تو انہوں نے بنی تغلق کو بصرہ میں طلب کیا۔ سجاح بھی ان کے ہمراہ بصرہ آئی تو اس نے اور اس کے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔

سجاح مسلمان ہونے کے بعد پوری طرح پرہیزگار رہی اور اسی حالت میں اس جہان سے روانہ ہو گئی۔ حضرت سمرہ ابن جندبؓ نے، جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم تھے، ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مرتدین میں ان دنوں مسیلمہ کذاب کا بڑا شہرہ تھا۔ یمامہ میں اس کی فوجی قوت سے جزیرۃ العرب کے قبائل متاثر ہو رہے تھے۔ سجاح بنت حارث کی باغی فوج بھی مسیلمہ کی فوج میں شامل ہو چکی تھی۔ ایسے حالات میں وارثانِ نبوت کی ذراسی کوتاہی سے اسلام کے اصولوں اور خاتم الانبیاءؐ (صلعم) کی ترسٹھ سالہ

محنت جو انہوں نے پہاڑوں کو موم کرنے میں صرف کی تھی، مشکوک ہو کر رہ جاتی ۔ بنا بریں عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا گیا۔

مسیلمہ کے عقائد باطلہ

پیروان مسیلمہ اپنے تئیں رحمانیہ بھی کہتے تھے کیونکہ وہ مسیلمہ کو رحمان کے لقب سے یاد کرتے ۔ ان کا گمان ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بسم اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مسیلمہ رحیم ہے اور کہتے ہیں کہ فرقان محمدی حضرت مسیلمہ ہی کا معجزہ ہے۔ قرآن نے فصحائے عرب کی زبان بند کر دی تھی اسی طرح حق تعالیٰ نے مسیلمہ پر ایک صحیفہ نازل فرمایا، جو "فاروق" اوّل کے نام سے موسوم ہے اس نے بھی فصحا کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور ان دونوں صحیفوں یعنی قرآن اور فاروق اوّل کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسیلمہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا ۔ ان دونوں آسمانی کتابوں کی قرأۃ دُنیا اور آخرت میں سودمند ہے لیکن ان کی تفسیر کرنا ذنب عظیم ہے اور کہتے ہیں کہ ایزد متعال نے حضرت مسیلمہ کو ایک اور واجب التعظیم کتاب بھی عطا فرمائی تھی جس کا نام "فاروق ثانی" ہے اور کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسیلمہ کی تعلیمات میں کوئی خلاف وتضاد نہیں اور اگر کہیں مسیلمہ کا کلام اور ان کی آسمانی کتاب اقوالِ محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) کے خلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیلمہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد تک زندہ رہے اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحلت کے بعد بعض احکامِ قرآن فرمان ایزدی سے اسی طرح منسوخ ہو گئے جس طرح خود حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عین حیات میں بعض آیتیں دوسری آیات کی ناسخ ہوئیں ۔

مسیلمی شریعت و صلوٰۃ

مسیلمہ جیسے کار آگاہ فرزانۂ روزگار مدعی سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ استمالت قلوب کے لئے شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا لیسیر العمل آئین پیش کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندیٔ احکام کی "تلخ کامیوں" سے آزاد ہوتا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ایسے عامیانہ اور رندانہ مذہب و مسلک کی بنیاد ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے حبس و احتراز سے اصلاً بے نیاز تھا۔ سب سے پہلے اُس نے حرمتِ خمر سے انکار کر کے عہد جاہلیت کی رسم کہن کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ چار پاؤں کی طرح انسان بھی توالد و تناسل میں فطرۃً آزاد ہے۔ ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کے لئے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مرد و زن عقد مناکحت کے دائرہ میں محصور و مجبور رہیں۔ چنانچہ اس کی کتاب "فاروق ثانی" میں زنا کو مباح لکھا ہے کیونکہ مسیلمہ کے نزدیک وہ بھی ایک لذت ہے۔ اس مطلق العنانی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے شرارے بلند ہوتے اور فسّاق اور ہوا و ہوس کے پرستار جوق در جوق اس کے حلقۂ ارادت دنیا زمندی میں داخل ہونے لگے۔ مسیلمی شریعت کے ماتحت اباحت پسند طبائع کو ہوس رانیوں اور نشاط فرمائیوں کا اچھا خاصا حیلہ مل گیا۔ شراب خواری تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال کر دی گئی تھی۔ ان فواحش نے ملک کو فسق و فجور کا گہوارہ بنا دیا اور لُطف یہ ہے کہ باوجود ان فاسقانہ تعلیمات کے "خوش عقیدہ" لوگ اسے نبی اور رسول برحق ہی یقین کرتے تھے۔ اوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کوئی قیود عائد نہ کئے، لیکن اس کے بعد زنا کو علیٰ حالہ جائز رکھا البتہ شادی پر بہت سے قیود عائد کر دیئے، لیکن ان قیود کا منشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مطلق العنانی کے پہلے دور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جاتے وہ بیوی سے اس وقت تک قربت نہ کرے، جب تک

یہ لڑکا زندہ ہو۔ ہاں اگر مر جائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک اس سے مباشرت کرے۔ اُمت مسیلمہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کی حاجت نہیں بلکہ زن ومرد کا خلوت میں ایجاب وقبول کر لینا کافی ہے۔ ہنود کی طرح مسیلمیوں کے نزدیک بھی اقرباء میں شادی کرنا مذموم تھا، وہ کہتے ہیں کہ گو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک میں چچا پھوپھی ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن آپ کی رحلت کے بعد حرام ہو گیا۔ اس حُرمت کی مثال وہی ہے جس طرح کہ ایام سلف میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔ جناب محمد علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ چنانچہ مسیلمہ کے پاس فرمان ایزدی پہنچا کہ عقد ہمیشہ اس شخص کی دختر سے کیا جائے جس کے ساتھ پہلے قرابت نہ ہو۔" مسیلمی لوگ نصاریٰ کی طرح تعدد ازواج کو جائز نہیں سمجھتے اگر خواہش ہو تو شیعوں کی طرح ان کے نزدیک متعہ کے طریق پر تعدد ازواج جائز ہے اور کہتے ہیں کہ ختنہ کرنا ضروری نہیں۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کا دوسرا دور ختم

مسیلمہ اپنے پیش روکذابوں سے زیادہ خطرناک تھا۔ اس کا وجود ختم الانبیاء (صلعم) کی ذات گرامی ان کے منصب اور اسلام کے لئے سنگِ گراں تھا جب کہ دور جہالت میں عرب اقوام جادوگروں اور شعبدہ بازوں کے گھیراؤ میں تھی۔ سچائی اور حقیقت کے باوجود ابلیس ابن آدم کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ اس پر مسلیمہ کا دعویٰ نبوت جھوٹ اور فریب کو مزید راستہ دے رہا تھا۔ رحمت اللعالمین (صلعم) نے اسے بڑی ڈھیل دی۔ سمجھایا کہ "انا خاتم النبیین لانبی بعدی" احکام خداوندی سنائے لیکن مالک یثرب (صلعم) کے دمِ واپسی تک گھی سیدھی انگلی سے نہ نکل سکا۔ آخر مسئلے کی نوعیت اور مسیلمہ کذاب سے متعلق سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش نیز احکام خداوندی کے تحت حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کے خلاف جہاد کرکے اُسے جہنم واصل کیا۔

؎ یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

چوتھا باب

مسیلمہ کا قتل

جس وقت امیر المومنین ابوبکرؓ نے مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا، اسی وقت ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر مسیلمہ کذاب سے لڑنے یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بعد شرجیل بن حسنہ کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمایا، لیکن عکرمہؓ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرجیل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہؓ کو ہزیمت ہوئی، مسیلمہ اور اس کے پیرو فتح کے شادیانے بجاتے میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ جب شرجیل کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ وہیں ٹھہر گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنی ہزیمت کا حال امیر المومنینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ شرجیل کو تمہارے پیچھے روانہ کرتا ہوں۔ جب وہ پہنچ جائیں تو اس وقت لڑائی شروع کرنا لیکن افسوس ہے کہ تم خود تو استادی جانتے نہیں اور شاگردی کو عیب سمجھتے ہو۔ تمہیں شرجیل کے پہنچے بغیر ہرگز حملہ میں اقدام نہ کرنا چاہیئے تھا، خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب مدینہ کی طرف رُخ نہ کرنا کیونکہ یہاں آکر لوگوں کو پست ہمت اور شکستہ دل کر دو گے، البتہ آگے جا کر حذیفہ اور عرفجہ سے مل جاؤ اور ان کے ماتحت رہ کر عمان اور مہرہ والوں کا مقابلہ کرو۔ جب اس جنگ سے فراغت حاصل ہو تو اپنا لشکر لے کر مہاجر بن ابی اُمیہ کے پاس یمن اور حضرموت کو چلے جاؤ۔" اور شرجیل کو لکھا کہ تم خالد بن ولیدؓ کے صوبوں کی طرف چلے جاؤ اور جب مسیلمہ کی لڑائی میں کامیاب ہو جاؤ تو قضاعہ کا رُخ کرو اور عمرو بن عاصؓ کے ساتھ مل کر مرتدین قضاعہ سے جہاد کرو۔"

اس اثنا میں حضرت خالدبن ولیدؓ بطاح سے فارغ ہوکر مدینہ گئے اور امیرالمؤمنین کو تمام واقعات زبانی کہہ سنائے۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو مسیلمہ کے خلاف معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا۔ مہاجرین پر حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت زیدبن خطابؓ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت براءؓ بن عازبؓ کو انصار کی قیادت عطا فرمائی۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے نکل کر برق وباد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے۔ گو اس وقت مسیلمہ اور بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگجو سپاہی یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے تاہم باوجود قلتِ تعداد مسلمانوں کا جوشِ جہاد اور ولولہ شہادت اُبل رہا تھا اور وہ مسیلمی مرتدین سے جنگ آزما ہونے کے لئے بپھر رہے تھے۔

بنی حنیفہ کی دوسری کامیابی

حضرت عکرمہؓ کی طرح شرجیل نے بھی عجلت کرکے جناب خالدبن ولیدؓ کی آمد سے پہلے مسیلمہ کی حربی قوت کا اندازہ کئے بغیر جنگ کی طرح ڈال دی، جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جب حضرت خالدبن ولیدؓ کو مسلمانوں کی مکرر ہزیمت کا علم ہوا تو شرجیل کو سخت ملامت کی اور کہا کہ ہماری آمد کا انتظار کئے بغیر کیوں پیش دستی کی، تمہاری جلدی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے سے بھی فزوں تر ہو گئی ہے اور اعدا کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ ایک تو خود مسیلمہ کے پاس پہلے ہی سے جمعیت کثیر تھی، جس میں یوماً فیوماً ترقی ہو رہی تھی۔ دوسرے سجاح کی باقی ماندہ فوج بھی مسیلمہ سے مل گئی تھی، اس لئے مسیلمہ کی قوت بہت بڑھ گئی۔

اصحاب بدرؓ کی شرکت جہاد

اس اثنا میں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی کمک کے لئے ایک دستہ فوج بھی روانہ فرمادی جس کے افسر عسکر سلیط تھے۔ امیرالمؤمنین نے سلیط

کو حکم دیا تھا کہ وہ خالدؓ کی امداد کے لئے ان کے عقب میں رہیں تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے۔ اس موقع پر حضرات شیخینؓ یعنی امیر المومنین ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما میں اس بارہ میں اختلاف رائے تھا کہ غازیانِ بدر کو بھی لڑائی میں بھیجنا چاہیئے یا نہیں۔ حضرت صدیقؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے کیونکہ ان پاک بازوں کی برکت سے رب ذی المنن اکثر آفات و بلیّات کو رفع فرما دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرات کو کم از کم فوجوں کی امارت پر ضرور مقرر کیا جائے۔ آخر امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوتے۔

مُجاعہ کی گرفتاری

جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی کے لئے آپہنچے ہیں تو اس نے بھی اپنے لشکر کو یمامہ سے حرکت دی اور عقربا کے مقام پر لا جمع کیا۔ مسیلمہ کی طرف سے مُجاعہ بن مُرارہ ایک جداگانہ دستہ لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا، لیکن مسیلمہ تک پہنچنے میں صرف ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے شرجیل بن حسنہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا اتفاق سے رات کے وقت مجّاعہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ شرجیل نے نہایت بے جگری کے ساتھ مجّاعہ پر حملہ بول دیا اور مجّاعہ کے آدمیوں کو مارتے مارتے ان کا کھلیان کر دیا۔ مجّاعہ تن تنہا موت کا شکار ہونے سے بچا۔ مگر گرفتار کر لیا گیا۔

اسلام اور کفر کی آویزش

اس واقعہ کے بعد حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور عقربا کے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے اور حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ دوسرے دن آتشِ حرب شعلہ زن ہوئی۔ لشکر اسلام میں مہاجرین کا رایت سالم مولے

ابو حذیفہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیسؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ دوسرے قبائل عرب کے علم اپنے اپنے سردارانِ قبیلہ کے ہاتھ میں تھے۔ مسیلمہ اپنا خیمہ دخرگاہ اپنی پُشت پر چھوڑ آیا تھا۔ نہار الرحال بن عنفوہ مسیلمہ کا مشیر خاص اور مرعسکر تھا۔ اس معرکہ میں مسیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا۔ مسیلمہ کا بیٹا شرجیل رجز خوانی کر کے بنو حنیفہ کو جوش دلانے لگا۔ اس نے کہا "اے بنی حنیفہ" آج تم شرم و غیرت کے لئے لڑو، کیونکہ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی۔ اس لئے چاہیئے کہ تم اپنے ننگ و ناموس پر اپنی جانیں قربان کر دو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے اتمام حجت کے لئے مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کو دینِ حق کی دعوت دی مگر انہوں نے گوش قبول سے نہ سُنا صحابہ کرامؓ نے بھی پند و موعظہ کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن ان کے والہانہ یقین و اعتقاد کی گرمجوشی میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مرتدین کی طرف سے سب سے پہلے نہار مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوا اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ سے جو امیر المومنین عمر فاروقؓ کے بھائی تھے مارا گیا۔ اس وقت گھسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کے دلاور دادِ شجاعت دے رہے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا۔ اسلام اور کفر کی یہ ایسی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی سابقہ نہ پڑا ہوگا۔

لشکر اسلام نے لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ کا حکم پاکر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بنی حنیفہ کو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچنے کا موقع مل گیا، جہاں مُجاعہ قید تھا۔ سیلمی فوج حضرت خالد کے خیمہ میں آداخل ہوئی۔ اس وقت خیمہ میں حضرت خالدؓ کی اہلیہ محترمہ موجود تھیں۔ خیمہ میں ایک طرف مجاعہ زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا، جسے حضرت خالدؓ پیچھے ہٹتے وقت اپنی بیگم صاحبہ کی نگرانی میں

دے آتے تھے۔ بنی حنیفہ نے حضرت خالدؓ کی حرم محترم کو قتل کرنا چاہا مگر مجاعہ اس میں مزاحم ہوا اور کہا کہ عورت ذات سے تعرض کرنا شیوۂ مردانگی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ اس وقت میری ہمسایہ اور نگران حال ہیں اس لئے بہتر ہے کہ عورت کا خیال چھوڑ کر مردوں کی جا خبر لو۔" انہوں نے یہ خیال کرکے کہ یہ اسلامی سپہ سالار کی حرم ہیں ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فتح ہو۔ اس صورت میں معلوم نہیں کہ مسلمان اس کا کس شدت سے انتقام لیں۔ آپ کی حرم محترم سے کوئی تعرض نہ کیا، البتہ خیمہ کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

حضرت ثابتؓ

اب بنو حنیفہ آگے بڑھ کر مسلمانوں سے ازسرنو مبارزت خواہ ہوئے۔ اس وقت مسلمان نشۂ شہادت و جان بازی میں سرشار تھے جب ثابت بن قیسؓ نے لشکر اسلام کو مخاطب کرکے کہا "اے ملت موحدین کے بہادرو! اپنی جانوں پر کھیل جاؤ اور دشمن کی کثرت تعداد سے مرعوب ہو کر پست ہمتی سے کام نہ لو۔ الٰہی میں اہل یمامہ کے ارتداد اور اہل ایمان کی کم ہمتی سے عذر خواہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نہایت بے جگری سے غنیم کے قلب لشکر میں جا گھسے اور دادِ شجاعت دے کر جامِ شہادت پی لیا۔ اس کے بعد امیر المومنین عمر بن خطابؓ کے برادر معظم حضرت زید بن خطابؓ نے مہاجرین و انصار کو مخاطب کرکے کہا "اے ارباب ایمان! میں نے نہار کی زندگی کا چراغ گل کیا، لیکن اب میں اس وقت تک کسی سے ہم کلام نہ ہوں گا جب تک کہ اعداء کو منہزم نہ کر لوں یا خود ہی جرعۂ شہادت نہ پی لوں۔ اے توحید کے علمبردارو! توحید کی امانت تمہارے سینوں میں ودیعت ہے۔ اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تمہیں کوئی غیر اللہ کی طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔ اعداء کی کثرت اور اپنی قلت تعداد سے خالی الذہن ہو کر دشمن کا صفایا کر دو۔" حضرت ابو حذیفہ نے کہا "اے شمع جمالِ محمدی کے پروانو! آج رسول اللہ کے دین پر کٹ مرو۔ اے توحید کے جاں نثارو! تم اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر دنیا میں بھیجے گئے ہو' آج توحید کی

لاج رکھ لینا اے حاملانِ قرآن! قرآن اور اس کے آسمانی احکام دنیا سے مٹنے نہ پائیں۔"

حضرت خالدؓ نے ہلہ بول دیا

اب حضرت خالدؓ نے یک بیک ہلہ بول دیا اور لشکرِ اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے بنی حنیفہ پر اس طرح ٹوٹ پڑا جس طرح بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ اہلِ ارتداد اس حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ آتشِ حرب جوش و خروش کے ساتھ شعلہ زن ہوئی۔ اس وقت کبھی تو مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی مرتدوں کا۔ انہی معرکوں میں سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ اور زید بن خطابؓ وغیرہ بڑے بڑے اکابرِ ملت شربتِ شہادت سے سیراب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ کوئی ایسا نشان قائم کرو جس سے فوراً معلوم ہو سکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس حصہ کو کتنا نقصان پہنچا ہے تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جا سکے۔ آخر نشان قائم کئے گئے لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصانِ جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ مہاجرینؓ انصار اور اہلِ قرآن کی بہت بڑی تعداد میدانِ جانستان کی نذر ہو گئی۔

مسیلمہ کی ہمتِ مردانہ

مسلمانوں کی مسلسل جد و جہد اور ولولہ انگیز یورشوں کے باوجود مسیلمہ میدانِ کارزار میں اس طرح جم کر لڑ رہا تھا کہ گویا کوئی آہنی برج قائم ہے۔ باوجود ضعفِ پیری کے اس نے ذرہ بھر بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بنی حنیفہ اس کے اردگرد خوب دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت خالد سیف اللہؓ نے یہ محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ کو موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے دشمن پر غلبہ پانا محال ہے اس لئے آپ اس کوشش میں سرگرمِ عمل ہوتے کہ کوئی موقع ملے تو خود مسیلمہ پر چرکا لگایا جائے۔ بنی حنیفہ کے مقتولوں کی تعداد گو شہدائے مسلمین سے بہت زیادہ تھی مگر انہیں اپنی کثرتِ تعداد کے لحاظ سے اتنے مقتولوں کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جوش میں کسی طرح کی کمی نہ آئی تھی اور ان کے اندر نہ اسلامی حملوں سے

کسی خاص ضعف کے آثار نمایاں نہ ہوتے تھے۔

اب حضرت خالدؓ تن تنہا میدانِ کارزار میں نکلے۔ اس وقت

ع کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے تھا۔ حضرت خالدؓ نے اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کیا۔ اب دو دو سورما حریفوں کا سامنا ہونے لگا۔ حضرت خالد کے مقابلہ پر جو مسیلمی آیا آپ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ غرض حضرت خالدؓ نے تن تنہا مسیلمی لشکر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی سورماؤں کو قعرِ عدم میں پہنچا دیا، یہاں تک کہ لشکر اعدا میں ہل چل مچ گئی اور نسیم فتح مسلمانوں کے ہدایت اقبال پر چلنے لگی۔ اب حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کو پکارا اور چند دوسرے مطالبات کے علاوہ از سرِ نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے، جناب خالدؓ گھوڑا دوڑا کر اس کی طرف لپکے اور اسے لڑائی پر مجبور کرنا چاہا مگر وہ طرح دے کر دور نکل گیا اور اس کا لشکر بھی تابِ مقاومت نہ لا کر منتشر ہو گیا۔ اب بنی حنیفہ نے مسیلمہ سے کہا کہ عون ونصرت الٰہی کے جو وعدے تم کیا کرتے تھے وہ عونِ خداوندی کیا ہوئی؟ کہنے لگا، ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اہل وعیال اور ننگ وناموس کے لئے لڑے، یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔

براؔ بن مالک کی شجاعت وجانبازی

محکم بن طفیل نے جو مسیلمی لشکر کے میمنہ پر تھا اب مسیلمی لشکر کو ایک نہایت وسیع وعریض باغ میں جو وہاں سے قریب واقع تھا۔ گھس جانے کو کہا۔ بنی حنیفہ جھٹ باغ میں پناہ گزین ہوئے اور محکم بن طفیل ایک ساعت تک مصروفِ پیکار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) نے اسے قتل کیا۔ جناب عبدالرحمٰن نے ایسے وقت میں اس کی گردن میں نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا جبکہ وہ اپنی قوم کو خطبہ دے رہا تھا اور بنی حنیفہ کو

لڑائی کے لئے برانگیختہ کر رہا تھا۔ بنی حنیفہ نے باغ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں براء بن مالک ایک نہایت سورما بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے درخواست کی کہ مجھے خُدا کے لئے اس باغ میں ڈال دو۔ ان کے اصرار والحاح پر انہیں حدیقہ کی دیوار پر چڑھا دیا گیا وہ اندر کود سے اور حدیقہ کے دروازہ پر جا کر کمال شجاعت کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں دشمنوں سے لڑنے لگے اور نہایت بہادری کے ساتھ دروازہ پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔ اسلامی لشکر فوراً اندر داخل ہونے لگا۔ باغ میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جس میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ بنی حنیفہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور اس وقت تک کمزوری کا اظہار نہ کیا جب تک کہ مسیلمہ کا نقش وجود صفحۂ ہستی سے محو نہ ہو گیا۔ یہ باغ جس میں مسیلمہ اور اس کے ہزارہا پیرو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے گئے۔ اباض کے نام سے موسوم تھا لیکن بعد کو کثرت موت کے باعث حدیقۃ الموت کے نام سے مشہور ہو گیا (آخر جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا تو اسحاق بن ابی قمیصہ نے اس جگہ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی)

مسیلمہ کا قتل

جب مسیلمہ کو فلاح و رستگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو زرہ اور خود پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک دستۂ فوج کو ساتھ لے کر لڑتا بھڑتا باغ سے باہر نکلا۔ جوں ہی باغ سے باہر آیا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے جو اس سے پیشتر مسلمان ہو چکا تھا اسے ایسا نیزہ مارا کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ معاً وہیں ٹھنڈا ہو گیا اور حضرت زید بن خطابؓ نے رحال بن عُنفوۂ کو جرعۂ مرگ چکھا کر واصل جہنم کیا۔ مسیلمہ کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں نے حصّہ لیا تھا ایک وحشی نے اور دوسرا ایک انصاری نے۔ پہلے وحشی نے ایک نیزہ رسید کیا۔ جونہی اس پر نیزہ پڑا انصاری نے اسے اپنی تلوار پہ لے لیا۔ وحشی نے مسیلمہ کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا اور ایک عیار و فتنہ گر متبنی جس نے زمانے میں ہلچل ڈال رکھی تھی۔ اس حسرت آباد دُنیا سے

بصد حسرت داندوہ کوچ کر گیا۔ وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالتِ کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقہ اسفل کا مستحق ہو چکا تھا لیکن اس منعم لایزال کا شکر واحسان ہے جس نے دین اسلام کا رلقہ سعادت میری گردن میں ڈالا اور تائید الٰہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کرا کے کسی حد تک میرے جُرم کی تلافی کرا دی۔

لشکر اسلام کی فتح

جب مسیلمہ مارا گیا تو بنی حنیفہ سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے جن پر چاروں طرف سے تلوار پڑنے لگی۔ گو بنی حنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر قدوسیوں نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پرنچے اڑا دیئے۔ آخر قصر ارتداد کو پیوند خاک ہونا پڑا اور مسیلمی اقبال آناً فاناً دامن ادبار میں روپوش ہو گیا۔ ان معرکوں میں بنی حنیفہ نے اکیس ہزار اور اہلِ اسلام کے چھ سو ساٹھ آدمی کام آئے تھے [۱] ایک مسیلمی نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی۔ لیکن ان کی شجاعت دیکھئے کہ انہوں نے اِس کو وہی ٹانگ اس زور سے ماری کہ معاً طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا مگر اس صدمہ سے انہوں نے خود بھی عنانِ حیات دارِ آخرت کو پھیر دی۔

حضرت سیف اللہ کفّار مقتولین کی لاشوں پر

اختتامِ جنگ پر حضرت خالد بن ولیدؓ مُجّاعہ کو اپنے ساتھ لئے ہوئے مقتولین اعداء کی طرف گذرے اور حکم دیا کہ مسیلمہ کی لاش تلاش کی جائے، چنانچہ مقتولین کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ خالد رضی اللہ عنہ رفتہ رفتہ محکم الیمامہ کی لاش پر پہنچے، جو ایک وجیہ آدمی تھا۔ آپ

---

[۱] یہ تعداد ابن اثیر نے لکھی ہے، لیکن حسب بیان ابن خلدون شہدائے اسلام کی تعداد ایک ہزار اسّی تھی ۱۲

نے فرمایا کہ یہی مسیلمہ ہے؟ مُجّاعہ نے کہا۔ یہ وجیہ وخوبرو آدمی تو محکم بن طفیل ہے۔ پھر ایک کم رو زرد فام چپٹی ناک والے آدمی کی لاش پر سے گزرے۔ مُجّاعہ کہنے لگا جس لاش کی آپ کو تلاش ہے وہ یہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فرمایا اچھا وہی یہ شخص ہے جس نے لوگوں کو گمراہ کر کے دُنیا اور عقبیٰ میں رُوسیاہ کیا؟ اس کے بعد رذیل، ذمیم اور اخنس کی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ کیا یہی تمہارے سردار تھے اور یہی تم پر حکومت کرتے تھے؟

مُجّاعہ کی حیرت انگیز فریب کاری

مُجّاعہ انتہائی عیاری اور فریب کاری سے کام لے کر کہنے لگا کہ یہی لوگ میرے سردار تھے، لیکن آپ ان لوگوں کے قتل پر نازاں نہ ہوں کیونکہ جن لوگوں سے آپ کو اب تک سابقہ پڑا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جو سب سے زیادہ لڑائی کے لئے بپھر رہے تھے اور دوسروں پر سبقت کر کے طرح جنگ ڈال دی تھی۔ حالانکہ بنی حنیفہ کی نوجوں کی نوجیں اور ان سے زیادہ جنگ آزما بہادر نبرد آزما ہونے کے لئے ہنوز پیچھے ہیں۔ جن سے قلعے اور حصون بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کے پاس جلد سے جلد صلح کا پیغام بھیجیے اور اپنے تحفظ و بقا کے لئے مصالحت و آشتی کا شیوہ اختیار کیجئے اور اگر آپ مصالحت پر آمادہ ہوں تو مجھے رہا کر دیجئے تاکہ اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی طرف سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی کروں، چونکہ لشکر اسلام کو بہت بڑا مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا۔ اور حضرت خالدؓ لشکروں کو کمر کھول دینے کا حکم دے چکے تھے اس وجہ سے مُجّاعہ سے کہنے لگے کہ میں تجھے قید سے رہا کئے دیتا ہوں تو اپنی قوم میں جا اور ان کو اطاعت شعار کرنے پر آمادہ کر۔ میں ان سے صرف ان کی جانوں کے متعلق صلح کر لوں گا۔

عورتوں اور بچوں کو مسلح کر کے فصیلوں پر کھڑا کر دیا،

مُجّاعہ یہاں سے اہل یمامہ کے پاس گیا۔ اس وقت قلعوں میں عورتوں بچوں

بیماروں اور شیوخ فانیہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مُجاعہ نے انہی کو ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ عورتوں کو کہا کہ وہ اپنے سر کے بال کھول کر چھاتی پر ڈال دیں اور اسلحہ لے کر شہر پناہ کی فصیل پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ حضرت خالدؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ قلعہ والے تو آپ کے شرائط صلح کو ہرگز منظور نہیں کرتے۔ خالدؓ نے یمامہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی فصیلیں ہتھیاروں سے چمکتی نظر آئیں۔ حضرت خالدؓ کو یہ دیکھ کر یقین ہو گیا کہ غنیم کے قلعے فوجوں سے معمور ہیں اور مسلمان لڑتے لڑتے بہت تھک گئے تھے اور لڑائی شروع ہوئے بھی ایک عرصہ گذر چکا تھا۔ اس لئے جناب خالدؓ نے مُجاعہ سے ان کا نصف مال و اسباب اور زمین مزروعہ و غیر مزروعہ اور باغات اور قیدی لے کر صلح کر لینے پر رضامندی کا اظہار فرمایا مُجاعہ نے اس سے انکار کیا۔ آخر حضرت خالدؓ نے چوتھائی مال و اسباب وغیرہ منظور کر کے صلح کر لی۔

مُجاعہ نے حیلہ گری کو قومی خدمت سے تعبیر کیا

جب معاہدہ صلح لکھا جا چکا اور حضرت خالدؓ قلعے کھول کر ان میں داخل ہوئے تو یہ معلوم کر کے ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں عورتوں بچوں اور ضعیفوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ خالدؓ نے مُجاعہ سے کہا کمبخت! تو نے میرے ساتھ دغا کی اور فریب سے صلح نامہ لکھوایا۔ مُجاعہ نے عرض کی، اے امیر المومنین! اگر میں یہ حیلہ نہ کرتا تو میری قوم میں کسی قسم کی استطاعت باقی نہ رہتی۔ میرا قصور معاف فرمائیے۔ میں نے ان کی رسوائی کے خوف سے حیلہ سازی کی اور اپنی قوم کی جس قدر خدمت مجھ سے ہو سکی میں نے کی۔"

حضرت خالدؓ مجاعہ کا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور باوجودیکہ یہ معاہدہ دھوکے اور فریب کاری کی بنا پر لکھا گیا تھا، لیکن چونکہ عہد کی پابندی مسلمانوں کا لازمی شعار ہے۔ حضرت خالدؓ نے

اس معاہدہ کو علیٰ حالہا قائم رکھا۔ مُجّاعہ کی تحریک سے بنی حنیفہ کے سات ممتاز افراد منتخب ہوئے جنہوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسیلمی عقائد سے توبہ کر کے از سرِ نو اسلام میں داخل ہوتے۔ یاد رہے کہ یمامہ کی جنگ اور فتح سلہ ۱۲ھ کا واقع ہے۔

امیر المؤمنین کا فرمان کہ تمام بالغ مسیلمی بجرمِ ارتداد قتل کئے جائیں

اس اثنا میں امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے مسلمہ بن دقش کے ہاتھ حضرت خالدؓ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیز و برتر مرتدین پر فتحیاب کرے تو بنی حنیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہیں، وہ سب بجرم ارتداد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور کم سن لڑکے حراست میں لے لئے جائیں، لیکن امیر المؤمنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالدؓ معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس مجبوری سے اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔[عہ]

مفتوح نومسلموں کا وفد مدینہ منورہ کو

حضرت خالدؓ بن ولید نے بنی حنیفہ کے ایک گروہ کو وفد کی حیثیت سے امیر المؤمنین کے حضور میں اپنے عریضہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا جس میں مسیلمہ کے مارے جانے اہلِ یمامہ پر فتح پانے، معاہدہ صلح مرتب ہونے اور بنی حنیفہ کے از سرِ نو اسلام لانے کا مفصل حال درج تھا۔ امیر المؤمنین ابوبکرؓ نے اہلِ وفد کو بکمال عزت باریاب فرمایا اور ان لوگوں سے مسیلمہ کی من گھڑت وحی کا کلام سنا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا واللہ یہ خالقِ ارض و سما کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ ذات بے ہمتا ہر قسم کے عیوب سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے بعد امیر المؤمنین نے اہلِ وفد سے

عہ تاریخ ابن خلدون جلد ۳ حالات مسیلمہ کذاب ۱۲

فرمایا جاؤ اپنی قوم میں رہو اور اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دو۔ جس سے اللہ اور اس کا رسولؐ خوش ہوں۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کا عتاب فرزند گرامی پر

اس معرکہ میں جس طرح خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزند گرامی حضرت عبدالرحمٰنؓ شریک ہوئے اسی طرح خلیفہ ثانی امیرالمؤمنین عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ جناب عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک غزوہ تھے۔ جب لشکر اسلام مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ان سے فرمایا "یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا حضرت زید بن خطابؓ تو شہید ہوا اور تم زندہ رہو؟ تم زیدؓ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے۔ کیا تمہیں شہادت کا شوق نہ تھا؟" جناب عبداللہ نے عرض کیا "اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی، ان کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی تمنائے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔

صحابہ کرامؓ جو جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے

جنگ یمامہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے، ابن اثیر نے ان میں سے مندرجہ ذیل اُنتالیس حضرات کے اسمائے گرامی قلمبند کئے ہیں (١) حضرت عُبّاد ابن بشر انصاری اشہلی جو غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے (٢) عبّاد ابن حارث انصاری جو جنگِ اُحد میں شریک تھے (٣) عُمیر ابن ادس شریک اُحد (٤) عامر بن ثابت بن سلمہ انصاری (٥) عمارہ ابن حزم انصاری جو غزوۂ بدر میں شریک تھے (٦) علی بن عبیداللہ ابن حارث (٧) عائذ ابن ماعص انصاری (٨) فردہ بن نعمان جو جنگ اُحد میں شریک تھے (٩) قیس ابن حارث بن عدی انصاری شریک جنگ احد (١٠) سعد بن حمّاز انصاری،

شریک غزوہ احد (۱۱) ابودُجانہ انصاری بدری (۱۲) سلمہ ابن مسعود ابن سنان انصاری (۱۳) سائب بن عثمان ابن مظعون جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے (۱۴) سائب ابن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے (۱۵) طفیل ابن عمرو الدوسی شریک غزوہ خیبر (۱۶) زرارہ ابن قیس انصاری (۱۷) مالک ابن عمرو سلمی بدری (۱۸) مالک ابن اُمیہ سلمی بدری (۱۹) مالک ابن عوس ابن عتیک انصاری جو اُحد میں شریک تھے (۲۰) عبداللہ ابن عبداللہ بن ابی ابن سلول (مشہور منافق کے بیٹے) (۲۱) معن ابن عدی جو عقبہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے (۲۲) مسعود ابن سنان اسود شریک غزوہ اُحد (۲۳) نعمان ابن عصر بدری (۲۴) صفوان (۲۵) اور مالک عمرو السلمی کے بیٹے جو بدری تھے (۲۶) ضرار ابن ازور اسدی جنہوں نے خالدؓ کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کیا (۲۷) عبداللہ بن حارث سہمی (۲۸) عبداللہ ابن مخرمہ بن عبدالعزیٰ جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (۲۹) عبداللہ ابن عتیک انصاری بدری (۳۰) شجاع بن ابی وہب اسدی بدری (۳۱) ہریم ابن عبداللہ مطلبی قرشی اور (۳۲) ان کے بھائی جنادہ (۳۳) ولیدا بن عبدشمس بن مغیرہ مخزومی جو خالدؓ کے عم زاد بھائی تھے (۳۴) ورقہ ورقا ابن ایاس بن عمرو انصاری بدری (۳۵) یزید ابن اوس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے (۳۶) ابوحیہ ابن غزیہ انصاری جو اُحد میں موجود تھے (۳۷) ابوعقیل بلوی بدری (۳۸) ابوقیس ابن حارث سہمی جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ اُحد میں شریک تھے (۳۹) یزید بن ثابت جو زید ابن ثابت انصاری کے بھائی تھے رضی اللہ عنہم۔

علامہ بلاذری نے جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہؓ کے ماموں اور بدری صحابی ہیں اور ان کے غلام ابوعبداللہ سالم ابوعبداللہ سالم اور بعض دوسرے حضرات کے نام بھی پائے جاتے ہیں، اسی طرح بعض مورخین نے چند اور نام بھی بتاتے ہیں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی!

کفر کے مقتل میں مسیلمہ کذاب کا جس بڑی طرح جھٹکا ہوا، یقین واثق تھا کہ کوئی دوسرا کذاب کفر کی یہ چادر نہیں اوڑھے گا، لیکن ابلیسی ہواؤں میں ایسے جراثیم تیر رہے تھے کہ یہ مرض پھیلتا ہی چلا گیا۔ دستِ ابلیس کی ذرا سی تھپکی پر اچھا بھلا آدمی اپنے کو تختِ ابلیس کا پایہ سمجھنے لگا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں درج ہے کہ سید الطائفہ حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ کا ایک ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے صحبت شیخ کی احتیاج نہیں۔ اسی خیالِ خام کو دل میں پختہ کر کے اس نے حضرت جنیدؒ کی صحبت ترک کر دی اور عزلت نشینی اختیار کر کے ذکر و فکر میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑے ہی روز کے بعد وہ ہر شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اُسے اونٹ پر سوار کر کے عالمِ بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاض فردوس کی سیر کراتے ہیں۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بعض مخلص احباب سے ذکر کیا کہ میں بارگاہِ رب العزت میں اس درجۂ رفیعہ پر پہنچا ہوں کہ ملائکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے بہشت کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنیدؒ کے سمع مبارک تک پہنچی۔ آپ اس پر خود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی زبان سے عروج و صعود کی کیفیت سن کر فرمایا کہ آج رات کو جب جنت میں پہنچو تو ذرا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھ دینا۔" اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ تمام شیاطین بھاگ رہے ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور مُردوں کی ہڈیاں سامنے پڑی ہیں۔" یہ شخص چونکا اپنی کوتاہی و گمراہی سے توبہ کر کے حضرت

تحریک ختم نبوت کا تیسرا باب

جنیدؒ کے کاشانۂ زہد پر حاضر ہوا اور تجدید بیعت کر کے برکت انفاس سے درجۂ کمال کو پہنچا۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان للشیطان عرشاً بین السمآء والارض اذا اراد والعبد فتنة کشف له عنه

حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کے درمیان شیطان کا ایک تخت ہے، جب کسی انسان کو فتنہ میں ڈالنا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ تخت دکھا کر اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

یہود اور عیسائی راہب منجم اور کاہن غیب کی جھوٹی خبریں سنا کر عوام کو گمراہ کر رہے تھے۔ اس افسانوی ہجوم میں انبیائے اکرام کی روحانی تعلیم کے مراکز بے اثر ہو کر رہ گئے تھے اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تو زمین پر جنت اور دوزخ کا نقشہ سجا کر مخلوق خدا کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ کئی خدا بن کر بیٹھ گئے۔ دجالی اور کذاب تختِ نبوت کے دعویدار تو اب بھی موجود ہیں۔

دہلی میں ایک شاعر حضرتِ بیدل ہو گزرے ہیں، وہ اپنی زندگی کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

"ایک دفعہ میں بریلی کا پاگل خانہ دیکھنے گیا کہ ایک صاحب وہاں صاف ستھرا لباس پہنے ایک چبوترے پر بیٹھے تھے، دیکھنے میں مہذب اور معزز معلوم ہوتے۔ میں نے اس خیال سے کہ یہ محکمے کے کوئی آفیسر ہوں گے۔ بڑے آداب سے سلام کیا مگر انہوں نے جواب دینے کی بجائے اپنا رُخ پھیر لیا۔ میں سمجھا ممکن ہے۔ مجھ سے آداب میں کوتاہی ہوئی ہو۔ میں دوسری طرف ہو کر پھر آداب بجالایا۔ لیکن انہوں نے پھر رُخ پھیر لیا۔ تیسرے رُخ ہو کر میں اپنا عمل دُہرا رہا تھا کہ انہوں نے بڑے غصے میں میری طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا آداب آداب لگا رکھی ہے، جانتے نہیں ہو، میں نبی آخرالزمان ہوں"۔
اس کا یہ کہنا تھا کہ سامنے کے جنگلے سے آواز آئی۔
" بکتا ہے سالہ مَیں نے اِسے نہیں بھیجا "
بیدل صاحب لکھتے ہیں۔
میں نے مڑ کر دیکھا تو یہ شخص مادر زاد ننگا کھڑا خدا بنا بیٹھا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میں پاگل خانے میں ہوں اور یہ دونوں پاگل ہیں۔

مذکورہ واقعہ عقل وخرد کے ماضی قریب کا ہے۔ تہذیب کی روشنی دل و دماغ تک پہنچ چکی تھی۔ ایسے دور میں اگر نبوت اور خدائی کے جھوٹے دعویدار پیدا ہو سکتے ہیں تو اقوام عرب جو جہالت کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن تھی کیا دشوار ہے کہ وہ احکامِ خداوندی سے بغاوت کی مرتکب نہ ہو، اسی اندھیر گردی میں دجّال اور کذابوں کی مسلسل ہرزہ سرائی سنتے اور دیکھتے ہوئے معلّمِ اعظم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

انما اخاف علی امتی الائمۃ المضلین وانہ سیکون
فی امتی کذبون ثلاثون کلھم یزعم انّہ نبی اللّٰہ
وانا خاتم النبیّین لا نبی بعدی ٥

(رواہ مسلم عن ثوبانؓ)

ترجمہ: مجھے اپنی اُمت کے حق میں گمراہ کرنے والے اماموں کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے۔ اور میری امت میں ضرور تیس کذاب پیدا ہونگے۔ جن میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی ہوگا کہ وہ خدُا کا نبی ہے۔ حالانکہ مَیں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی معبوث نہیں ہوگا۔

پیغمبرِ کائنات عالم میں خدُا اور خدُائی کے مابین ایک رابطہ ہوتا ہے اور

وہ اپنے پاس سے کوئی بات کہنے کا مجاز نہیں، جیسے کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

اور نہیں بولتا اپنے ارادہ سے، مگر وہ جو وحی کی جاتی ہے اللہ کی طرف

بنا بریں جن تیس دجالوں سے متعلق مخبر صادق (صلعم) نے اطلاع دی۔ یقیناً یہ فیصلہ خالقِ کائنات کا ہے کہ اختتام کائنات تک ایسے گمراہ فریب خوردہ اور کذاب آئیں گے جن کے ہاتھوں میں زہرِ ہلاہل کے جام ہوں گے۔ جن پر سچائی کے خوبصورت لیبل چسپاں دکھائی دیں گے۔

ان خر دماغوں کی فہرست جنہوں نے محسن انسانیت (صلعم) کی ہمسری کی اور ان کے برابر کھڑے ہونے کی سعی کی، اس قدر طویل ہے کہ کئی پاگل خانے بن سکتے ہیں۔

علاج اس کا بھی کچھ غمِ جاناں ہے کہ نہیں!

مریض اور مرض کے مابین بھی ایک رشتہ ہے۔ روح جب تک جسم کے ساتھ رہتی ہے، یہ رشتہ قائم رہتا ہے۔ اس دوران مرض کبھی جسم پر غلبہ پالیتی ہے اور گاہ جسم مرض کو مات دے دیتا ہے، لیکن جن امراض کا دل و دماغ پر قبضہ ہو جاتا ہے، وہ قبر کی لحد تک جسم کا تعاقب کرتی ہیں۔ ان میں مراق، مالیخولیہ، نسیان اور وہم ہیں، یہ وہ دماغی امراض ہیں، جو آدمی کو عقل و خرد سے دور لے جا کر جنون کے ویرانوں میں پھینک دیتی ہیں، یہیں سے ابلیس انہیں دبوچتا ہے اور ایسے سبز باغ دکھاتا ہے کہ آدمی آدمیت سے ماوریٰ ایسی حرکات کرنے لگتا ہے کہ پھر ابلیس بھی ہتھیار ڈال دیتا ہے، قرآنِ حکیم کی آخری سورۃ (والناس) سے بھی ایسی حرکات کا اشارہ ملتا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

ترجمہ: کہہ دو میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آیا، لوگوں کے بادشاہ کی

لوگوں کے معبود کی، اس شیطان کے شر سے جو وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، جنوں اور انسانوں میں سے۔

قارئین اس موقعہ پر قندِ مکرر کے طور پر حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کے واقعہ کا پھر سے مطالعہ کریں تاکہ ابلیس کے ایسے تمام خلفا کے کارناموں کی تصدیق ہو سکے۔

سید الطائفہ حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ کا ایک ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے صحبت شیخ کی احتیاج نہیں "۔ اسی خیالِ خام کو دل میں پختہ کر کے اس نے حضرت جنیدؒ کی صحبت ترک کر دی اور عزلت نشینی اختیار کر کے ذکر فکر میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی روز کے بعد وہ ہر شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اسے اونٹ پر سوار کر کے عالم بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاض فردوس کی سیر کراتے ہیں، ایک دفعہ اس نے اپنے بعض مخلص احباب سے ذکر کیا کہ میں بارگاہِ رب العزّت میں اس درجۂ رفیعہ پر پہنچا ہوں کہ ملائیکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے مجھے گلستانِ بہشت کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنیدؒ کے سمع مبارک تک پہنچی۔ آپ اس پر خود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی زبان سے عروج و صعود کی کیفیت سُن کر فرمایا کہ آج رات کو جب جنت میں پہنچو تو تو ذرا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھ دینا "۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ تمام شیاطین بھاگ رہے ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور مُردوں کی ہڈیاں سامنے پڑی ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد

کثیر رقوم سے بنائی گئی مشینری کا چھوٹا سا پُرزہ بھی جواب دے جائے تو تمام مشینری سکریپ (لوہے) کے بھاؤ فروخت ہوتی ہے جب کہ باقی تمام کل پُرزے کار آمد ہوتے ہیں لیکن جس پُرزے پر ساری مشینری کا دار و مدار ہے جب وہ بے جان ہو جائے تو باقی کیا رہ گیا۔

کارخانۂ فطرت میں ڈھلے ہوئے دل و دماغ کے کل پُرزوں کا بھی یہی حال ہے اچھا بھلا انسان جب سوچ و فکر کی بلندیوں سے گرتا ہے تو جان لینا چاہیئے کہ اس کی دماغی مشینری کا کوئی پُرزہ اپنی جگہ سے ہل چکا ہے

دماغی توازن کھو کر جب انسان طوطے مینا اڑانے لگتا ہے تو اس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے حالانکہ انسان کی ظاہری ہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سر سے پاؤں تک کے تمام عضا ٹھیک کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر دماغ کی ذرا سی خرابی نے عقل و خرد کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیا ہوتا ہے، ایسے میں آدمی کو آدمی کہنا مشکل ہو جاتا ہے، ابلیسی قوتیں ہیں سے اپنے کارکن منتخب کرتی ہیں، جو آگے چل کر آدمیت سے مادر پدر ہو کر انا لاغیری کا نعرہ لگاتا ہے کبھی اپنے کو رب اکبر کہتا ہے اور کبھی نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے، جن کی پرواز ذرا ہلکی رہی انہوں نے ولایت کی چادر اوڑھ لی اور خدا کی بنائی ہوئی آسمانی جنت کا نقشہ زمین پر لکیرنا شروع کر دیا۔ ابنِ آدم کو فریب دینے کے کتنے دوسرے طریقے اختیار کئے گئے۔ لیکن حقیقت میں یہ تمام دماغی خلل کے سوا کچھ نہیں ہوتا ایسے لوگوں کی بھیڑ پاگل خانوں میں پائی گئی ہے۔

صدیاں گزریں کہ انسان عقل و خرد سے بیگانہ کائنات میں بھٹک رہا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ زمیندار اپنے استحکام کے لئے اسی خام مال سے اپنی ضرریات کے لوگ منتخب کرتا ہے اور یہی لوگ ایوانِ سلطنت کا ستون ثابت ہوتے ہیں جن کی چمک سے عوام فریب کھا جاتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے دوران جب مسلمان وطنِ عزیز کی حفاظت میں انگریز

کا شکار کھیل رہا تھا۔ ایسے ہی کئی لوگ رلستے کی دیوار بنے تاریخ جن کے ماتم سے ہنوز فارغ نہیں ہوئی یہی گروہ تھا جس کی ذاتی اغراض کے باعث برصغیر کو کئی سو سال انگریزوں کا غلام رہنا پڑا۔ ان میں ضلع گورداسپور قصبہ قاضیاں[1] کا رئیس مرزا غلام مرتضےٰ (دجال قادیاں مرزا غلام احمد کا والد) بھی تھا جس نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کی ایسے مشکل وقت میں مدد کی جب وہ پنجاب پر قبضہ کرنے کی کوشش میں تموں (دریائے بیاس) کے محاذ پر بُری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اس واقعہ کا اقرار کرتے ہوتے دجال قادیاں مرزا غلام احمد لکھتا ہے۔

"میں نہیں کہتا، گورنمنٹ اُن کی اس خدمات کو کبھی نہیں بھولے گی کہ انھوں نے (غلام احمد کے باپ اور بھائی) نے ۱۸۵۷ء کے نازک وقت میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر پچاس سوار اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مہیا کرکے گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کے لئے دیئے تھے۔"

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص ۱۳۲)

ایسے غداروں کی امداد اور تعاون سے انگریز جیسے ہی کامیاب ہوا۔ اب اُسے برصغیر میں اپنے قیام کے مستقبل کی فکر ہوئی، چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جو سب سے بڑا پتھر اس کے راستے کی دیوار بنا، وہ مسلمان کی انگریز دشمنی اور اس کا جذبۂ جہاد تھا۔ تاوقتیکہ ان دونوں کو ختم نہ کر دیا جاتے۔ برطانوی پائے سنگھاسن تلے کی زمین میں زلزلے آتے رہیں گے۔

غیر ملکی اقتدار اپنے زخموں کا لہو چاٹ رہا تھا تو دوسری طرف جہادِ آزادی کے مجاہدین نے بھی اپنی تلواریں نیام میں نہیں کی تھیں۔ دونوں طرف دلوں کی بھٹیاں شعلہ فشاں تھیں۔

---

[1] یہی قصبہ آگے چل کر قادیاں کے نام سے معروف ہوا۔

یورپین دانشوروں کو سیاسیات کا عظیم معلم قرار دیا گیا۔ وہ آگ کہیں لگاتے ہیں اور اس کا دھواں کہیں سے اٹھتا ہے، اپنے حریف کو مات دینے میں گو بندوق اپنی استعمال کرتے ہیں لیکن کندھا ان کا نہیں ہوتا۔

برصغیر کے مسلمان کے دل و دماغ سے انگریز دشمنی اور جذبۂ جہاد ختم کرنے کیلئے انگریز نے دو محاذ قائم کئے، ایک تعلیمی دوسرا جہاد کا جذبہ ختم کرنا ضروری اور اہم تھا۔ پہلا تعلیمی محاذ تو سرسید احمد خان کے سپرد کیا گیا۔ (اس کی تفصیل مصنف کی کتاب انگریز کے باغی مسلمان میں دیکھیں) البتہ جہاد ایسے تلاطم خیز طوفان کا رکنا انگریز کے بس کا روگ نہیں تھا، لیکن مذہباً اور سیاسی طور پر بھی اس کا ختم کرنا عیسائی حکمرانوں کے لئے بنیادی کام تھا۔

یہ دور تھا جب برصغیر میں انگریز ظلم و جور کی توپ کے دہانے پر کھڑا ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں کو نشانہ بنا رہا تھا۔ خوف و ہراس کے اس جھکڑ میں عیسائی پادری مسلمانوں کے ایمان پر عیسائیت کی مہریں ثبت کر رہے تھے۔ اس پر بھی حکمران ٹولہ مطمئن نہیں تھا۔ اُسے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کی آگ بدستور سلگتی دکھائی دے رہی تھی۔

ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں سے چھینی تھی، لیکن اس کے دوبارہ حصول میں ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ رہا۔ کیوں؟ —— جب کہ مسلمان یہ لڑائی جہاد کے عنوان اور جذبے سے لڑ رہا تھا اور غیر اسلامی تہذیب میں جہاد کا وجود تک نہیں۔ پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ حریت میں غیر مسلم کیوں شریک ہوا۔ فرنگی دانشوروں کی یہ سوچ جب ایوانِ حکومت تک پہنچی تو اس پر "۱۸۶۹ء کو انگریزوں نے ایک کمیشن ہندوستان بھیجا کہ وہ انگریزوں کے خلاف خاص کر مسلمانوں کا ذہن معلوم کرنے نیز آئندہ کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کو رام کرنے کی تجاویز مرتب کرے۔ اس کمیشن نے ایک سال ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں کے حالات معلوم کئے اور واپسی پر ۱۸۷۰ء کو لندن

وائٹ ہاؤس میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں کمیشن مذکور کے نمائندوں کے علاوہ ہندوستان میں متعین عیسائی مشنری کے پادری بھی خاص دعوت پر شریک ہوئے، کمیشن کے نمائندوں اور پادریوں نے اپنی اپنی رپورٹ پیش کی، اس ضمن میں کمیشن کے سربراہ سر ولیم ہنٹر کی رپورٹ ملاحظہ ہو۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی غیر ملکی حکومت کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے اور ان کے لئے غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے اس تصور سے مسلمانوں میں ایک جوش ایک ولولہ ہے، وہ جہاد کیلئے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں، ان کی یہ کیفیت کسی وقت بھی انہیں غیر ملکی حکومت کے خلاف ابھار سکتی ہے۔

پادریوں کی رپورٹ

اس موقع پر ہندوستان میں متعین پادریوں نے جنہیں خاص طور پہ دعوت دے کر بلایا گیا تھا اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

ہندوستان کے باشندوں کی ایک بہت بڑی اکثریت پیری مریدی کے رجحانات کی حامل ہے، اگر ان میں سے اس وقت کسی ایسے غدار کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں جو (ظلی) نبوت کا دعویٰ کرنے کو تیار ہو جائے تو اس کے حلقہ نبوت میں ہزاروں مسلمان جوق در جوق شامل ہو جائیں گے لیکن مسلمانوں میں سے اس قسم کے دعویٰ کے لئے کسی کو تیار کرنا بنیادی کام ہے، اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو پھر اس شخص کی نبوت کو حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں میں غدار پیدا کرنے کی حکمت عملی سے وقت کی حکومتوں کو شکست

دے چکے ہیں، لیکن وہ مرحلہ اور تھا، کیونکہ اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے غداروں کی تلاش کی گئی تھی مگر اب جبکہ ہم برصغیر کے چپہ چپہ پر حکمران ہیں اور ہر طرف امن و امان ہو گیا ہے تو ان حالات میں ہمیں کسی ایسے منصوبے پر عمل کرنا چاہیئے جو یہاں کے باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو۔"

اقتباس مطبوعہ رپورٹ
کانفرنس وائٹ ہاؤس منعقدہ ۱۸۷۰ء
"دی ارائیول آف برٹش ایمپائر اِن انڈیا"

جب اندر خانے یہ فیصلہ ہو چکا کہ مسلمانان ہند کے اس کمزور عقیدے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے تو خفیہ طور پر ایسے آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو فرنگی حکومت کی رائے پر عمل پیرا ہو کر نبوت کا دعویٰ کر کے جہاد جیسے جذبہ سے مسلمانوں کو بغاوت پر اُکسائے۔

حسن ہو تو نزاکت اور ادائیں آپ سے آپ آ جاتی ہیں۔ سیاست دان ہو اور حکمران بھی ہو تو فکر کی تمام راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں، لندن میں جو بات طے پا چکی تھی، انگریز کی نگاہیں اپنے شکار کی تلاش میں مصروف ہو گئیں۔

یوں تو ہندوستان میں غداروں کی کمی نہیں تھی، لیکن پنجاب اس فصل کے لئے بہترین زمین ثابت ہو چکا تھا چنانچہ انگریز کی نظریں بار بار قصبہ قادیاں کے رئیس مرزا غلام مرتضےٰ کے خاندان سے ٹکراتی رہیں جس نے ۱۸۵۷ء کے محاذ پر انگریز کی مشکل ترین وقت میں فوجی امداد کی تھی۔

مرزا غلام احمد دجالِ قادیان

آدمی کسی مذہب سے متعلق ہو۔ کوئی سا کسب کرتا ہو، ذات برادری کی بھی کوئی بحث نہیں، چاہے کسی حیثیت کا ہو، والدین کو اس کی پیدائش کی تاریخ یاد ہوتی ہے، خاص کر ماں کو تو دن اور وقت بھی ازبر ہوتا ہے، لیکن

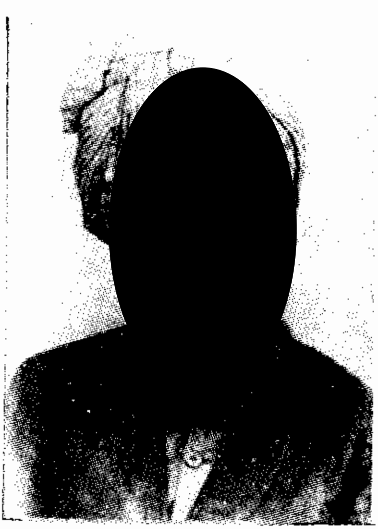

مرزا غلام احمد (دجال قادیان)

مرزا غلام احمد (دجال قادیان) اپنی پیدائش
کے سن وسال سے ایسا غائب ہوا ہے
کہ نہ تو باپ کو اور نہ ماں کو اس کے جنم
کی تاریخ یاد ہے البتہ مرزا غلام احمد خود
کہتا ہے کہ ۱۸۴۰ء میں اس کی پیدائش
ہوئی وہ اپنے ساتھ ایک بچی کی پیدائش
کا بھی ذکر کرتا ہے جب کہ والدین اور گھر
کے باقی افراد اس سلسلے میں خاموش ہیں۔
یہاں تک کہ مرزا غلام احمد کہتا ہے۔

"میرے ساتھ پیدا ہونے والی
لڑکی کا نام جنت تھا، پہلے وہ پیٹ سے نکلی تھی اور اس کے بعد
میں نکلا تھا" (تریاق القلوب ص۱۵۷)

مگر ماں اس کی تصدیق نہیں کرتی۔

●

مذہب

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ "اشاعت سنہ" میں لکھتا ہے۔
"غلام احمد کا والد غلام مرتضیٰ حکیمانہ مذہب رکھتا تھا۔ اگر کسی
مذہب کی طرف کچھ میلان تھا تو تشیع کی طرف تھا۔ پیرانہ سالی میں اسے
دیکھا ہے اُن کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا کوئی خیال تک نہیں تھا"
"اشاعت سنہ جلد ۶

●

غلام احمد کے درمیانے بھائی میاں بشیر احمد ایم اے نے سیرت المہدی
میں لکھا ہے۔

"ہمارے دادا بے نماز تھے، یہاں تک کہ پچھتر سال کی عمر میں پہنچ کر

بھی نماز نہیں پڑھی۔"

•

میاں بشیر احمد نے اپنے بعض اقربا کے متعلق لکھا ہے۔
"میرے تمام رشتہ دار پرلے درجے کے بے دین اور لامذہب تھے۔"
("سیرت المہدی" جلد اوّل صفحہ ۲۱۲)

معاش | تموں کے محاذ پر مجاہدین وطن کے مقابل" انگریز کی امداد کرنے کے صلے میں مرزا غلام مرتضےٰ کو سات سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی تھی۔
سیرت المہدی میں مرزا بشیر احمد لکھتا ہے۔
"مجھے ایک دفعہ میری والدہ نے اپنی جوانی کا واقعہ سناتے ہوئے کہا۔

مرزا غلام احمد یہ پنشن وصول کرنے کے لئے گیا۔ اس کے پیچھے مرزا امام دین بھی چلا گیا جب پنشن وصول کر لی تو مرزا امام دین فریب دے کر اور پھسلا کر غلام احمد کو قادیان لانے کی بجائے کہیں باہر لے گیا اور تمام روپیہ ختم کرا دیا اور امام دین اُسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ اس پر غلام احمد کئی دن گھر نہیں آیا۔"
مرزا امام دین نے غلام احمد کے ساتھ جبکہ وہ کئی راتیں باہر اس کے ساتھ رہا اور کیا کیا۔ مرزائی یہ سناتے ہوئے شرماتے ہیں۔
(مصنف)

•

یہ حرام ہے یا حلال | سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۲۲۶ پر لکھا ہے کہ "مرزا غلام احمد کو بچپن میں چڑیا پکڑنے کا شوق تھا۔ چنانچہ چڑیا پکڑ کر چھری یا چاقو کی بجائے سرکنڈے سے بغیر تکبیر کہے جس طرح سکھ جھٹکا کرتے ہیں چڑیوں کا سر کاٹ دیتا تھا۔"

یہ فیصلہ مرزائی کریں کہ مرزا غلام احمد حلال کھاتا تھا کہ حرام (مصنف)

ملازمت جس زمانے میں غلام مرتضےٰ کو سات سو روپیہ پنشن ملتی تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب آٹھ آنے من آٹا اور لکڑیاں عام مل جاتی تھیں، بیس پچیس روپے بھینس کی قیمت تھی۔ دس پندرہ روپے میں گائے، بھیڑ بکری بہت کم داموں میں فروخت ہوتی تھی، ایسے سستے سمے میں سات سو روپیہ ایک خاندان کی کفالت کے لئے کافی تھا مگر جہاں بے نمازوں کا ڈیرہ ہو، حرام و حلال کی تمیز نہ ہو، وہاں برکت کہاں اور پھر جس گھر میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور دجال پرورش پا رہا ہو، وہاں برکت خداوندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

روز و شب کا نظام فطرت اپنے محور کے گرد جس طرح رواں ہے، انسانوں کے مقدر انہیں اطوار سے اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔

قادیان کا رئیس گھرانہ اپنی نحوست اور باطل حرکات کے باعث جب افلاس کی زد میں آیا تو اپنی ہی ریاست میں ملازمت کی تلاش کرنے لگا۔ ان دنوں باپ نے کشمیر میں جاکر ملازمت کر لی اور بیٹا (دجالِ قادیان) مرزا غلام احمد سیالکوٹ چلا آیا اور ضلع کچہری میں پندرہ روپے ماہوار پر اہلمد مقرر ہوا۔ یہاں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے میں اہلمد نہیں بلکہ محرر مقرر ہوا تھا مگر تنخواہ میں کسی کو اختلاف نہیں، ایک مدت اس عہدے پر رہا۔ اس دوران اس کی ملاقات ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر[1] سے ہوئی۔ پھر کیا ہوا؟

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے
تم ہمارے، ہم تمہارے ہو گئے

تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ اس انگریز کی دوررس نگاہوں نے لندن کانفرنس کے فیصلے کے مطابق دو چار ملاقاتوں میں دجالِ قادیان

---

[1] افسوس ڈپٹی کمشنر مذکور کا نام معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی سیرت المہدی کے مصنف نے یہ مناسب سمجھا۔

کو اپنے ڈھب کا آدمی پاکر اُسے اپنی ضرورت کے شیشے میں اتار لیا۔

مدت سے آرزو تھی، کوئی دلربا ملے

اس طرح اس انگریز آفیسر نے اپنی قوم اور حکومت کی بڑی خدمت انجام دی۔ انگریز کی سان پر چڑھ کر دجالِ قادیان نے سیالکوٹ سے نوکری چھوڑ کر عیسائیوں آریہ سماج اور برہمو سماج کے خلاف مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ چونکہ ہندو مسلمانوں نے مشترک لڑی تھی لہٰذا انگریز کو ضرورت تھی کہ ان دو قوموں کے مابین افتراق بڑھے، گو یہ کام پیشتر سے سر سید احمد بہت حد تک کر چکا تھا تاہم اس وقت مرزا غلام احمد کے مضامین بھی فرنگی ضرورت کے معاون ثابت ہوتے۔

قارئین کو فی الحال دجالِ قادیان مرزا غلام احمد کے حالاتِ زندگی یا اس خاندان سے آگاہی حاصل کرانا مقصود نہیں، انشاء اللہ آئندہ سفر میں مصنف قارئین کو دجال کے اندرونِ خانہ لے چلے گا۔ جہاں آپ ابلیس کی محفلِ نشاط کا دلچسپی سے نظارہ کر سکیں گے۔

دامنِ افرنگ نے دجالِ قادیان کے ان مضامین کو اس قدر ہوا دی کہ وہ اقوامِ ہند کے مابین بادِ سموم کا طوفان بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیتے سمے جن دلوں میں انگریز کی نفرت تھی اب وہاں آپس میں نفرت کا زہر پرورش پانے لگا۔

کتب فروشی

شیطان کی انگیخت پر دجالِ قادیان نے ملازمت چھوڑ کر جو دھندا شروع کیا تھا' تھا تو نفع بخش' مگر تہی دامنی نے منزل کے قریب پہنچ کر ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کا ایک ہندو دوست لالہ بھیم سین ان دنوں مختاری کا امتحان دے رہا تھا۔ اِس کے دیکھا دیکھی یہ بھی مختاری کے امتحان میں بیٹھ گیا' مگر ناکام رہا۔

شیطان نے حلوائی کی دکان تو دکھا دی مگر جیب خالی رہنے دی۔ اب

شیطنت کے راستے تلاش کرنا شروع کئے تاکہ کسی طرح دولت فراہم ہو۔ اقوام ہند کے خلاف مضامین لکھنے پر بھی کشکول زر خالی رہا۔ آخر اسے پتہ چلا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی (جو دجالِ قادیان کا ہم سبق رہ چکا تھا) دہلی سے بٹالہ آگیا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی میاں نذیر حسین[1] دہلوی سے حدیث پڑھ کر آیا تھا) دجالِ قادیان فوراً اُسے ملا اور اپنی تہی دامنی کا رونا رویا۔ مولوی محمد حسین نے اسے لاہور چینیاں والی مسجد جہاں کہ وہ ان دنوں خطیب تھا، لے آیا چنانچہ دجالِ قادیان قریباً دو ہفتے چینیاں والی مسجد میں رہا۔ اس دوران ایک نماز جمعہ بھی اس نے یہاں پڑھائی۔

قارئین! یہ بات ذہن میں رہے کہ میاں نذیر حسین چونکہ سر سید احمد خان کے نورتنوں میں شامل تھے اور سر سید احمد خان انگریزوں کے حامی کار تھے۔ اس تعلق کی بنا پر مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذہن بھی انگریز کا ہمنوا تھا لہٰذا دجال قادیان کو مولوی محمد حسین بٹالوی نے اقوام ہند کے مابین افتراق کا درس دیا۔

دجالِ قادیان نے مولوی محمد حسین سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں غیر اسلامی ادیان کے رد میں ایک کتاب لکھوں"۔

محمد حسین بٹالوی: ہاں! یہ تو بڑا مبارک خیال ہے لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب مشکل سے فروخت ہوتی ہے۔

دجالِ قادیان: حصولِ شہرت کون سا مشکل کام ہے، البتہ اصل مشکل یہ کہ تالیف و اشاعت کا کام سرمایہ کا محتاج ہے اور اپنے پاس روپیہ نہیں۔

مولوی محمد حسین: تم کام شروع کرو اور اپنے ارادے کو مشتہر کرو۔ میں بھی مدد کروں گا۔

---

[1] میاں نذیر حسین دہلوی سر سید احمد خان کے حلقہ اثر میں شامل تھے جس کی تفصیل مصنف کی کتاب انگریز کے باغی مسلمان کی پہلی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ زمانہ ہے جب انگریز پادری پنجاب اور خصوصاً لاہور کے بازاروں میں کرسیاں سروں پر اٹھائے اسلام اور مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف سے چیلنج کرتے پھر رہے تھے۔ دوسری طرف آریہ سماج کے رہنما سوامی دیانند سرسوتی کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" کا بھی چرچا تھا جس میں قرآن حکیم پر بے جا تنقید کی گئی تھی۔ اس موقعہ پر محمد حسین بٹالوی کے مشورے اور دجالِ قادیان کی رائے ہم آہنگ ہو کر میدان میں آئیں، چنانچہ دجالِ قادیان کی طرف سے "براہین احمدیہ" نامی کتاب شائع کرنے کا اعلان کیا گیا۔

اس سلسلہ میں جو اشتہار شائع ہوا اس کی عبارت کچھ اس طرح تھی۔

"عیسائی پادریوں اور آریہ سماج کی طرف سے اسلام اور قرآن حکیم پر جو اعتراض کئے گئے ہیں "براہین احمدیہ" میں اس کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ کتاب مذکور چونکہ پانچ حصوں میں شائع کی جا رہی ہے، اس کے لئے دس ہزار روپیہ کی فوری ضرورت ہے، لہٰذا مسلمان بطور پیشگی یہ روپیہ فوراً میرے نام قادیان روانہ کریں۔

خاکسار غلام احمد ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء"

اس کے ساتھ ہی لاہور میں آریوں اور پادریوں کے ساتھ مناظروں کے اکھاڑے جمنے لگے، جیسے جیسے ان اکھاڑوں کی بھیڑ میں اضافہ ہوتا گیا دجالِ قادیان کا بطورِ مبلغِ اسلام چرچا ہونے لگا۔

۱۸۵۷ء کے فرنگی تشدد سے خوفزدہ اور تن آسان مسلمان نے آریہ سماج اور پادریوں کے مقابل دجالِ قادیان کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کی پوری مالی اعانت کی اور "براہین احمدیہ" پر اچھے بھلے لوگ بھی فریب میں آنے لگے اور وقت کے معروف اخبارات نے بھی اس پر تبصرے کئے

اخبار زمیندار ۸ر جون ۱۹۰۸ء	"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ

کی عمر ۲۲-۲۳ سال کی ہوگی اور چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے . . . . . ۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ اُن دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔

اسی طرح مختلف معروف شخصیات نے دجال قادیان کے عیسائیوں اور آریوں کے خلاف محاذ کو پسند کیا۔

علامہ اقبال کے والد منشی محمد اسماعیل سیالکوٹی نے مجھ سے بیان کیا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال، جو سیالکوٹ کے رہنے والے تھے، ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا جن کو عام لوگ "شیخ نتھو" کے نام سے پکارتے تھے۔ شیخ نور محمد صاحب نے غالباً ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور سید حامد شاہ مرحوم کی تحریک پر حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی تھی۔ ان دنوں سر محمد اقبال سکول میں پڑھتے تھے اور اپنے باپ کی بیعت کے بعد وہ بھی اپنے آپ کو احمدیت میں شمار کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود کے معتقد تھے کیونکہ سر اقبال کو بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ اس لئے ان دنوں میں انہوں نے سعد اللہ لدھیانوی کے خلاف حضرت مسیح موعود کی تائید میں ایک نظم بھی لکھی تھی جس کا عنوان تھا" جیسا منہ تھی چپیڑ" اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ:

واہ مولوی دیکھ لی گندہ دہنی آپ کی
خوب ہوگی مہتروں میں قدر دانی آپ کی
گوہر بے "ر" جھڑے ہیں آپ کے منہ سے سبھی
جان سے تنگ آگئی ہے مہترانی آپ کی
آفتاب صدق کی گرمی سے گھبراؤ نہیں
حضرت شیطان کریں گے سائبانی آپ کی

اس ضمن میں "سیرت المہدی" کی جلد سوم صفحہ ۲۵۰، ۲۴۹ پہ ابنِ دجال مرزا بشیر احمد ایم اے ابنِ غلام احمد قادیانی لکھتا ہے۔

کچھ عرصہ ہوا ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے بیان کیا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء میں سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے اور وہاں آپ نے ایک تقریر فرمائی تھی جس میں کثرت کے ساتھ لوگ شامل ہوتے تھے اور ارد گرد کے مکانوں کی چھتوں پہ ہجوم ہو گیا تھا تو اس وقت ڈاکٹر سر محمد اقبال بھی وہاں موجود تھے اور کہہ رہے تھے کہ دیکھو شمع پر کس طرح پروانے گر رہے ہیں۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے۔ تقریروں اور اشتہارات کے ذریعے دجالِ قادیان کا جال پھیلتا چلا گیا۔ خاص کر اپنی کتاب (براہین احمدیہ) کا خاصہ پروپیگنڈا کیا گیا۔ اسلام کی تبلیغ کے بہلانے مسلمانوں نے کتاب ہذا کے لئے دل کھول کر چندہ دیا۔

دولت کی حرص آدمی کو مقصدِ حیات اور ایمان سے خالی کر دیتی ہے۔ دجالِ قادیان نے حصولِ زر کے لئے مذہب کو عنوان بنا کر ڈرامہ کھیلا۔ ابلیس نے اس کا پورا ساتھ دیا۔

"براہین احمدیہ" کی قیمت پانچ روپے تھی لیکن خریداروں کا ہجوم دیکھ کر ۱۷ دسمبر ۱۸۷۹ء کو اس کی قیمت دس روپے کر دی اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ جن حضرات کی رقم پانچ روپے کے حساب سے آچکی ہے وہ مزید رقم بھیج دیں۔ غیر مسلموں کے لئے کتاب ہذا کی قیمت پچیس روپے وصول کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ ریاستوں کے نواب، رئوسا اور امراء سے عطیات کے نام پر الگ مال اکٹھا کیا گیا اس طرح جب ہزاروں روپے جمع ہو گئے تو دجالِ قادیان نے اعلان کر دیا کہ

الہامات الہیہ کی بنا پر کتاب براہین احمدیہ کا وعدہ پورا نہیں کیا جا

سکتا۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۸۶ء کو اپنی نئی کتاب شائع کرنے کا اعلان کر دیا۔
اس طرح تماشہ ختم اور پیسہ ہضم

نیا فریب اس عرصہ میں پنجاب کا اکثر مسلمان عوام علماء سمیت تبلیغ اسلام کے نام پر دجال کے فریب میں آچکا تھا "براہن احمدیہ" کی مندرجہ ذیل عبارت نے انہیں خاصہ متاثر کیا۔

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لاویں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔"

(براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۴۹۸)

جھوٹے کی سب سے بڑی علامت ہے کہ وہ اپنی بات کا آپ ہی انکار کر دیتا ہے جیسے کہ ابھی دجالِ قادیان نے قرآن حکیم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر ہونے اور دوبارہ تشریف لانے کا تحریری اقرار کیا ہے۔ ابھی اس عبارت کی سیاہی میں نمی ہو گی کہ ۱۸۹۰ء میں اپنے لکھے پر سیاہی پھیرتے ہوتے رسالہ "فتح اسلام" "توضیح مرام" اور ازالہ اوہام" شائع کئے جن میں اس خیال کی تبدیلیوں کی کہ مسیح موعود جن کی بابت براہین احمدیہ کی مذکورہ عبارت میں لکھا تھا کہ اطراف واقطاع دنیا میں اسلام پھیلادیں گے' ان کے منصب کا دعویٰ خود اختیار کر لیا یعنی کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے وہ تو نہیں آویں گے۔ بلکہ ان جیسا کوئی آدے گا اور وہ میں ہوں۔ اس کا ذکر اور ثبوت ان تینوں رسالوں میں دینے کی کوشش کی ہے "چنانچہ "ازالہ اوہام" میں بہت لمبی تقریر کے بعد دجال قادیان نے لکھا:

سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابنِ مریم یہی ہے جس نے عیسیٰ ابن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہراتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا اور اس اپنے بندہ کا نام ابن مریم رکھا کیونکہ اس نے مخلوق میں اپنی روحانی والدہ کا نہ تو منہ دیکھا جس کے ذریعہ سے اس نے قالب اسلام کا پایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو بغیر انسانوں کے ذریعہ کے حاصل ہوتی تب وہ وجود روحانی پاکر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ماسوا سے اس کو موت دے کر اپنی طرف اُٹھالیا اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دنیا میں تحفہ لایا اور زمین جو سنسان پڑی تھی اور تاریک تھی اس کے روشن اور آباد کرنے کے فکر میں لگ گیا پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر یہ ابنِ مریم نہیں تو کون ہے؟" (ازالہ اوہام ص۶۵۹)

دعویٰ نبوت
دجال اپنے اصل روپ میں

دجالِ قادیان کی گذشتہ نجی اور خانگی زندگی جس میں بدمعاشی، فریب، دجل کے سوا کچھ نہیں تھا بلا شبہ ان اطوار سے دجال نے خوب اہمیت حاصل کی۔ روپیہ اکٹھا کیا لیکن تابکہ۔ آخر سو دن چور کا، ایک دن سادھ کا۔
مبلغ اسلام، پھر تاجر کتب، پھر مجدد، پھر عیسیٰ مسیح۔

۱؎ اس کی مکمل اور ننگی تصویر آئندہ صفحات میں دیکھیں۔

مسیلمہ کذاب نے جب منصب نبوۃ پر حملہ کیا تو براہِ راست کیا۔ راستہ میں کوئی سوانگ نہیں بھرا جب کہ دجالِ قادیان مسیلمہ کذاب سے کہیں زیادہ بزدل اور گھٹیا ثابت ہوا کہ یہ کئی موڑ کاٹ کر مسیلمہ کذاب کے برابر پہنچا۔

بہرحال مسیح ہونے تک تو علمائے دین نے اس کا منہ دیکھا گو لفافے کے اندر کا مضمون وہ بھانپ گئے تھے، عوام کے دلوں میں بھی وسوسے ابھرنے لگے اور چور کی چوری کھٹکنے لگی تھی کہ اس کے یہ تمام بہروپ محض ہوسِ زر کے لئے تھے۔ مگر وہ اس گرہ کٹ کے مزید عریاں ہونے تک خاموش رہے۔

علمائے لدھیانہ کی ضرب کاری

جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ آبادی کا رُخ کرتا ہے ۔۔ دجالِ قادیان کی تصنیف (براہین احمدیہ) ایک مدت زیرِ مطالعہ رہی جس سے مصنف کے خلاف عوام کی آنکھیں سُرخ ہوئیں، دلوں میں غصّے کے طوفان اٹھے۔ اسلام کے بنیادی اور اخلاقی اصولوں سے دجالِ قادیاں کی بغاوت دیکھتے ہوئے بھی کسی قلم کار کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ سر اٹھا کر اس کے سامنے آسکے۔ یہ مصلحت تھی، حکومت کا دباؤ تھا یا ایمان کی کمزوری کہ ایک آدمی پنجاب بھر میں کاروباری اصولوں پر صاف اور پاکیزہ مذہب کا حلیہ بگاڑ رہا ہے جوہڑ کے گندے پانی پر زمزم کا لیبل چسپاں کر رہا ہے، اس کی جسارت دیکھئے کہ یہی ناپاک ارادہ لے کر یہ لدھیانہ پہنچ گیا، یہ ۱۸۸۴ء کا سال ہے۔

لدھیانہ کی خاک میں ہنوز اُس آگ کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں، جنہوں نے ۱۸۵۷ء کو فرنگی وقار کے جلتے محل کو راکھ کرنے میں مجاہدینِ حریت کی امداد کی تھی۔[1]

حضرت مولانا محمد (رحمۃ اللہ علیہ) لدھیانوی انہیں بہادر لوگوں کی اولاد تھے جنہوں نے سب سے پہلے دجالِ قادیان کے دجل کی چادر اُتاری

---

[1] اِن شہدائے حریت کی آخری آرامگاہیں دہلی کی فتح پوری مسجد کے صحن میں موجود ہیں۔

دجالِ قادیان جیسے ہی لدھیانہ آیا اس کے چند گماشتوں نے اس کا چرچہ شروع کر دیا کہ یہاں وقت کا مجدّد آیا ہے جو شخص اس پر ایمان لے آتے گا وہ اوّل مسلمان ہوگا۔ اس دعویٰ پر علمائے لدھیانہ نے اس کا لٹریچر دیکھنا شروع کیا، خصوصاً "براہینِ احمدیہ" کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس کتاب میں کفر کا انبار پایا گیا ہے اس پر علمائے لدھیانہ نے متفقہ فتویٰ دیا کہ

" مرزا غلام احمد (دجال قادیان) مجدّد نہیں بلکہ ملحد، زندیق اور مرتد ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔

اس فتویٰ کو فوری طور پر شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کیا گیا۔ اس فتویٰ کی نقل علمائے مجاز کو بھیجی گئی، انہوں نے بھی اس کی تائید کی۔

سانپ جس قدر زہریلا ہوگا اپنے دشمن پر اسی تیزی سے حملہ آور ہوگا۔ اسلام کا یہ مارِ آستین علمائے دین لدھیانہ کی مار کھا کر اس قدر تڑپا کہ اگر سپیرے کمزور ہوتے تو اس کے ناپاک خون کی چھینٹیں سارے لدھیانہ کو ناپاک کر دیتیں۔

اس فتویٰ پر کافی ہنگامہ ہوا۔ غیر مقلد حضرات خاص کر مولوی محمد حسین بٹالوی نے علمائے لدھیانہ کے خلاف دجال قادیان کی بڑی حمایت کی، لیکن یہ مختصر گروہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ سیلاب میں دریا کے بند خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔

علمائے لدھیانہ کا فیصلہ دجال قادیان پر ایک بوجھل پتھر کی طرح گرا کہ اس کے دماغ کی چولیں ہل گئیں۔

مسلمان عوام تذبذب میں پڑ گئے، علمائے دین کی سوچ نئے نئے زاویوں سے کفر کی اس ابھرتی ہوئی تحریک پر فکر کرنے لگی، اس کے نتیجے میں دجالِ قادیان پر اعتراضات کی وہ بوچھاڑ ہوئی کہ اس کے اپنے گماشتے رسیاں توڑنے لگے، اس موقعہ پر ابلیس نے اپنے جانشین کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا کہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ جھوٹ کو اپنے نزدیک سچائی سمجھنے لگا، یعنی ۵۔ نومبر

۱۹۰۱ء کو دجال قادیان نے ایک اشتہار شائع کیا عنوان تھا

"ایک غلطی کا ازالہ"

ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعویٰ اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں، جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ ہی وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنی معلومات کی تکمیل کر سکے۔ وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے باوجود اہلِ حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانا پڑتی ہے، چنانچہ چند روز ہوئے کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ میں دیا گیا، حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں بلکہ اس وقت تو پہلے زمانہ کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں اور براہین احمدیہ میں بھی جس کو طبع ہوتے بائیس برس ہوتے یہ الفاظ کچھ تھوڑے نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ مکالمات الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک وحی اللہ ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (دیکھو صفحہ ۴۹۸ براہین احمدیہ) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد اسی کتاب میں مری نسبت

یہ وحی اللہ ہے جری اللہ فی حلل الانبیاء یعنی خدا کا رسول نبیوں کے حلوں میں دیکھو براہین صفحہ ۵۰۴۔ پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم اس وحی الٰہی میں میرا نام محمدؐ رکھا گیا اور رسول بھی۔ پھر یہ وحی اللہ ہے جو صفحہ ۵۵۷ براہین میں درج ہے "دنیا میں ایک نذیر آیا اس کی دوسری قرآت یہ ہے کہ دُنیا میں ایک نبی آیا اسی طرح براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا، سو اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین ہیں۔ پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح آسکتا ہے، اس کا جواب یہی ہے کہ بے شک اس طرح سے تو کوئی نبی نیا ہو یا پُرانا نہیں آسکتا جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری زمانے میں اتارتے ہیں اور پھر اس حالت میں ان کو نبی بھی مانتے ہیں بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوت کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرتؐ سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بے شک ایسا عقیدہ تو معصیت ہے اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل شہادت ہے لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت

کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی
کی کھلی ہے یعنی فنافی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا
کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے
جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ
نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے
لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اس کے جلال کیلئے اس لئے اس کا نام آسمان
پر محمدؐ اور احمدؐ ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمدؐ کو ہی
ملی گو بروزی طور پر مگر کسی اور کو، پس یہ آیت کہ ما کان
محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اس
اس کے معنی یہ ہیں کہ، لیس محمد ابا احد من رجالکم و لکن
رسول اللہ و خاتم النبیین ولا سبیل الیٰ فیوض اللہ من
غیر توسطہ غرض میری نبوت اور رسالت اعتبار محمد اور احمد ہونے
کے ہے نہ میرے نفس کے روح سے۔ اور یہ نام بحیثیت
فنا فی الرسول مجھے ملا۔ لہٰذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہ
آیا لیکن عیسیٰ کے اترنے سے ضرور فرق آئے گا + + +
اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں
سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں
مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدیٰ سے باطنی فیوض حاصل
کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا
کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید
شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔
بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو
اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں

کرتا × × اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ مَیں ظلی طور پر محمدؐ ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مُہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمدؐ تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہرحال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا، نہ اور کوئی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدیؐ معہ نبوت محمدیہؐ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا × × غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مُہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے، اب ممکن نہیں کہ کبھی مُہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجاویں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا، جیسا کہ اللہ تعم فرماتا ہے، واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت ہوتی ہے پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں

میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس رہی (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔

(خاکسار مرزا غلام احمد از قادیاں۔ ۵ر نومبر ۱۹۰۱ء

سوچ و فکر کی پرورش میں قلب و نظر ہمیشہ انسان کے معاون ہوتے ہیں، شرط یہ ہے کہ ان پر غیر کی غلامی کی مہر نہ ہو۔ اوّل جنگِ حرّیت میں شکست کے بعد انگریز کے تشدد نے مسلمان سے خصوصاً مذہبی حمیت، تہذیب و تمدن ایسی ہر چیز چھین لی گئی، یہی اثاثہ حیات ہے، جو قوموں کو زندہ رکھتا ہے، غیرت بھی انہیں ذرائع سے باقی رہتی ہے۔

جس مذہب کی نفعہ میں انسان کو انسان کا غلام رکھنے کا تصوّر تک نہیں تھا، تہذیب یورپ نے اس مذہب کے لوگوں کو اِس بُری طرح غلام بنایا کہ زنجیر کی ہر کڑی مذہب بن کر رہ گئی۔ مآل کار برصغیر کا مسلمان اپنے مردہ ضمیر کی بیساکھیوں کا سہارا تلاش کرنے لگا۔

فاتح نے مفتوح کو اس کی ہر چیز سے بیگانہ کر دیا۔

ذوقِ یقین ہی زندگی کا احساس ہے، لیکن غلام کا ذوق اپنی غلامی کے سانچے آپ ڈھال لیتا ہے۔ یہیں سے یقین اپنا مقام چھوڑ جاتا ہے۔ جب یقین پختہ نہ ہو تو ذوق بھی خام ہو جاتا ہے۔

اس عرصہ میں انگریز برصغیر پہ پوری طرح قابض ہو چکا تھا۔ دنیاوی رسم و رواج سے اقوام ہند کے مذاہب تک تہذیب یورپ کی چھاپ لگ چکی تھی۔ داعیانِ مذاہب انسانیت کے اصول چھوڑ کر مذاہب کے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ مسجد سے ملّاں اور مندر سے برہمن کلیسا کی سیڑھیوں پہ اپنے کو سستے داموں فروخت کرنے لگے۔ غیر ملکی سوداگر اس بازار کا سب سے بڑا

خریدار تھا۔

یہ دور تھا جب پنجاب کا مسلمان دو حصوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ سرکاری خطاب یافتہ مسلمان انگریز کا پنجۂ شمشیر زن بن کر غیرت انسانی کو سرِ عام نیلام کر رہا تھا۔ دوسری طرف کا مسلمان، مسلمان ہونے کے باوجود سُنی، شیعہ اور وہابیت کی الگ الگ اسٹیجوں پر اسلام کے حصے بکھرے کر رہا تھا۔ نام نہاد علماء اسٹیجوں کے اداکار کی حیثیت سے سامنے آئے اور لگے اپنے جیب و داماں کو بوجھل کرنے، اسی دور کے ایک معروف واعظ کا یہ قول بڑا مشہور ہوا۔

. . . . . دین پیپیاں دا۔ نہ پُتراں دا نہ دھییاں دا !

نہ سُنیاں دا، نہ شیعیاں دا، اسے ہے روپیاں ویہیاں دا

یعنی میری فیس صرف بیس روپے ہے، چاہے سُنی میری وعظ کرالیں چاہے شیعہ اور چاہے وہابی۔

اُن دنوں کے بیس روپے آج کے ہزار روپے کے برابر تھے جب کہ آج کا واعظ بہت مہنگا ہے، اس قسم کے سستے واعظوں کے ہجوم نے اسلام کی مذہبی برابری کو بُری طرح گدلا کیا۔ اہلسنت، اہلحدیث سے دست و گریبان تھے۔ اہل تشیع دونوں کو چیلنج کر رہے تھے۔ آپس کی اس ہاتھا پائی میں عیسیٰ مسیح کی بھیڑیں (پادری) اپنا چارہ تلاش کر رہی تھیں۔

جب کسان اپنے کھیت کی حفاظت کی بجائے باہم لٹھم لٹھ ہوں پھر سوّروں کے ریوڑھ کھیت کو ویران کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے اس ٹکراؤ سے فائدہ اٹھا کر دجال قادیان کی امت (مرزائی) بھی اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے اس بھیڑ میں شریک ہو گئی۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا جیسے ایک حکایت ہے۔

"چار گھوڑ سوار کہیں جا رہے تھے کہ ایک راہگیر نے پوچھا۔ آپ کہاں جا رہے ہیں" برابر سے ایک گدھے پر سوار جھٹ سے بولا۔ ہم پانچوں

سوار دہلی جارہے ہیں "

گویا گدھا بھی گھوڑوں میں شمار ہونے لگا۔

ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ

"موسم گرما میں گھر کے لوگ صحن میں بیٹھے کسی بات پر جھگڑ رہے تھے۔
کہ چوروں کو کسی طرح اس جھگڑے کا پتہ چل گیا انہوں نے لڑائی سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر کی پچھلی دیوار میں نقب لگا کر تمام مال واسباب
لوٹ لیا "

اسی طرح علمائے دین کے محض فروعی اختلاف کے جھگڑوں سے دجال قادیان کی امت کو حوصلہ ہوا کہ وہ اپنے کو پانچوں سواروں میں شامل کرے علما کی لڑائی میں مرزائی نقب زن اس انداز سے اسلام کے صحن میں آئے کہ اہل خانہ کو چوروں کا پتہ نہ چل سکا۔ اپنوں سے جھگڑنے کی عادت نے پراؤں سے لڑائی کا بھی وہی طریق اختیار کیا، جو رواج پا چکا تھا۔ یہی موڑ ہے جب مسلمان عوام سُنی، وہابی اور شیعوں کی طرح مرزائیوں کو بھی اسلام کا ایک فرقہ سمجھنے لگے حالانکہ جب دجال قادیان نے کھُلم کھُلا اعلان کر دیا کہ،

"خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے
لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ"

اس واضح کفریہ اور دجالانہ اعلان کے بعد دجالی کے پیراؤں کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہ رہا، جیسے مسیلمہ کذاب کو نبی یا رسول ماننے والے اسلام سے لاتعلق ہو گئے تھے اسی طرح دجالِ قادیان مرزا غلام احمد کے مدعی نبوت ہونے کے بعد اس کے مرید بھی مسلمان نہیں رہے کیونکہ پیغمبر کے وجود سے اُمت کا وجود قائم ہوتا ہے اگر اس میں بنیادی تبدیلی آجاتے تو یہ عمارت قائم نہیں رہتی۔

اسلام کا یہ بنیادی مسئلہ تھا جسے علمائے دین باحسن طریق سمجھ سکتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا۔ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي

خاتم الانبیاؔ (صلعم) کی اس تائید میں خالقِ کائنات نے فرمایا۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(ارشاد باری تعالیٰ)

اس شرعی حجت کے بعد علماؔ کا یہ حق تھا کہ اول تو دجالِ قادیان اسی سلوک کا حقدار تھاؔ جو سلوک حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب سے کیا تھا اگر اس کی ہمت نہیں تھی تو وہ باطل نبوت کے دعویدار سے اُسی طرح کی نفرت کا اظہار کرتے جس طرح خاتم الانبیاؔ (صلعم) نے اپنی حیاتِ طیبّہ میں اسود عنسی یا مسیلمہ کذاب سے کیا تھا لیکن اُلٹا یہ دجال قادیان سے اس کے نبی یا رسول ہونے کی دلیلیں مانگنے لگے۔

حالانکہ امام ابو حنیفہؒ نے صاف طور پر کہا کہ

"کسی مدعی نبوت سے اس کے سچا ہونے کی دلیل مانگنا بھی عقیدۂ ختم نبوت سے انکار کے مترادف ہے۔"

مرتد اور اس کی سزا

دجال قادیان مرزا غلام احمد مدعی نبوت ہونے باعثِ شرعی اعتبار سے مرتد ہو چکا تھاؔ لہٰذا شریعت نے مرتد کی کیا سزا مقرر کی؟ اس پر حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "الشہاب" میں لکھتے ہیں

مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ

یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جو مرتد کے قتل پر دلالۃ کرتی ہیں لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے بحکم خدا قتل کئے جانے کا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خُدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تاویل کی ذرا گنجائش نہیں۔ نہ وہاں محاربہ ہے۔ نہ قطع طریق، نہ کوئی دوسرا جرم۔ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے اُن کے بیدریغ قتل کا حکم دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو جب خدا نے فرعون

کی غلامی سے نجات دی اور فرعونیوں کی دولت کا مالک بنا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ٹھہرے ہوتے وعدہ کے موافق حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ بنا کر کوہ طور پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے چالیس راتیں خدا کی عبادت اور لذت مناجات میں گذاریں اور تورات شریف آپ کو عطا کی گئی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور اُدھر سامری کی فتنہ پردازی نے بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کو آپ کے پیچھے راہ حق سے ہٹا دیا واضلھم السامری یعنی سو نے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر کھڑا کر دیا جس میں سے کچھ بے معنی آواز بھی آتی تھی۔ بنی اسرائیل جو کتنی صدی تک مصری بُت پرستوں کی صحبت بلکہ غلامی میں رہے تھے اور جنہوں نے عبور بحر کے بعد بھی ایک بُت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بیہودہ درخواست کی تھی کہ :۔

اجعل لنا الٰھا کما لھم الٰھۃ، ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسے اُن کے معبود ہیں وہ سامری کے اس بچھڑے پر مفتون ہو گئے اور یہاں تک کہہ گذرے کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے جس کی تلاش میں موسیٰ بھول کر اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا اور اس کفر و ارتداد سے باز آجانے کی ہدایت کی :۔

یا قوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری ۔
اے لوگو! تم اس بچھڑے کے سبب فتنہ میں ڈال دیئے گئے ہو۔
حالانکہ تمہارا پروردگار (تنہا) رحمان ہے تو تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔

لیکن وہ اپنی اُسی سخت مرتدانہ حرکت پر جمے رہے۔ بجائے توبہ کے یہ کہا کہ
لن نبرح علیہ عاکفین حتی یرجع الینا موسیٰ، ہم برابر اپنے اس فعل پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف واپس آئیں۔

اُدھر حضرت موسیٰؑ کو پروردگار نے اطلاع کی کہ تیری قوم تیرے پیچھے فتنہ (ارتداد) میں پڑ گئی۔ وہ غصہ اور غم میں بھرے ہوئے آئے اپنی قوم کو سخت سُست کہا حضرت ہارون سے بھی باز پرس کی۔ سامری کو بڑے زور سے ڈانٹا اور اُن کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر راکھ کر دیا اور دریا میں پھینک دیا۔ یہ سب ہوا لیکن اُن مرتدین کی نسبت خدا کا کیا فیصلہ رہا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی تو دُنیا میں تو اُن کے لئے خدا کا فیصلہ یہ تھا :-

ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضبٌ من ربھم وذلة فی الحیٰوة الدُّنیا۔ وکذالک نجزی المفترین۔

جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ضرور اُن کو دُنیا میں ذلت اور خدُا کا غضب پہنچ کر رہے گا اور مفترین کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

اور اس غضب و ذلت کے اظہار کی صورت عُباد عجل کے حق میں یہ تجویز ہوئی جو سورہ بقرہ میں ہے۔

انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم

اے قوم بنی اسرائیل تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اب خدا کی طرف رجوع کرو پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو۔

اور فاقتلوا انفسکم میں انفسکم کے معنی وہ ہی ہیں جو ثم انتم ھٰؤلآ تقتلون انفسکم میں ہیں اور قتل کو اپنے اصلی اور حقیقی معنے سے (جو ہر طرح کے قتل کو خواہ لوہے سے ہو یا پتھر سے شامل ہے) پھیرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں بلکہ غضب اور ذلة فی الحیٰوة الدنیا کا لفظ اس کے نہایت ہی مناسب ہے اور یہی غضب کا لفظ دوسری جگہ عام مرتدین کے حق میں بھی آیا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں من کفر باللہ من بعد ایمانہٖ الامن اکرہ وقلبہٗ مطمئنٌّ بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرًا فعلیھم غضبٌ من اللہ ولھم عذابٌ عظیمٌ (نحل)

اس حکم کا نتیجہ جیسا کہ روایات میں ہے یہ ہوا کہ کئی ہزار آدمی جرم ارتداد میں

خدا کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے قتل کیے گئے اور صورت یہ ہوئی کہ قوم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا اُن میں سے ہر ایک نے اپنے اس عزیز و اقارب کو جس نے گوسالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے، قاتلین کا اپنے عزیزوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا، یہ اس کی سزا تھی کہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ارتداد سے روکنے میں کیوں تساہل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

خصوصاً جب کہ دوسری آیات کی معیت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام و تام فیصلہ بھی لتبین للناس ما نزل الیہم کے تحت میں داخل ہے) یہ ہی ہو کہ

من بدّل دینہٗ فاقتلوہ (صحیح بخاری) / جو اپنا دین بدلے اُسے قتل کردو۔

●

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا فیصلہ

عن عکرمۃ قال اُتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذٰلک ابن عباس فقال لو کنت انا لم اُحرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ (صحیح بخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس چند زنادقہ لائے گئے انہوں نے ان کو جلا دیا۔ یہ خبر ابن عباس کو پہنچی، انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو جلاتا نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنا دین تبدیل کرے اُسے قتل کردو۔

قتل مرتد کا فیصلہ اجماع ائمہ الاسلام سے

قرآن وسنت کے بعد تمام ائمہ اسلام کا متفقہ فیصلہ بھی قتل مرتد کے متعلق سن لیجئے

امام عبدالوہاب شعرانی میزان کبرائے میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقد اتفق الائمۃ علی ان من ارتد عن الاسلام وجب قتلہ وعلی ان قتل الزندیق واجب وھو الذی یسر الکفر و یتظاھر بالاسلام (میزان ص۱۴۵ ج۲)

اور تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے یا زندیق ہو اس کا قتل ہو، اس کا قتل واجب ہے اور زندیق وہ ہے جو اندرونی کفر کے باوجود اسلام سے مظاہرہ کرتا ہے۔

اس عبارت کو پڑھ کر یہ آیت بھی تلاوت فرمائیے :۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدٰی و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جہنم وسآءت مصیراً ہ

اور جس کسی نے رسول کی مخالفت کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور مومنین کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلا تو ہم اس کو حوالے کریں گے اس چیز سے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور داخل کریں گے دوزخ میں اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

●

مہاجر بن ابی امیہ کے سامنے مختلف اوقات میں دو ڈومنیاں لائی گئیں۔ ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی میں شعر گائے تھے، دوسری نے مسلمانوں کی مذمت میں۔ مہاجرؓ نے پہلی کا ہاتھ کٹوا دیا اور سامنے کے دانت اکھڑوا دیئے۔ ابوبکرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے یہ مراسلہ بھیجا۔

مجھے اس سزا کا علم ہوا جو تم نے رسول اللہ کی برائی میں شعر گانے والی

عورت کو دی ہے اگر تم یہ سزا نہ دے چکے ہوتے تو میں یقیناً تمہیں اس کے قتل کا حکم دیتا۔ انبیاؑ کے خلاف جُرم کی سزا عام لوگوں کے خلاف جرم کی سزا کے برابر نہیں، اگر کوئی مسلمان نبی کی توہین و تنقیص کرے گا تو اس کو مرتد کی سزا دی جائے گی اور اگر کوئی معاہد ایسا کرے تو اس کے معنی ہوں گے کہ اس نے عہد توڑ دیا اور مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

سیف بن عمر طبری ۳/ ۲۷۷

نابینا صحابی کا واقعہ

نابینا صحابی نے اپنی لونڈی کو چھُرا گھونپ کر ہلاک کر دیا اس کا جُرم یہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتی تھی۔ حضور کو خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا۔ سب گواہ رہو۔۔ ام ولد کا خون رائیگاں ہے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(کتاب الحدود) ۔ ابو داؤد

ان سب کے باوجود محراب و منبر کے وارثوں نے اسلام کے اس اہم اور بنیادی مسئلہ کو کاروباری نہج پر ملک بھر میں مسائل کی لڑائی شروع کر دی، شہروں، دیہاتوں اور قصبوں میں دجالِ قادیان سے مناظروں اور مباہلوں کے عوامی اجتماعات میں دجالِ قادیان کو چیلنج کرنے لگے کہ تم کس طرح نبی یا رسول ہو؟

یہ بحث دلوں اور دماغوں میں گشت کر رہی تھی کہ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو دجالِ قادیان (مرزا غلام احمد) لاہور میں ہیضہ کی بیماری سے داصل جہنم ہوا۔
خس کم جہاں پاک

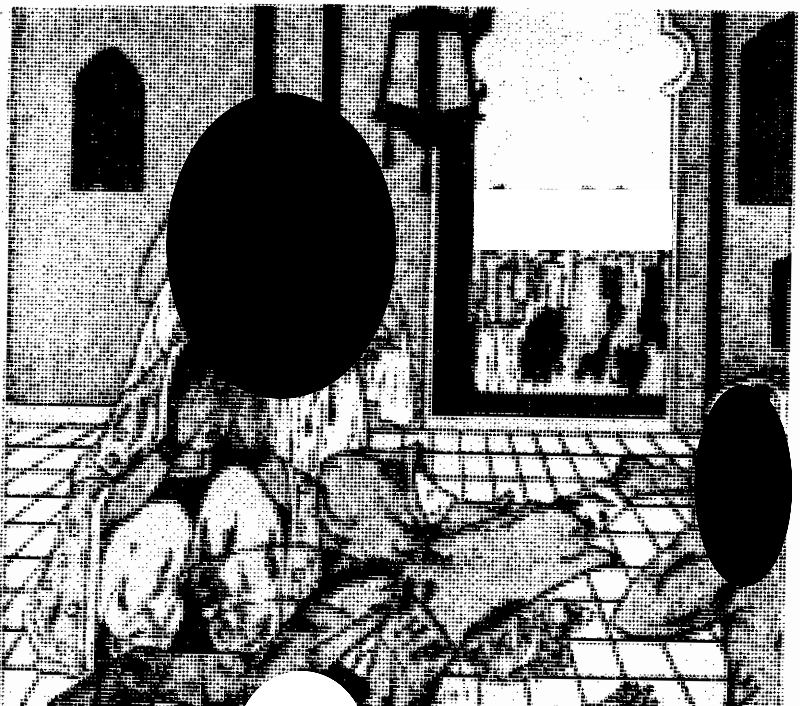

دجالِ قادیان (مرزا غلام احمد) کی موت کا منظر

غلاموں کے نزدیک حاکمانِ وقت کا منشا ہی سارا کچھ ہوتا ہے۔ وہ کانٹوں کو پھول کہیں، یا ملمع کو سونا ثابت کرنا چاہیں تو غلام کی مجال نہیں کہ انہیں جھٹلا سکے۔

انسان کا سب سے بڑا زیور اس کی غیرت ہے اگر یہ نہیں تو مذہب کی چاردیواری بھی اسے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔

غلامی کی زنجیریں جس قدر تیزی سے مضبوط ہوتی گئیں، برصغیر کے مسلمان کی چادرِ حمیت اُسی تیزی سے تار تار ہوتی گئی۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ حُریت میں علمأ نے جس عظیم کردار کا مظاہرہ کیا تھا انگریز نے اپنی حکمتِ عملی اور سیاسی عیاری سے تاریخ کا یہ ورق اس طرح غائب کیا کہ مؤرخ کو بھی جرأت نہ ہوسکی کہ تاریخ کے اس خلأ کو پُر کرے۔

دیکھنے میں یہ ہاتھ غیر کے نہیں تھے لیکن ان کی حرکات پر غیر کا قبضہ تھا۔ اچھی بھلی تصویر کا رنگ در دغن خراب کر دیا' اس کی تمام تر ذمہ داری جن لوگوں پر تھی اُن میں دجالِ قادیان بھی شامل ہے' جس نے اسلام کے اہم رکن جہاد کی نفی کر کے ایک طرف انگریز کی وفاداری کا دم بھرا تو دوسری طرف مسلمان کے ہاتھ سے باطل کے مقابلے میں تلوار چھین کر اسے بے دست و پا اور تن آسان بنا دیا۔

میدانِ کارزار تو الگ رہا' تن آسان اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ غیر ملکی حکمرانوں کو ایسے ہی مسلمان کی ضرورت تھی۔

دجال کا خلیفہ

دجالِ قادیان کی موت کے بعد ایمان مطمئن تھا کہ ابلیس کا تخت خالی ہو گیا' اب اسلام کے اُفق پر سچائی کے سُورج کے طلوع ہونے میں ابلیسی بادل کا کوئی ٹکڑا رکاوٹ نہیں بنے گا لیکن نہیں۔

۔ ۔ ۔ ۔ کی کمی نہیں غالب
ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں'

یہ شعر غالب کا ہو یا نہ لیکن حقیقت یہی ہے کہ فرنگی استعمار کو ضرورت تھی کہ تخت ابلیس خالی نہ رہے' چنانچہ غلام احمد کی موت کے بعد اس تخت پر بھیرہ (ضلع سرگودھا) کے ایک حجام حکیم نورالدین کو بٹھا دیا گیا' مگر ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو گھوڑے سے گر کر اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور یہ جہنم داصل ہوا۔

مردی قوت اس کا معروف نسخہ تھا۔ یہ فارسی زبان جانتا تھا۔ اس وقت کی اردو' جو اب متروک ہو چکی ہے' اکا بھی ماہر تھا۔ بنابریں یہ حقیقت ہے کہ دجالِ قادیان کی جھوٹی نبوت کے اشتہارات اور کتابیں بڑی حد تک اسی کے قلم کا نتیجہ ہیں۔

حکیم نورالدین

تخت سنبھالتے ہی جانشین دجال نے اپنے استاد کے کان کترنے شروع کر دیئے شیطنیت کے ایسے طریقے ایجاد کئے کہ ابلیس ششدر رہ گیا۔ اس کے بعد دجالِ قادیان کا بیٹا بشیر الدین محمود باپ کی گدی پر بیٹھا۔

مناظروں اور مباحثوں میں مزید تیزی آگئی۔ دین سے عدم واقفیت کی بناپر اجماعِ امت مرزائیوں کے باہم مذہبی مباحثوں سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی بجائے حق اور باطل کے دوراہے پر آن کھڑا ہوا۔ انگریز جو نزدیک سے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا اس ڈور کو مزید مانجھا لگاتے ہوئے دجالیت کی نشر و اشاعت میں اخبارات و رسائل کو کھلی چھٹی دے دی، چنانچہ ان دنوں دجالیت کے مرکز سے حسب ذیل اخبارات اور رسائل جاری ہوئے۔

الفضل، اخبار فاروق، نور، الحکم، زنانہ اخبار مصباح، انگریزی اخبار "سن رائز" اور رسالہ ریویو آف ریلیجز اور اردو انگریزی میں شائع ہونے لگے۔

اس طرح حلقۂ دجالیت میں آنے والوں کو سرکاری نوکریاں بھی ملنے لگیں۔

قادیانی جنت کی حوریں اپنی عصمتوں کا سودا ایمان کے بھاؤ چکانے لگیں۔

دجالِ قادیان کا دوسرا جانشین بشیر الدین محمود

گندہ اور ناپاک خون ماں کی کوکھ بھی خراب کر دیتا ہے۔

دجال کا دوسرا جانشین اس کا بیٹا بشیر الدین محمود تھا۔ بیٹے کو سمجھنے سے پہلے باپ کا چلن اور کردار جاننا ضروری ہے، کیونکہ پھل اپنے درخت سے پہچانا جاتا ہے۔

ڈاکٹر شاہنواز مرزائی کا بیان

جس خاندان کو ابتدا سے (مراق) ہو چکی ہو تو پھر اگلی نسل میں بے شک یہ مرض منتقل ہوتی ہے چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے۔

رسالہ ریویو آف ریلیجس جلد پچیس ۸ اگست ۱۹۲۶ء

حضرت مسیح الموعود علیہ السلام ولی اللہ تھے اور ولی اللہ کبھی کبھار زنا کر لیتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب (مرزا غلام احمد) ولی اللہ تھے۔ انہوں نے کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ہمیں اعتراض تو موجودہ خلیفہ پر ہے کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے۔

اخبار الفضل ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء

حکیم نوردین کا بیان

میں نے ایک دن حضرت مسیح الموعود علیہ السلام سے کہا کہ حضور کو مراق ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک رنگ میں سب نبیوں کو مراق ہوتا ہے اور مجھ کو بھی۔ یہ طبیعتوں کی مناسبت ہے۔

سیرت المہدی حصہ سوم ص ۳۰

میں نے (بشیر الدین محمود) رؤیا دیکھا کہ:۔

" ایک بڑا ہجوم ہے۔ میں اس میں بیٹھا ہوں اور ایک دو غیر احمدی میرے پاس بیٹھے ہیں، ان میں سے ایک شخص، جو سامنے کی طرف بیٹھا تھا اس نے آہستہ آہستہ میرا آزار بند پکڑ کر گرہ

کھولنی چاہی۔ میں نے سمجھا تھا کہ اس کا ہاتھ اتفاقاً لگا ہے اور میں نے آزار بند پکڑ کر اپنی جگہ پر اٹکا لیا۔ پھر دوبارہ اس نے ایسی ہی حرکت کی اور میں نے پھر یہی سمجھا کہ اتفاقیہ ایسا ہوا۔ تیسری دفعہ پھر اس نے ایسا ہی کیا تب مجھے اس کی بدنیتی پر شبہ ہوا اور میں نے روکا نہیں جب تک کہ میں نے دیکھ نہ لیا کہ وہ بُرا ارادہ کر رہا ہے۔

اخبار الفضل ۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

●

جب میں (بشیرالدین محمود) ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصّہ بھی دیکھوں۔ مگر قیام انگلستان کے دوران میں مجھے موقعہ نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آتے تو میں نے چودھری سر ظفراللہ خاں صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں کہ جہاں یورپین سوسائٹی عُریانی سے نظر آتے۔

چودھری ظفراللہ خاں صاحب بھی فرانس سے واقف نہ تھے۔ مگر مجھے اوپیرا میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ اوپیرا سینما کو کہتے ہیں، چودھری صاحب نے بتایا کہ یہ اعلیٰ سوسائٹی کی جگہ ہے جسے دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

"میری نظر چونکہ کمزور ہے اس لئے دور کی چیز اچھی طرح سے دیکھ نہیں سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا۔ کیا یہ ننگی ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ ننگی نہیں ہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے وہ ننگی معلوم ہوتی تھیں۔

الفضل ۸ا جنوری ۱۹۳۴ء

جو شخص مراق کا مریض ہوگا منشیات اور زنا کا رسیا ہوگا اس کی اولاد نیک اور صالح کیونکر ہوگی۔ ببول کے درخت پر کانٹے نہیں ہوں گے تو کیا گلاب ہوگا؟ بہرحال یہ ہے دجال قادیان کا دوسرا جانشین جو باپ کی شیطنیت کو آگے بڑھائے گا۔

پنجاب کا مسلمان اور دجالیت

تا دل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد (اقبال)

شکار جال پر لپکتے وقت انجام سے بے خبر ہوتا ہے کہیں اگر دانہ اور دام ہم رنگ ہوں تو شکار بُری طرح مارکھا جاتا ہے۔ دلوں کے ٹکراؤ کا بھی یہی حال ہے۔ شکار نظریں کرتی ہیں اور پھنس جاتا ہے دل۔ اس فساد کے نتیجے میں عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر آدمی کبھی چناب کے کنارے آ بیٹھتا ہے کبھی جنگل و بیلا کی خاک چھانتا ہے۔ کبھی تپتی ہوئی ریت پر پاؤں کے آبلوں سے رستے ہوئے خون سے محبوب کا پتہ پوچھتا ہے اور کبھی بانسری کی لے پر دیوانہ وار گاتا پھرتا ہے

سانوں وچ ترنج یار نوں منانا پے گیا

مگر دجال قادیان کے مرکز "شہر سدوم[1]" (قادیان) میں ایسی کوئی مشکل نہیں تھی۔ یہاں شکار خود نوکِ مژگاں سے آراستہ شکاری کی تلاش میں آ ہوتے آوارہ کی طرح اٹھکیلیاں کرتا پھرتا ہے جب یہ سماں ہو کر حسن خود عشق سے کہے، تھوڑی سی پی میرے لئے تو پھر انکار کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔

نوکری اور چھوکری کی رعایت اور حکومت کی نظرِ عنایت سے یہ شراب دو آتشہ ہو رہی تھی ایسے میں شب زندہ دار تقویٰ کی چادر میں لپٹ کر بزم نشاط کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

---

[1] حضرت لوط علیہ السلام کی پانچ بستیاں جو عتاب خداوندی سے تباہ ہوئیں۔ سدوم نامی بستی بھی انہیں میں سے ایک تھی۔

ان دنوں مرزائی اور مسلمان علمأ کے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ فوت ہو چکے ہیں (نعوذ باللہ) لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی آسمان سے مسیح بن کر اترے ہیں۔ دجالِ قادیان کے دلال اس پر اپنا زور بیان صرف کر رہے تھے۔ مقابل میں علمأ جن میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مولانا ابراہیم سیالکوٹی، مولانا محمد بخش مسلم لاہوری مولانا محمد عبداللہ معمار اور مولانا حبیب اللہ کلرک امرتسری جو ان دنوں پنجاب میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ کہتے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں ۔ مرزائی، نہیں وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اس مسئلے پر دونوں طرف کے دلائل سن کر مسلمان کبھی مسکرا دیتے کبھی دونوں کو برا بھلا کہتے۔ ان اکھاڑوں کے قیام کا طریقہ کچھ اس طرح سے تھا۔

امرتسر میں حضرت مولانا ثناء اللہ محلہ کٹڑہ سفید ڈھاب کھٹیکاں میں ہر روز نمازِ عشأ کے بعد دو اسٹیج لگتے، ایک پر مرزائی آ بیٹھتے دوسری طرف مولانا ثناء اللہ براجمان ہوتے، اس اجتماع کی منادی دن بھر شہر میں ہوتی کہ

"آج شام مولانا ثناء اللہ مرزائیوں سے حیات مسیح پر مناظرہ کریں گے۔

گرمی کا موسم ہوتا کچھ لوگ تو محض ہوا خوری کے لئے میدان میں آبیٹھتے اور کچھ مولویوں کی لڑائی دیکھنے اور سننے کو جمع ہو جاتے۔ دو اڑھائی گھنٹے آمنے سامنے کبھی ہنسی مذاق ہوتا اور کبھی قرآن و حدیث کی بارش۔ آخر بغیر کسی نتیجے کے یہ اکھاڑہ بکھر جاتا۔

اختتام پر مولانا ثناء اللہ اعلان کرتے،

بھائیو! اِس مسئلے کی کتاب دو آنے کی اُس تخت پوش سے ملے گی۔ دوسری طرف سے مرزائی بھی اعلان کرتے۔

"حضرات! ہمارا لٹریچر بھی برابر کے تخت پوش پر پڑا ہے۔ ساتھ ہی مولانا ثناء اللہ فرماتے۔

"حضرات! مرزائی ہمارے بھائی ہیں، یہ رات میرے ہاں قیام کریں گے۔"

پنجاب بھر میں اسی طرح کی ہنگامہ آرائی، مناظرے وغیرہ شروع تھے، اس پر دونوں کی کتابیں خوب بکتیں اور کتب فروشی کا بازار کئی برس تک گرم رہا جس کے نتیجے میں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان نوکری اور چھوکری پر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے دل سے کفر کی تائید کی یا نہیں، لیکن اسلام سے دور چلا گیا۔

"تیکو نہ میکو چولہے میں جھونکو"

اس طرح ایک طرف علما کی دکانیں چمکیں تو دوسری طرف شہر سدوم (قادیان) کی رونق بڑھی۔

دجالیت کا مرکز (قادیان)

سوچ و فکر، نیکی اور بدی میں امتیاز، راستے کے نشیب و فراز، اندھیرے اور اُجالے میں فرق، یہ سب چیزیں انسان کو اللہ کی باقی مخلوق سے الگ کرتی ہیں۔

ماں کے پیٹ سے قبر کی لحد تک کے سفر میں مذہب کی پگڈنڈی اہم معاون ہوتی ہے۔ مذہب ایک عقیدہ ہی نہیں ضابطۂ حیات بھی ہے، یہی دستاویز ہے جو انسان کے نامۂ اعمال کی شاہد ہے، اس کی گرہ جس قدر مضبوط ہو گی، داورِ حشر میں اُسی قدر فائدہ ہو گا۔

علمائے دین نے عقیدہ ختم نبوت سے ہٹ کر مرزائیوں سے جو لڑائی لڑی اس پر سنجیدگی تھی اور نہ ہی اس اہم مسئلے کی اہمیت کارفرما تھی۔ پیشتر سے شیعہ، سُنی اہلحدیث کا جھگڑا جس اطوار سے ان لوگوں نے چھیڑ رکھا تھا وہ دجال قادیان کے موقف اور اس کے پسِ منظر کو سمجھے بغیر محض مرزائیوں سے فروعی اختلاف سمجھ کر مناظرہ بازی میں الجھے رہے، حالانکہ دجال قادیان نے اپنی شعبدہ بازی جتاتے ہوئے بارہا کہا۔

"میرے آنے سے مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا ہے، اب تازہ دودھ قادیان میں میسر ہے"

اس پر بھی ان حضرات کا خیال اصل مسئلے کی بجائے ذاتی منفعت اور کڑاہی

گوشت کی طرف رہا۔ سادہ لوح مسلمان تازہ دودھ خریدنے قادیان جانا شروع ہو گئے۔ مرزائیوں نے لوواردمسلمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اپنے کو انصار اور انہیں مہاجر سمجھ کر ان کی رہائش کے لئے قادیان میں مفت زمینیں دے دیں کہ وہ ان پر مکان تعمیر کرلیں۔ اسی طرح دونوں وقت کی خوراک بھی قادیان کے لنگر سے آنے لگی۔

۱۔ مہاجروں کا درجہ ملا۔

۲۔ رہائش اور خوراک مفت میسّر آئی۔

۳۔ سرکاری نوکری اور بیوی ملی۔

یہ چیزیں جب کسی محنت کے بغیر میسّر آئیں تو کون باؤلا ہے جو کوئی دھندہ کرے۔ ان کی دیکھا دیکھی اپنا مال و اسباب بیچ کر بال بچوں سمیت سینکڑوں لوگ قادیان کا رُخ کرنے لگے۔ کچھ دنوں تو میزبان اور مہمانوں کے تعلقات بہت خوشگوار رہے، ہنسی خوشی وقت گزرتا رہا باہم مجلسیں جمتیں، کوئی کاروبار نہیں تھا دونوں وقت کا کھانا لنگر سے آجاتا اس طرح دن گذرتے گئے۔

قادیان بٹالہ سے قریباً بارہ میل دریائے بیاس کے کنارے ایک معمولی قصبہ تھا۔ ان دنوں ریل گاڑی کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ سڑک بھی پختہ نہیں تھی لوگ پیدل سفر کرتے۔ پرانی وضع کے یکّو کاٹ کی سواری بھی تھی۔ اس اعتبار سے قادیان میں کاروبار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، کوئی تفریح گاہ بھی نہیں۔ سوائے دریائے بیاس کے مگر وہ بھی کافی فاصلے پر تھا۔

ان واقعات اور حالات نے اُن لوگوں کو جو مکہ مدینہ کا دودھ چھوڑ قادیاں سے تازہ دودھ لینے آئے تھے، لنگر کی مفت روٹیاں کھاتے کھاتے تن آسان ہو کر رہ گئے۔ بآل کار اکثر لوگوں نے قادیان چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا اور مکان فروخت کرنے کی سوچنے لگے، مگر مکان فروخت نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ زمین جس پر مکان تعمیر تھا۔ دجالِ قادیان کی ذاتی ملکیت تھی، البتہ کوئی جانا چاہے تو مکان کا ملبہ اٹھا کر لے جائے۔

جب اس فیصلے کی اطلاع مرزائیوں کو ہوئی تو انہوں نے لنگر سے کھانا بند کر دیا۔ ادھر ان لوگوں کے پاس جو رقم تھی وہ ختم ہو چکی تھی۔ اب جائیں تو جائیں کہاں۔ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔

فاقوں پر نوبت آئی تو گھر کا سامان فروخت ہونے لگا مگر اس میں بھی انہیں ناامیدی نظر آئی کیونکہ کوئی خریدار نہیں۔

گندگی کے ڈھیر پر پھول ڈال دیئے جائیں تو بھی گندگی گندگی ہی رہے گی، مگر پھولوں کا بانکپن ضائع ہو جائے گا کوئی دیوانہ اگر ان پھولوں کو ظاہری نظروں سے دیکھ کر قریب آ جائے گا تو اندر سے تعفن ہی آئے گی۔

حقیقت سے ناآشنا فریب خوردہ مسلمان جس عقیدت، محبت اور جذبے کے ساتھ گھر سے ہجرت کر کے قادیان پہنچے تھے، جب حقیقت سامنے آئی تو محبت نفرت میں بدلنے لگی، نام نہاد انصار اور مہاجرین کے رشتے میں دراڑ آنا شروع ہو گئی، جیسے جیسے یہ دراڑ وسیع ہوتی گئی پیتل سے ملمع اترنا شروع ہو گیا۔ پھولوں تلے کی گندگی سرانڈ دینے لگی۔ شیطان کی سیرت و کردار قادیان کے کوچہ و بازار میں ننگے ناچتے نظر آئے، گزرے ہوئے کل جو لوگ دجال قادیان کی مڑھی پر پھول لے کر آتے تھے آج جوتوں کے ہار لئے کھڑے تھے۔

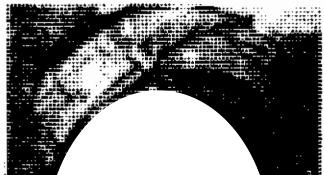
لاہوری دجال مولوی محمد علی ایم، اے،

انسانوں کے درمیان زر اور زمین بنائے فساد ٹھہرے ہیں، لیکن حیوان ہمیشہ راتب پر لڑتے ہیں، خواہ ان کا ٹھکانہ ایک ہی شاخ پر کیوں نہ ہو۔

حکیم نور الدین کے فی النار سقر ہونے پر جہاں اور بہت کچھ ہوا (جس کی تفصیل آگے آئے گی) وہاں مرتد مردار (غلام احمد کی لاش) پر کرگسوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ ابن دجال اور

مولوی محمد علی ایم اے لاہوری بھی کفر کی گدی کے گرد منڈلانے لگے۔ حکیم نورالدین کا بیٹا بھی اسے اپنی وراثت سمجھ رہا تھا۔ اس تگڈم بازی میں کفر کی وراثت کفر کے وارثوں کو مل گئی، باطل کا دوسرا گروہ شکست کھا کر لاہور آ بیٹھا مگر اس پر بھی دونوں کے کفریہ عقائد میں صرف اتنا فرق رہا، ایک قادیانی اور دوسرا لاہوری بن گیا۔

قمار بازوں میں گھرا ہوا جواری اپنی بازی ہارنے کے کئی جواز ظاہر کرتا ہے۔ کبھی تاش کے پتوں میں ہیرا پھیری بتاتا ہے، کبھی کہتا ہے تاش نئی تھی، کبھی جوا خانہ کے منتظم کو ملزم ٹھہراتا ہے، دراصل اس طرح کے حیلے بہانوں سے وہ جوا خانہ کے نظام پر خود قابض ہونے کی خواہش رکھتا ہے اور اس دوران جب شکست ہو جائے تو اپنا جوا خانہ الگ قائم کر لیتا ہے، یہی حال مولوی محمد علی ایم اے لاہوری کا تھا۔

ابن دجال سے شکست کے بعد اس نے لاہور میں اپنا الگ اڈہ قائم کر لیا، چاہیئے تو یہ تھا۔

؎ لیلیٰ جو چھوڑی ہے تو محمل بھی چھوڑ دے

مگر نہیں اپنے استاد دجالِ قادیان کے تمام کفریہ اصول جوں کے توں قبول کر لئے۔

گھر کے بھیدی لنکا ڈھانے لگے

مذہب کی سچائی اور اصول اپنی جگہ، لیکن انسان کے ذاتی چلن کو ضابطہ حیات میں بڑا دخل ہے، اگر اس میں کجی آجائے تو انسانیت کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

دجالِ قادیان کے اصولوں کی عمارت اسلام سے بغاوت پر استوار تھی۔ اس پر بھی اس کے کفر کی جامعیت مسلم رہی۔

عمر بن ہشام (ابوجہل) کے کفر پر عرب کے پہاڑ بھی متنفر تھے، مگر

اس کے ذاتی کردار پر شاید کوئی انگلی اٹھی ہو۔ وہ مسیلمہ کذاب کی طرح نبوت باطلہ کا دعویدار نہیں تھا مگر اس پر بھی اپنے کفر پر اس قدر ابوجہل رہا کہ میدانِ بدر میں جب اُسے قتل کرنے لگے تو کہا کہ

" میری گردن ذرا نیچے سے کاٹنا۔ میں اپنے کفریہ عقیدے کے قبائل کا سردار ہوں۔"

کسی بادشاہ کے دربار میں کوئی بہروپیا اجنبی کا روپ دھار کر گیا کہ شاید وہ بادشاہ کو فریب دینے میں کامیاب ہو جائے گا اور اس پر اُسے انعام ملے گا لیکن بادشاہ نے اُسے پہچان لیا اس پر بہروپئے نے کہا" اچھا پھر سہی" بادشاہ نے کہا" اگر تو مجھے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا تو میں تجھے بڑا مال دوں گا۔"

اس پر مدت گذر گئی، ایک دن ریاست میں کسی فقیر کی آمد کا عام چرچا ہوا لوگ جوق در جوق فقیر کی حاضری دینے لگے، کانوں کان یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ وہ بھی اپنے وزراء سمیت فقیر کی قدم بوسی کے لئے گیا۔ فقیر نے اس کے لئے دعا کی۔ بادشاہ نے رخصت ہوتے وقت فقیر کی خدمت میں ہیرے جواہرات پیش کئے، لیکن فقیر نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوتے کہا۔

" بادشاہ! یہ سب تجھے مبارک ہوں۔ فقیر دنیاوی دولت سے بے نیاز ہے۔"

ے نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے

اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا کہ یہ واقعی ولی اللہ ہے، اسے دنیاوی لالچ نہیں، یہ کہہ کر بادشاہ واپس جانے لگا تو فقیر نے آگے بڑھ کر کہا۔ آداب بجا لاتا ہوں۔

" کیوں بادشاہ سلامت! آج تو آپ مجھے مان گئے۔ حضور میں وہی بہروپیا ہوں۔

بادشاہ : ارے کم بخت تو ہے۔
فقیر : جی حضور! لائیے میرا انعام۔
بادشاہ، پہلے یہ بتا۔ جب میں نے تجھے جواہرات دیئے تو تم نے قبول کیوں نہ کئے۔
فقیر، حضور، اس وقت میں فقیر کے لباس میں تھا۔ اگر آپ کی دولت قبول کر لیتا تو فقیر کا لباس ہمیشہ کے لئے بدنام ہو جاتا۔

دجالِ قادیان نے انگریز کی سازش کے تحت ذاتی اغراض کے لئے جو روپ دھارا اس پر اگر وہ مخلص ہوتا تو مستقبل کا مورّخ اسے صرف دجال و کذاب لکھتا مگر اس نے اپنے گندے کردار سے اپنے کفر کو بھی رُسوا کر لیا جیسے کہ قارئین ابھی پڑھ چکے ہیں۔

(نقلِ کفر، کفر نہ باشد) "حضرت مسیح علیہ السلام ولی اللہ تھے اور ولی اللہ کبھی کبھار زنا کر لیتے ہیں۔"

دجالِ قادیان نے اپنی گندگی سے لفظ ولی اللہ کو بھی گندہ کر دیا۔

؎ خود تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔

اور سنیئے۔

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان

حضرت اُمّ المومنین نے ایک دن بتایا کہ حضرت صاحب (مرزا غلام احمد) کے ہاں ایک بوڑھی ملازمہ مسمات بھانو تھی۔ وہ ایک رات جب کہ خوب سردی پڑ رہی تھی، حضور کو دبانے بیٹھی چونکہ لحاف کے اوپر سے دبا رہی تھی اِس لئے اس پر شبہ نہ ہو سکا کہ جس چیز کو میں دبا رہی ہوں وہ حضور کی ٹانگیں نہیں ہیں بلکہ پلنگ کی پٹی ہے۔ تھوڑی

دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بھانو آج بڑی سردی ہے ؟ بھانو نے کہا۔
جی! ہاں۔
تدے تے تواڈیاں لتاں لکڑی دانگوں ہوتیاں نے۔ (جبھی تو آپ
کی ٹانگیں لکڑی کی طرح ہو رہی ہیں)
(سیرت المہدی صـ۱۲)

نوٹ : سیرت المہدی کے مصنف نے بات صاف نہیں لکھی کہ بھانو نامی عورت نے لحاف کے اندر سے کیا چیز دبا رکھی تھی۔؟ (مصنف)

یہ شخص (دجال قادیان) اپنے دونوں پیش رو مسیلمہ کذاب اور ابوجہل کے کفر کی برابری بھی نہ کرسکا جب کہ اس بہرد پیتے سے بھی گھٹیا نکلا جس نے فقر کے لباس کی لاج رکھتے ہوتے بادشاہ سے جواہرات لینے سے انکار کر دیا۔ یہ بڑے دجال کی حالت تھی۔ ابنِ دجال کی نسبت سن چکے بقول مرزائی آرگن "الفضل" قادیان ۳۱/اگست ۱۹۳۸ء

"ہمیں اعتراض تو موجودہ خلیفہ محمود احمد پر ہے، کیونکہ وہ ہر روز زنا کرتا ہے"

"ایں خانہ ہمہ آفتاب است"

نیکی اس قدر جلدی نہیں پھیلتی جس قدر کہ بُرائی جلد رنگ پکڑتی ہے۔ کچھ دیر تو بُرائی کی میلی چادر پر سفید چادر کا گمان رہا، گندگی کے ڈھیر پر گم کردہ راہ پھول چڑھاتے رہے اور ابنِ دجال کی بلائیں لیتے رہے، قادیان کے برہمن دیوتاؤں کی پوجا ہوتی رہی لیکن تابکہ — آخر مندر کے کلس کا ملمع اترنے لگا۔ فریب اور گناہ چاردیواری سے نکل کر قادیان کے کوچہ و بازار میں رسوائی کا عَلم لہرانے لگے، دجالِ قادیان کے اندرون خانہ سے نکلی ہوئی زنا کی بدبو نے سارے ماحول کو متعفن کر دیا۔ بنابریں قادیان کا ہر گھر مشتبہ دکھائی دینے لگا۔

حکومت دجال کا پہلا باغی۔ (مولانا عبدالکریم (مباہلہ)

خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

قادیان کے راسپوٹین، ابن دجال کے خانہ ساز آئین کے مطابق ہر نئی نویلی دلہن کی سہاگ رات کا ابن دجال کے بستر پر بسر ہونا ضروری تھا۔ اس دستور پر کچھ دیر تقدس کی چادر پڑی رہی اگر کسی مظلومہ نے یہ چادر اُتارنا چاہی تو اس کی کئی تاویلیں کر کے اپنے گناہوں کو چھپانے کی کوشش کی جاتی۔ یوں سے مولانا عبدالکریم مباہلہ کی داستان شروع ہوتی ہے۔

مستری فضل کریم جالندھر سے نقل مکانی کر کے قادیان آباد ہوئے تھے، انہوں نے لوہارا کام شروع کیا۔ سویاں بنانے کی مشین انہیں کی ایجاد کردہ ہے۔ نام نہاد بہشتی مقبرہ کے قریب فضل کریم نے اپنا مکان تعمیر کیا اور یہیں ان کے ہاں دو لڑکے عبدالکریم اور زاہد پیدا ہوئے۔ عبدالکریم نے تعلیم قادیان میں حاصل کی اور قادیانی تبلیغ کے مبلغین میں شامل ہو کر مسلمانوں میں جھوٹی نبوت کا پروپیگنڈا کرتے رہے، اس طرح اسے ابن دجال کا قرب حاصل ہو گیا۔ عبدالکریم کا شمار کامیاب مرزائی مبلغ کے طور پر ہونے لگا۔ اسی دوران مولانا عبدالکریم حلقوں میں امتیازی حیثیت حاصل کر چکے تھے کہ ان کی زندگی میں ایک موڑ آیا کہ راستے کی تاریکی نے اُن کا مستقبل روشن کر دیا۔

ہوا یوں کہ مولانا عبدالکریم کی ہمشیرہ محترمہ سکینہ بیگم مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ دجالی فرقے کے صوبائی امیر کی اہلیہ تھی۔ یہ محترمہ کسی کام کے لئے بیت الخلافت میں گئیں۔ وہاں ابن دجال مرزا محمود نے اپنی گندی فطرت کے مطابق اُن کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کیا۔ سکینہ بیگم نے یہ تمام واقعہ اپنے خاوند سے کہہ دیا۔ یہ ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے۔

اس موقعہ پر غیرت کا تقاضہ تھا کہ مرید پیر پر تین حرف بھیج کر ابلیس کے چنگل سے نکل آتا لیکن غیرت ایمان کا جزو ہے، اگر ایمان ہی نہ ہو تو غیرت کہاں !

خاندانی کنجروں کے ہاں رواج ہے کہ وہ اپنی بہن اور بیٹی کو بازار میں بٹھا دیتے ہیں مگر بہو کو اُس بازار کی ہوا تک سے محفوظ رکھتے ہیں —— یہ بھی غیرت کا ایک انداز ہے۔

اگر محترمہ سکینہ بیگم فطرتاً نیک نہ ہوتی تو ذلالت کے محل میں عیش کرتی، مگر اس کے شوہر نے بدفطرت پیر کے بہکاوے میں آکر اسے اس بُری طرح جکڑا ہوا تھا کہ ابلیس کے چنگل سے نکلنا مشکل ہو گیا اس کے آگے کی کہانی شفیق[1] مرزا اپنی کتاب شہر سدوم کے صفحہ ۲۵ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

پیر پر تین حرف بھیجنے کی بجائے اس معاملہ کی تحقیق کا ارادہ کیا اور پاپائے ثانی کے پاس پہنچا، پیر تو رنگ ماسٹر تھا اسے مریدوں کو نچانے کا فن خوب آتا تھا اُس نے بڑی "معصومیت" سے کہا۔ مجھے خود اس معاملہ کی سمجھ نہیں آرہی سکینہ بیگم بڑی نیک اور پاکباز لڑکی ہے، اس نے ایسی حرکت کیوں کی ہے۔ میں دعا کروں گا آپ کل کسی وقت تشریف لائیں، جب مرزا عبدالحق دوسرے دن پہنچے تو شاطر پیر اپنا عیارانہ منصوبہ مکمل کر چکا تھا۔ اُس نے مرید کے لئے دام بچھاتے ہوئے کہا۔ میں نے اس منصوبہ پر بہت غور کیا ہے دُعا بھی کی ہے، ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ چونکہ میں خلیفہ ہوں "مصلح موعود" ہوں اس لئے سکینہ بیگم ایک روحانی تعلق کی بنا پر مجھ سے محبت رکھتی ہے اور اس قسم کا جذبہ الفت جب پوری طرح قلب و ذہن پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس وقت

---

[1] شفیق مرزا مصنف "شہر سدوم" خاندانی طور پر دجال کے خاص حلقوں میں تربیت یافتہ نوجوان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جب انہیں ہدایت دی تو انہوں نے اندر کے واقعات کی عکاسی کرتے ہوئے کتاب "شہر سدوم" تصنیف کی۔

بعض عورتیں خواب کے عالم میں دیکھتی ہیں کہ انہوں نے فلاں مرد سے ایسا تعلق قائم کیا ہے اور اس خیال کا استیلاو غلبہ ان پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اس کو بیداری کا واقعہ سمجھ لیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا محمود نے طب کی ایک کتاب نکال کر دکھا دی کہ دیکھ لو اطباء نے بھی اس مرض کا ذکر کیا ہے اس پر مرید مطمئن ہو کر گھر واپس آیا تو اہلیہ کے استفسار کرنے پر مرید خاوند نے کہا "تم بھی سچ کہتی ہو اور حضرت صاحب بھی سچ کہتے ہیں "

ے جب غیرت ہی اٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی !

تماشہ گاہِ عالم میں انسان ہر روز کئی تماشے دیکھتا ہے اور مسکرا کر گزر جاتا ہے لیکن جب خود تماشہ بنتا ہے تو چیخ اٹھتا ہے، اسے انسانی کمزوری کہیے یا تساہل عارفانہ ؟ ۔

مولانا عبدالکریم نے مرزا ئیت کی کوکھ سے جنم لیا۔ تربیت پائی، تعلیم حاصل کی۔ باطل نبوت کا چراغ لے کر مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرتے رہے، ظاہر ہے انہیں قصر ذلالت کے اندرونی اندھیروں سے روشنی نہ ہو۔ ممکن ہے ان کی نظریں تیرہ و تار اندھیروں تک نہ پہنچ سکتی ہوں، مگر جب اُن کی اپنی عزت کو ہاتھ پڑا تو سارا اندھیرا جاتا رہا۔ لگے دونوں ہاتھوں سے پگڑی سنبھالنے اگر سرِ راہ ازار بند ٹوٹ جائے تو پگڑی کہاں سنبھلی رہتی ہے۔

سکینہ بیگم کے حادثے نے تقدس کی ساری بساط الٹ دی۔ اس زلزلے سے مردہ ضمیر جاگ اٹھے قادیان میں کہرام مچ گیا۔ عبدالکریم اور ان کا خاندان حکومتِ دجال کا باغی قرار پایا۔ چھپے ہوتے باغی کھلم کھلا میدان میں نکل آئے۔ رِستے ہوئے زخم چھپے ہوئے خون کو آوازیں دینے لگے، قصرِ ذلالت میں لٹی ہوئی عصمتیں بے نقاب

سامنے آکھڑی ہوئیں۔ ابنِ دجال کے گماشتے جو اس بدکاری و بدمعاشی میں راسپوٹین کے ساجھی وال تھے اپنے مرشدِ اعلیٰ کا دفاع کرنے لگے۔

اس کارزار میں عبدالکریم نے مباہلہ نام کا ایک اخبار نکالا اور یہی نام ان کے نام کا جزو بن گیا اس اخبار کے ذریعے قادیان کے راسپوٹین کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا۔ کفر چونکہ بزدل ہوتا ہے، لہٰذا بار بار پکارنے پر بھی قصرِ ذلالت کا دروازہ نہ کھلا، اور یہ سانپ سپیرے کے خوف سے کنڈلی مارے بِل میں گھسا رہا۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

قادیان کے سربستہ رازوں کا انکشاف کرنے والا اسلامی جریدہ

مباہلہ

قادیان

خط و کتابت کا پتہ
دفتر اخبار مباہلہ
قادیان
(پنجاب)

نرخ چندہ

جلد	قادیان۔ ماہ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء	نمبر ۱۰

ماہ دسمبر میں مباہلہ کا ایک اور خاص نمبر

مقدسین قادیان کا کچا چٹھا

قصرِ خلافت کے مشاغل کا ظہور

قادیانی تقدس اور روحانیت کی نیرنگیاں

ننگِ انسانیت افعال کا ارتکاب

ایک اور قادیانی خاتون کا سنسنی خیز بیان

یہ خاص نمبر کن حیرت انگیز انکشافات پر مشتمل ہوگا!

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
قادیان	۱۰-۹
	۱۱
	۱۲

مباہلہ کی ایک اشاعت میں دجال قادیان کے ایک اور شکار کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک داستان شائع کی جس کا عنوان تھا۔

"ایک احمدی خاتون کا بیان"

مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک مظلوم خاتون کا بیان اخبار "مباہلہ" قادیان میں اشاعت پذیر ہوا تھا گو اس وقت یہ چیلنج بھی دے دیا گیا تھا کہ اگر "خود صاحب" مباہلہ کے لئے آمادہ ہوں تو نام کے اظہار میں کوئی اُدنیٰ اعتراض بھی نہیں ہوگا مگر چونکہ اس گوسالہ سامری کو مقابل پر نکلنے کی جراَت نہ ہوئی اس لئے نام کا اظہار نہیں کیا گیا تھا اب ہم ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر یہ درج کر رہے ہیں کہ وہ خاتون قادیان کے دوکاندار شیخ نور الدین صاحب کی صاحبزادی عائشہ تھیں، ان کے بھائی شیخ عبداللہ المعروف عبداللہ سودا گر آج کل ساہیوال میں مقیم ہیں۔ عائشہ بیگم تھوڑا عرصہ ہوا انتقال کر گئی ہیں۔ اب ہم وہ بیان درج کرتے ہیں۔

" میں میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں۔ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سُنا کرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچی شرمیلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا الزام لگایا جا سکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے جو ہر کام کے لئے حضور سے اجازت لیا کرتے تھے اور بہت مخلص احمدی تھے ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لئے دیا جس میں اپنے کام کے لئے اجازت مانگی تھی، خیر میں یہ رقعہ لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نئے مکان (قصرِ خلافت) میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی، جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔

چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی جونہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی میں اکیلی رہ گئی ۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لئے عرض کیا مگر انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا، گھبراؤ مت۔ باہر ایک دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو قفل لگا کر اندر داخل ہوتے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹخنیاں لگا دیں۔ جس کمرے میں بیٹھی تھی وہ اندر کا چوتھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے بُرا فعل کروانے کو کہا۔ میں نے انکار کیا۔ آخر زبردستی انہوں نے مجھے پلنگ پر گرا کر میری عزت برباد کر دی اور اُن کے مُنہ سے اس قدر بُو آ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا۔ اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی ایسی نہیں کرتے ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں انہوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے۔ مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہو گی۔ مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا۔"

مذکورہ بالا قصے کا شائع ہونا تھا کہ خباثت کے ساتھ شرافت بھی تڑپ اٹھی۔

مولانا عبدالکریم کا قادیان سے نکلنا

اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ نبوت کاذبہ کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹنے لگا، فریب کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ جھوٹ کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ برسوں کی سلگتی ہوئی چنگاریاں آتش فشاں بن رہی تھیں، قریب تھا کہ

اہلبیت کا محل اس آگ کی لپیٹ میں آجائے شیطانی فوج نے ایک رات مولانا عبدالکریم مباہلہ کے مکان کو اُن کے خاندان سمیت آگ میں جلا دینے کی سازش کی لیکن زندگی اور موت کا فیصلہ خالق کائنات کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے۔

حکیم نورالدین آنجہانی کی بیوہ جو بذات خود دجال قادیان کے ہاتھوں زخم خوردہ تھی، اسے کسی طرح اس سازش کا پتہ چل گیا۔ وہ برقعہ اوڑھے چھپ چھپا کر مولانا عبدالکریم کے اہل خانہ کو اطلاع کر آئی کہ آج رات انہیں ان کے خاندان سمیت جلا دیا جائے گا۔ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اپنی جانیں بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ یہ اطلاع پا کر گھر کے سب لوگ جیسے بن پڑا مکان چھوڑ کر چھپتے چھپاتے رات کے پہلے حصے میں سکھوں کے بورڈنگ ہاؤس میں پہنچ گئے اور رات کے پچھلے پہر برقع پہن کر سکھوں کے تعاون سے انہیں کی موٹر میں سوار ہو کر بٹالہ اور پھر امرتسر پہنچ گئے۔

مرزائیوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۱، اکتوبر ۱۹۳۰ء کی درمیانی رات عبدالکریم کے مکان کو جلا کر راکھ کر دیا اور خود اس کے گرد پہرہ دیتے رہے کہ کوئی بچ کر نکلنے نہ پائے۔ اپنی دانست میں انہوں نے اہل خانہ کو جلا کر ختم کر دیا تھا اس پر وہ مطمئن تھے کہ انہوں نے دشمن کا خاتمہ کر دیا لیکن شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے۔

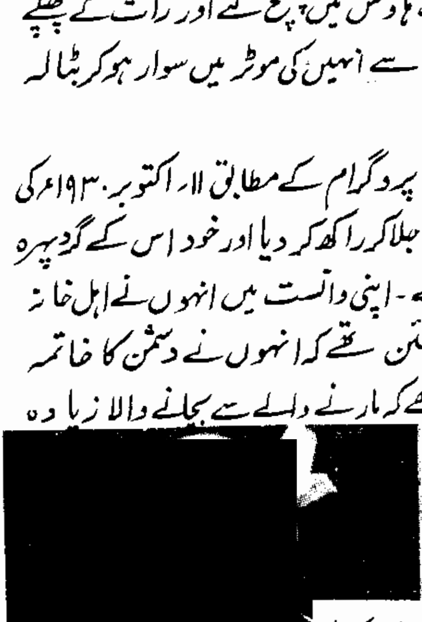

مولانا عبدالکریم مباہلہ
رحمۃ اللہ علیہ

صبح اخبار الفضل میں شائع کر دیا گیا کہ:

"چونکہ مستری[1] مرتد ہو گئے تھے لہٰذا انہوں نے خود ہی اپنے مکان کو آگ لگائی اور اس میں جل مرے ہیں۔"

---

[1] مولانا عبدالکریم اور ان کے والد لوہارا کام کرتے تھے اس بنا پر قادیان میں انہیں مستری کہا جاتا تھا۔

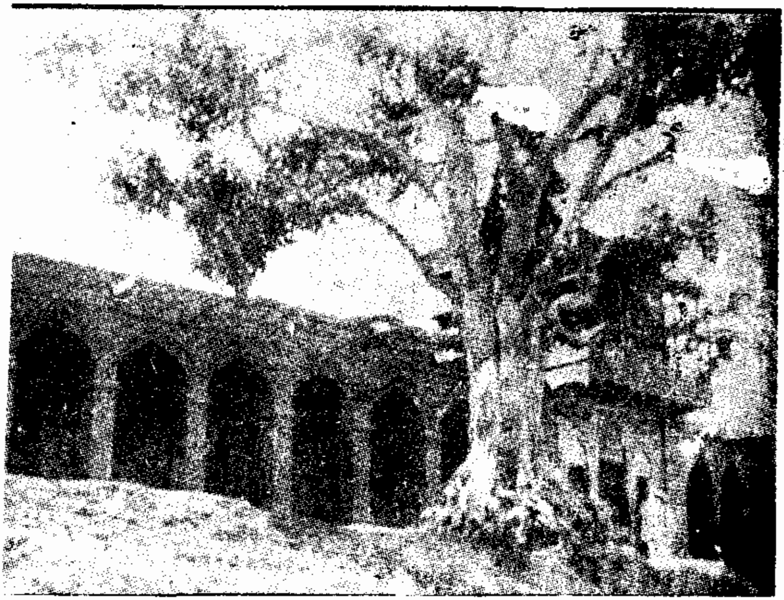

مباہلہ بلڈنگ جسے مرزائیوں نے جلا دیا

اس واقعہ کی اطلاع مقامی پولیس تھانہ میں کرائی گئی مگر نہ تو رپورٹ درج کی گئی اور نہ ہی کوئی موقعہ محل پر آیا۔ ابنِ دجال نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو یہ دشمن خاندان تو ختم ہوا۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ پولیس اور دیگر آفیسر دخل انداز نہیں ہوتے۔

ع سیاں بھے کوتوال اب ڈر کاہے کا

تیسرے دن اطلاع ملی کہ مستری اپنے خاندان سمیت بخیریت امرتسر پہنچ گئے ہیں یہ سن کر ابنِ دجال کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اپنے پالتو بلا کر انہیں ڈانٹا کہ تم نے کیا کیا، تمہاری نگرانی کا کیا فائدہ نکلا۔ شکار تو بچ کر نکل گیا۔ مگر اب ماتم کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔

مال واسباب تو مکان کے ساتھ راکھ ہو چکا تھا۔ یہ لوگ جب امرتسر پہنچے تو کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔ ہاتھ میں ہنر ہو اور نیت میں فتور نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ہر قدم پر مدد کرتے ہیں۔

رہائش کے لئے ہال بازار میں مکان مل گیا۔ شریف پورہ میں کارخانہ قائم کر لیا۔ یہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسمائے گرامی پیتل کے فرموں میں ڈھالنا شروع کئے جو بہت مقبول ہوئے۔ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ خریدے۔ دنوں میں بہار لوٹ آئی۔ ہفت روزہ مباہلہ امرتسر سے باقاعدگی سے جاری کر دیا گیا۔

باطل کے چنگل سے نکل کر اسلام قبول کرنے کی برکت سے مستری عبدالکریم، مولانا عبدالکریم مباہلہ کے نام پر معروف ہو گئے اب وہ مستری کم اور مبلغ اسلام زیادہ تھے۔ اخبار مباہلہ کے ذریعے مرزائیت کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کر دیا گیا۔

مولانا مباہلہ پر قاتلانہ حملہ

شکار بچ کر نکل جائے تو شکاری اپنی چوکڑی بھول جاتا ہے۔

مولانا مباہلہ نے نبوتِ باطلہ کے تقدس کو جس بُری طرح پامال کیا اس کی پاداش میں انہیں بمعہ خاندان کے زندہ جلا دینے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں ناکامی ذلت اور رسوائی نے ابنِ دجال کو آگ کے انگاروں پر لوٹا دیا۔ امرتسر پہنچ کر اخبار مباہلہ میں قادیان میں ننگِ انسانیت ابنِ دجال کے زنا کے قصے نیز قادیان سے اپنے بچ نکلنے کی داستان جس طریق سے شائع کرنا شروع کی یہ پہلا موقعہ تھا کہ پنجاب کے عوام کو اس دجالی گروہ سے واقفیت ہو رہی تھی ورنہ تو یہ پوپ پادری بنے بیٹھے تھے مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ بادلِ نخواستہ یہ زہر پینا پڑا۔

قادیان میں ہر روز مولانا مباہلہ کے خلاف جلسے ہونے لگے شہر سدوم کے باشندوں کے جذبات بھڑکاتے گئے، بالآخر اخبار مباہلہ میں ابنِ دجال پر عائد کردہ الزامات کے خلاف گورداسپور کی عدالت میں دجالیوں نے عبدالکریم کے خلاف ضابطہ فوجداری کے تحت استغاثہ دائر کر دیا۔ یہ دوسری سازش تھی جس میں مولانا مباہلہ کو قتل کرنے کی تجویز تھی اس ضمن میں یہ طے پایا کہ

" جونہی مولانا مباہلہ امرتسر سے اس مقدمہ کی تاریخ پیشی بھگتنے گورداسپور
جانے کے لئے لاری پر سوار ہوں تو انہیں لاری میں عوام کے سامنے
قتل کر دیا جائے "

اس کام کے لئے محمد امین (مرزائی) المعروف مجاہد بخارا سے کہا گیا کہ وہ کرائے کا قاتل تلاش کرے جسے معقول رقم دی جائے گی، یہ رقم چار ہزار طے پائی اس پر ایک پٹھان قاضی محمد علی نوشہردی سے مولانا مباہلہ کے قتل کا سودا کیا گیا اور اسے یقین دلایا گیا کہ اسے اس مقدمہ میں بری کرا لیا جائے گا کچھ رقم پیشگی دے دی گئی یہ سازش اس طرح طے پائی کہ

جب مولانا عبدالکریم عدالت میں حاضری کے لئے امرتسر سے روانہ ہوں تو خدام احمدیہ کے رضا کار اس لاری میں سوار ہو جائیں۔
جیسے ہی لاری بٹالہ پہنچے رضا کار ہاتھ کا اشارہ کر کے مقررہ قاتل کو لاری میں سوار ہونے کا اشارہ کریں اور یہاں سے قاتل محمد علی لاری میں سوار ہو کر اپنا کام کرے گا۔ یہ تھی سکیم مولانا کو قتل کرنے کی۔

حسب دستور مولانا مباہلہ بمعہ اپنے ضامن حاجی محمد حسین بٹالوی کے عدالت میں حاضری کے لئے امرتسر سے لاری میں سوار ہوئے۔ لاری میں خدام احمدیہ کے رضا کار بھی سوار ہو گئے، لاری جیسے ہی بٹالہ پہنچی طے شدہ پروگرام کے مطابق ہاتھ کے اشارہ سے قاتل محمد علی کو لاری میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالکریم کی نشاندہی کر دی گئی، رضا کار خود یہاں اتر گئے۔

ابھی لاری بٹالہ سے چند میل دور گئی تھی کہ قاتل نے لاری کے اندر (اپنی دانست میں) مولانا مباہلہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن ہنوز قدرت نے مولانا مباہلہ سے کوئی کام لینا تھا کہ قاتل مولانا مباہلہ اور حاجی محمد حسین بٹالوی کے مابین کوئی امتیاز نہ کر سکا اس طرح خنجر مولانا مباہلہ کی بجائے حاجی محمد حسین کو لگ گیا اور وہ موقعہ پر شہید ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون (یہ <u>۱۹۲۹ء</u>

[illegible]

کا سال ہے) اس حادثہ پر لاری رک گئی۔ قاتل کو دیگر مسافروں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس پر دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ قائم ہوا اور اسے سزائے موت ہو گئی۔

اس مقدمہ کا تفصیلی ذکر ڈسٹرکٹ سیشن جج گورداسپور مسٹر جی ڈی کھوسلہ نے حضرت امیر شریعت (رحمۃ اللہ علیہ) کے مقدمہ ۱۹۳۵ء کے فیصلہ میں بڑی دلچسپی سے کیا ہے (مصنف کی کتاب حیاتِ امیر شریعتؒ میں دیکھیں)

قاتل قاضی محمد علی نوشہروی کو پھانسی سے بچانے کی کوشش میں مرزائی وکلا (چودھری سر ظفر اللہ آنجہانی اور اس کے بھائی آنجہانی اسد اللہ وغیرہ) نے لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کی پیروی کی لیکن اپیل خارج ہو گئی۔ لندن پریوی کونسل تک گئے مگر سزا بحال رہی، پھانسی کے بعد قاتل کی لاش قادیان لائی گئی، جلوس نکالا گیا اور اسے شہید احمدیت کا خطاب دیا گیا۔ ابنِ دجال نے لاش کو کندھا دیا اور نام نہاد بہشتی مقبرے میں دفنایا گیا۔

آنجہانی قاتل کی موت پر اُسی رات قادیان میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مرزائی شعرا نے قاتل کے قصائد پڑھے، ایک شعر ملاحظہ ہو۔

پیچھے آکر سب سے آگے بڑھ گیا
مثلِ عیسٰی آسمان پر چڑھ گیا

مندرجہ بالا شعر چونکہ قادیانی عقیدے کے خلاف تھا جبکہ دجالِ قادیان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں (نعوذ باللہ) اس ایک شعر پر ابنِ دجال نے یہ نظم اور باقی نظموں کا مجموعہ ضبط کر لیا۔

"دھوبی کا کُتا گھر کا نہ گھاٹ کا"

بُرائی کا انجام

ماحول اچھا ہو یا بُرا۔ طبائعِ انسانی پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ محمد امین (مرزائی) مجاہدِ بخارا جس نے مولانا مباہلہ کے لئے قاتل تلاش کیا تھا اسی ماحول کا پروردہ تھا۔ مولانا مباہلہ کا قاتل اسی نے تلاش کیا تھا اور سودا بھی اسی کی معرفت ہوا تھا۔ کچھ رقم تو قاتل کو پیشگی ادا کر دی گئی تھی بقایا کام ہونے پر ادائیگی کا وعدہ تھا مگر قاتل جہنم رسید ہو چکا تھا، لہٰذا بقایا رقم کا تقاضہ کرنے مرتد امین بخارا دجالی سلسلہ کے ناظم اعلیٰ فتح محمد سیال کے پاس پہنچا اس نے کہا۔

"دیکھو یہ رقم لینے میرے پاس نہ آنا بلکہ دفتر جاؤ"

اس پر امین نے کہا۔ دفتر میں جانے سے راز فاش ہو جائے گا اور قتل کا الزام سلسلہ پر آئے گا، بہتر ہے حساب یہیں ہو۔

فتح محمد سیال: رقم میری ذاتی نہیں ہے نہ یہ کام میرا ذاتی تھا۔ سلسلہ کا کام تھا اور رقم کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔

امین: نہیں! میری بات آپ سے طے ہوئی تھی، دفتر نہیں جاؤں گا۔ میں رقم آپ سے لوں گا۔

سیال: میں رقم یہاں نہیں دوں گا۔

اس بات پر جھگڑا بڑھتا گیا اور تلخ کلامی میں فتح محمد سیال نے کہا۔
جس کو قتل کروانا تھا یعنی عبدالکریم مباہلہ کو۔ وہ تو بچ گیا اور

ضامن مارا گیا۔ مقصد تو پورا نہ ہوا۔ رقم کیسے مانگتے ہو؟

اس جھگڑے پر فتح محمد سیال نے اپنے ملازمین کو بلوا کر اس پر حملہ کرا دیا۔ امین نیچے گرا تو گرے ہوئے پر فتح محمد سیال نے کلہاڑی کا وار کیا، دوسرا وار کیا۔ ضربیں کاری آئیں۔ اس نے پانی مانگا مگر یہاں پانی دینے والا کون تھا۔ یہ ختم ہو گیا۔ لاش اٹھا کر شاہراہ پر پھینک دی۔ لاش لاوارث قرار دی جا رہی تھی کہ قریب کے گاؤں کا نمبردار محمد علی بلوایا گیا اس نے لاش شناخت کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مرزائی مبلغ محمد امین کی لاش ہے۔ یہ قتل کیسے ہوا، مجھے اس کا علم نہیں۔ البتہ مقتول کو میں نے کئی دفعہ چودھری فتح محمد سیال کی کوٹھی پر آتے جاتے دیکھا ہے۔

محمد امین بخارا دجالی

مگر فتح محمد پر ہاتھ کون ڈالے اور پھر انگریزی راج میں۔ آخر لاش کو لاوارث قرار دے کر دفنا دیا گیا۔

"مرا مردود نہ فاتحہ نہ درود" یہاں تک کہ قبر کا نشان بھی ختم کر دیا گیا۔

مولانا عبدالکریم مباہلہ
دفتر احرار میں !

یہ ۱۹۳۲ء کا سال ہے۔ احرار رہنما اس سال کشمیری مسلمانوں کی جنگ آزادی کے جرم میں قید افرنگ سے رہا ہو کر آ رہے تھے، کچھ آ چکے تھے۔ دفتری نظام نئے سرے سے ترتیب دیا جا رہا تھا۔ کارکن سال ہا سال کی اسیری کے بعد سنبھالا لے رہے تھے۔ ؎ دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر تیرا راہ گزر یاد آیا !

انہیں دنوں مولانا عبدالکریم مباہلہ مفکرِ احرار چودھری افضل حق سے ملنے احرار کے دفتر آئے۔ تعارف کے بعد اپنی رام کہانی اور قادیان کے اندرونی واقعات ابنِ دجال کے کارنامے تفصیل سے بیان کئے۔

چودھری افضل حق کی عادت تھی کہ وہ نو وارد کی گفتگو خاموشی اور متانت سے سنتے، دورانِ گفتگو نہ سوال کرتے نہ ٹوکتے۔ اس روایت کے مطابق قریباً تین گھنٹے چودھری صاحب اور مباہلہ کے مابین بیٹھک رہی، چودھری صاحب نے تمام گفتگو سن کر مولانا مباہلہ سے دوسرے دن آنے کو کہا۔

جیسے کہ قارئین زیرِ مطالعہ کتاب کے گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ پنجاب کا مسلمان ہنوز اُسی ڈگر پر رواں دواں تھا سنی مولوی کی داڑھی وہابی مولوی کے ہاتھ میں تھی اور وہابی کی داڑھی سنی کھینچ رہا تھا۔ شیعہ ذاکر دونوں پر طبری بازی میں مصروف تھا مسجدوں، امام باڑوں اور شاہراہوں پر باہم مناظروں کی محفلیں بدستور جم رہی تھیں۔

دجالی گروہ اپنی جگہ پانچواں سوار بن کر اپنے مقاصدِ باطلہ میں مصروف تھا احرار کے بنیادی اصولوں میں چونکہ فرقہ وارانہ جھگڑوں کا دخل نہیں تھا۔ اُن کے نزدیک اس طرح کے باہمی تنازعات ملتِ اسلامیہ کے لئے ضرر رساں تھے۔ البتہ انگریز خوش تھا کہ اُلٹے بانس بریلی کو۔ کل جو اس کی دشمنی پر متحد تھے۔ آج باہم اُلجھ رہے ہیں ـــــ اس بنیاد پر چودھری صاحب نے مولانا مباہلہ کی گفتگو سنی تو ضرور لیکن اپنے مؤقف کے باعث کوئی رائے قائم نہ کر سکے، اس لئے انہیں ٹالنے کے انداز میں دوسرے روز آنے کو کہا۔ ممکن ہے وہ رات بھر اس پر غور کرتے رہے ہوں۔

دوسرے روز مولانا مباہلہ آئے تو چودھری صاحب نے کہا۔

"مولانا آپ کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم (احرار) انگریز سے ہندوستان کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ مذہب کے نام پر آپس کی ہاتھا پائی احرار کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ ہماری

مولانا مباہلہ چودھری صاحب کی گفتگو سمجھ گئے اور وہ بغیر کچھ کہے اگلے روز پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔

دل لگی اور دل کی لگی میں اسی قدر بُعد ہے جس قدر کہ آدمی اور آدمیت میں۔ دلگی، دل لگی ہے۔ لیکن دل کی لگی سکون حرام کر دیتی ہے۔ مولانا مباہلہ کے والد دجالِ قادیان کے فریب خوردہ تھے مگر ہوش آنے تک وہ وراثت کے ساتھ اس بازار میں آبرو بھی گنوا چکے تھے۔ آنکھ کھلی تو پنوں کے بھائی اُسے سسی سے دور لے جا چکے تھے۔ اب کوئی چارہ اس کے سوا نہیں تھا کہ محبوب مطلوب کو تپتی ریت میں تلاش کرے، مگر جانے والے لوٹ کر نہیں آتے۔

مباہلہ خاندان جو کچھ کھو چکا تھا وہ کھو چکا۔ اُس کا حصول ممکن نہیں تھا، تاہم

؎ خود تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

آدمی جب انتقام کے جذبات سے لیس ہو تو اپنے ساتھ دوسرے کا چین بھی ضائع کر دیتا ہے۔

؎ فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

حسب وعدہ مولانا مباہلہ تیسرے دن دفتر احرار میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک دستاویز تھی، جسے وہ یہ کہہ کر چودھری صاحب کے حوالے کر کے چلے گئے۔

" چودھری صاحب! آپ اس کا مطالعہ کریں، میں ایک ہفتہ کے بعد حاضر ہوں گا۔"

خواہش ہے کہ ملک سے شیعہ سُنی اور اہلحدیث کے فروعی جھگڑے ختم کر دیئے جائیں تاکہ انگریز کے خلاف محاذ مضبوط ہو۔ آپ ایک نئی لڑائی ہمارے گلے ڈال رہے ہیں۔"

یہ حقیقت ہے کہ احرار من حیث الجماعت مرزائیت کی تحریک سے قطعاً نہ آشنا تھے، یہی وجہ ہوئی کہ مولانا مباہلہ کی گفتگو سے چودھری صاحب یہی سمجھے کہ یہ بھی از قسم فرقہ وارانہ جھگڑا ہے جس طرح کہ پیشتر سے ہو رہے ہیں۔

احرار ذہنی طور پر فرقہ واریت سے نفرت کی حد تک پہنچ چکے تھے، اسی بنیاد پر مجلسِ احرار میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ صفِ اوّل کے رہنماؤں میں شامل تھے۔

بحضورِ عالی شان قیصرہ ہند ملکہ معظمہ شہنشاہ ہندوستان و انگلستان ادام اللہ اقبالہا،

سب سے پہلے یہ دُعا ہے کہ خُدا تعالےٰ قادرِ مطلق اس ہماری عالیجاہ قیصرہ ہند کی عمر میں بہت بہت برکت بخشے اور اقبال اور جاہ و جلال میں ترقی دے اور عزیزوں اور فرزندوں کی عافیت سے آنکھ ٹھنڈی رکھے۔ اس کے بعد اس عریضہ کے لکھنے والا جس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی ہے، جو پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں قادیان نام میں رہتا ہے جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ ستر میل مشرق اور شمال کے گوشہ میں واقع اور گورداسپور کے ضلع میں ہے۔ یہ عرض کرتا ہے کہ اگرچہ اس ملک کے عموماً تمام رہنے والوں کو بوجہ اُن آراموں کے جو حضور قیصرہ ہند کے عدل عام اور رعایا پروری اور دادگستری سے حاصل ہو رہے ہیں اور بوجہ اُن تدابیر امن عامہ اور تجاویز آسائش جمیع طبقات رعایا کے ہوکروڑہا روپیہ

کے خرچ اور بے انتہا فیاضی سے ظہور میں آتی ہیں جناب ملکہ معظمہ دام اقبالہا سے بقدر اپنی فہم اور عقل اور شناخت احسان کے درجہ بدرجہ محبت اور دلی اطاعت ہے اور بجز بعض قلیل الوجود افراد کے جو میں گمان کرتا ہوں کہ در پردہ کچھ ایسی بھی ہیں، جو وحشیوں اور درندوں کی طرح بسر کرتے ہیں، لیکن اس عاجز کو بوجہ اُس معرفت اور علم کے جو اس گورنمنٹ عالیہ کے حقوق کی نسبت مجھے حاصل ہیں۔

درخواست گورنمنٹ آف انڈیا کے حضور میں، تجویز تعطیل جمعہ

چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام نقشہ جات میں درج کئے جائیں، جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور ایک چھپی ہوئی بغاوت کو اپنے دلوں میں رکھ کر اس اندرونی بیماری کی وجہ سے فرضیت جمعہ سے منکر ہو کر اس کی تعطیل سے گریز کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ نقشہ اسی غرض کے لئے تحریر کیا گیا ہے تاکہ اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں، جو ایسے باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں۔

اگرچہ گورنمنٹ کی خوش قسمتی سے برٹش انڈیا میں مسلمانوں میں ایسے لوگ معلوم ہو سکتے ہیں جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں، اس لئے ہم نے اپنی محسن گورنمنٹ کی پولیٹیکل خیر خواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہی چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو اُن شریر لوگوں کے نام ضبط کئے جائیں، جو اپنے عقیدہ سے اپنی مفسدانہ حالت کو ثابت کرتے ہیں، کیونکہ جمعہ کی تعطیل کی تقریب پر اُن لوگوں کو شناخت کرنا ایسا آسان ہے کہ

اس کی مانند ہمارے ہاتھوں میں کوئی بھی ذریعہ نہیں، وجہ یہ کہ جو ایک ایسا شخص ہو جو اپنی نادانی اور جہالت سے برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتا ہے وہ جمعہ کی فرضیت سے ضرور منکر ہوگا اور ایسی حالت سے شناخت کیا جا سکے گا کہ وہ درحقیقت کیسا آدمی ہے۔

لیکن ہم گورنمنٹ میں بادب اطلاع کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولٹیکل راز کی طرح اس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں گے جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ حکیم مزاج بھی ان نقشوں کو ایک ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی اور بالفاعل یہ نقشے جن میں ایسے لوگوں کے نام مندرج ہیں۔ گورنمنٹ کو بھیجے جائیں گے، صرف اطلاع کے لئے ۔ ۔ ۔ ریر اس میں سے ایک سادہ نقشہ چھپا ہوا جس پر کوئی نام درج نہیں۔ فقط یہی مضمون درج ہے۔ ہمراہ درخواست بھیجا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے نام بمعہ پتہ و نشان یہی ہیں۔

تبلیغ رسالت جلد پنجم ص۱۱/۱۲ (مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

نمبر شمار	نام معہ لقب وغیرہ	سکونت	ضلع	کیفیت

نونہال سنگھ ۔ شیر سنگھ ،
(یہ دونوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فوجی جرنیل تھے

دربار لاہور کے دروازہ میں غلام مرتضےٰ (غلام احمد کا والد) ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں جرنل ونچورہ کے ساتھ منڈی کلو کی طرف بھیجا گیا۔ ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کماندار بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ (یاد رہے کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ اور ان کے ساتھیوں سے بالاکوٹ کی لڑائی میں سکھوں کی فوج میں شامل ہو کر ان مجاہدوں سے لڑتا رہا) میں اس نے کارہائے نمایاں ادا کئے اور ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو وہ اپنی سرکار (سکھوں) کا وفادار رہا۔ اس طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۲۱)

•

مَیں نہیں کہتا کہ گورنمنٹ اُن کی اس خدمات کو کبھی نہیں بھولے گی کہ انہوں نے (غلام احمد کے باپ اور بھائی) ۱۸۵۷ء کے نازک وقت میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس سوار اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مہیا کر کے گورنمنٹ (برطانیہ) کی امداد کے لئے دیتے تھے ۔

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۳۲

•

اور پھر بھائی مرزا غلام قادر تموں کی لڑائی میں شریک تھا اور بڑی جانفشانی سے مدد دی۔ غرض اس طرح میرے بزرگوں نے اپنے خون اپنے مال اپنی جان سے اپنی متواتر خدمتوں سے اپنی

وفاداری کو گورنمنٹ (برطانیہ) کی نظر میں ثابت کیا۔
(سیرت المہدی حصہ اوّل صا۱۳۲)

●

میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدماتِ سرکار میں مصروف رہا اور جب تموں کے گذر مفسدوں کا سرکارِ انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکارِ انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔

پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا تاہم سترہ برس سے سرکار انگریزی کی امداد اور تائید میں اپنی قلم سے کام لیتا ہوں۔

اس سترہ برس کی عمر میں جس قدر میں نے کتابیں تالیف کیں اُن سب میں سرکار انگریزی کی اطاعت اور ہمدردی کے لئے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہایت مؤثر تقریریں لکھیں اور قرین مصلحت سمجھ کر اس امر ممانعتِ جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کے لئے عربی اور فارسی میں کتابیں تالیف کیں۔ جن کی چھپائی اور اشاعت پر ہزاروں روپے خرچ ہوئے اور وہ کتابیں عرب اور بلاد شام اور روم اور مصر اور بغداد اور افغانستان میں شائع کیں۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت ان کا اثر ہوگا۔

اس قدر بڑی کارروائی اور اس قدر دور دراز مدت تک ایسے انسان سے ممکن ہے۔ جو دل میں بغاوت کا ارادہ رکھتا ہو؟ پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظِ امن اور جہادی خیالات کو روکنے کے لئے برابر سترہ سال

تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا ہے کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے خلاف ہیں کوئی نظیر ہے؟ اگر میں نے یہ اعانت گورنمنٹ انگریزی کی سچی خیر خواہی سے نہیں کی تو مجھے ایسی کتابیں عرب اور بلادِ شام اور روم وغیرہ۔ بلاد اسلامیہ میں شائع کرنے سے کسی انعام کی توقع تھی؟

یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ برابر سترہ سال کا ہے۔
ستارۂ قیصرہ ص۴، ۵، ۶، (مصنفہ غلام احمد مرزا)

●

اے ملکہ معظمہ تیرے وہ پاک ارادے ہیں جو آسمانی مدد کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور تیری نیک نیتی کی کشش ہے جس سے آسمان رحمت کے ساتھ زمین کی طرف جھکتا جاتا ہے۔ اس لئے تیرے عہدِ سلطنت کے سوا اور کوئی عہدِ سلطنت ایسا نہیں جو مسیح کے ظہور کے لئے موزوں ہو۔

سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور نازل کیا کیونکہ نور نور کو اپنی طرف کھینچتا اور تاریکی تاریکی کو کھینچتی ہے۔

(ستارہ قیصرہ ص۶۔ مصنفہ غلام احمد)

●

سو یہ مسیح موعود جو دنیا میں آیا۔ تیرے ہی وجود کی برکت اور دلی نیک نیتی اور سچی ہمدردی کا ایک نتیجہ ہے۔ خدا نے تیرے عہدِ سلطنت میں دنیا کے دردمندوں کو یاد کیا اور آسمان سے اپنے مسیح (غلام احمد) کو بھیجا اور وہ تیرے ہی ملک میں اور

تیری ہی حدود میں پیدا ہوا۔
(ستارۂ قیصر ص۸ مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

اے ملکۂ قیصرِ ہند خدا تجھے اقبال اور خوشی کے ساتھ عمر میں برکت دے تیرا عہدِ حکومت کیا ہی مبارک ہے کہ آسمان سے خدا کا ہاتھ تیرے مقاصد کی تائید کر رہا ہے تیری ہمدردئ رعایا اور نیک نیتی کی راہوں کو فرشتے صاف کر رہے ہیں۔
ستارہ قیصر ص۸، ۹
(مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

شریر ہے وہ انسان جو تیرے عہدِ سلطنت کی قدر نہیں کرتا اور بدذات ہے وہ نفس جو تیرے احسانوں کا شکرگزار نہیں، چونکہ یہ مسئلہ تحقیق شدہ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتا ہے اس لئے مجھے ضرورت ہے کہ میں اپنی زبان کی لفاظی سے اس بات کو ظاہر کروں کہ میں آپ سے دلی محبت رکھتا ہوں اور میرے دل میں خاص طور پر آپ کی محبت اور عظمت ہے، ہماری دن رات کی دعائیں آپ کے لئے آبِ رواں کی طرح جاری ہیں اور ہم نہ سیاست قہری کے نیچے ہو کر آپ کے مطیع ہیں بلکہ آپ کی انواع و اقسام کی خوبیوں نے ہمارے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔

بابرکت قیصرۂ ہند تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو۔ خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں جس پر تیری نگاہیں ہیں، خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیری نگاہیں۔ خدا کی

رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔

(ستارہ قیصرہ ص۹ مصنفہ غلام احمد)

●

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اپنی گورنمنٹ کا پکا خیرخواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضےٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیرخواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گرفن صاحب کی تاریخ رئیسانِ پنجاب میں ہے۔

اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی۔ پچاس سوار اور گھوڑے باہم پہنچا کر زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے جو چھٹیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہوگئیں"

(ستارۂ قیصرہ ص۳،۴)

●

بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ (برطانیہ) سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟

یہ سوال اُن کا نہایت ہی حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے، اس سے جہاد کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی کا کام ہے۔

شہادت القرآن ص۶۹

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

جس گورنمنٹ کے زیر سایہ خدا نے ہم کو کر دیا ہے یعنی گورنمنٹ برطانیہ جو ہماری آبرو اور جان و مال کی محافظ ہے۔ اس کی سچی خیر خواہی کرنا اور ایسے مخالفِ امن امور سے دُور رہنا جو اس کو تشویش میں نہ ڈالیں۔

(ستارۂ قیصرہ صـ۱۲ مرزا غلام احمد)

●

خدا کا یہ فضل اور احسان ہے کہ ایسی محسن گورنمنٹ کے زیر سایہ ہمیں رکھا۔ اگر ہم کسی اور سلطنت کے زیر سایہ ہوتے تو یہ ظالم تباہ ملا کب ہماری جان و آبرو کو چھوڑنا چاہتے۔

(ستارۂ قیصرہ صـ۱۲ مرزا غلام احمد)

●

آمین

۲۰ اگست ۱۸۹۹ء

الملتمس خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

" یاد رہے کہ مسلمان کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے۔ ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں اور نہ اس کا انتظار ہے بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ بظاہر طور پر اور نہ پوشیدہ طور پر جہاد کی تعلیم کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا اور نہ قطعاً اس بات کو حرام جانتا ہے کہ دین کی اشاعت کے لئے لڑائیاں کی جائیں۔ (تریاق القلوب صـ۳۳۲ مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

•

میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اور اس نے مجھے بھیجا ہے اور اُس نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اس نے مجھے مسیح الموعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے، جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔

حقیقۃ الوحی ص ۶۸

•

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معانی سے نبی ہوتا ہے گو اس کے لئے نبوتِ تامہ نہیں تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔

(ازالہ اوہام ص ۴۲ خورد و کلاں)

•

اور چونکہ وہ بروزِ محمدی جو قدیم سے موجود تھا۔ وہ میں ہوں اس لئے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا ہوئی ہے۔

(اشتہار۔ ایک غلطی کا ازالہ)

مصنفہ مرزا غلام احمد

•

میں خدا کی تیئس ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیسے رد کر سکتا ہوں میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسے کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔

حقیقۃ الوحی ص ۱۵۰، انجام آتھم ص ۶۲

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

•

مَیں آدم ہوں۔ شیث ہوں۔ مَیں نوح۔ مَیں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں۔ میں اسمٰعیل ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں، اور آنحضرت صلعم کے نام کا مظہر اتم ہوں۔ یوں ظلّی طور پر میں محمدؐ اور احمدؐ ہوں۔
(حاشیہ حقیقۃ الوحی ص۷۲ نزدل المسیح ص۴)

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

•

اور مَیں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ مَیں خدا ہو گیا ہُوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے اور اس حالت میں یوں کہہ رہا ہوں کہ ہم ایک نیا نظام اور آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں تو پہلے مَیں نے آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور تفریق کی اور میں دیکھتا کہ میں اس خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان و دنیا کو پیدا کیا
کتاب البریہ ص۷۸۔ آئینہ کمالات ص۵۶۹ لاہوری

مصنفہ مرزا غلام احمد

اخبار الحکم قادیاں۔ ۲۴۔ فروری ۱۹۰۵ء

•

اس خدا کی تعریف جس نے مجھے مسیح ابنِ مریم بنایا
حاشیہ حقیقۃ الوحی ص۷۲

مصنفہ مرزا غلام احمد

•

اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا تھا۔ وہ تو ہی ہے۔ آریوں کا بادشاہ۔ حقیقۃ الوحی ص۱۵۵
مصنفہ مرزا غلام احمد

●

میں (غلام احمد) کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وسیع اور مصفا مکان ہے۔ اس میں ایک پلنگ بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک شخص حاکم کی صورت میں بیٹھا ہے میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ حاکم الحاکمین یعنی رب العالمین ہیں اور میں اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے حاکم کا کوئی رشتہ دار ہوتا ہے۔ میں نے کچھ احکام قضاً و قدر کے متعلق لکھے اور ان پر دستخط کروانے کی غرض سے ان کے پاس لے چلا ہوں۔ جب میں پاس گیا تو انہوں نے مجھے نہایت شفقت سے اپنے پاس پلنگ پر بٹھلا لیا۔ اس وقت میری ایسی حالت ہوتی جیسے ایک بیٹا اپنے باپ سے بچھڑا ہوا سالہا سال کے بعد ملتا ہے اور قدرتاً اس کا دل بھر آتا ہے۔ میرے دل میں اس وقت یہ بھی خیال آیا کہ یہ حاکم الحاکمین کہ ربّ العالمین ہیں اور اس محبّت اور شفقت سے انہوں نے اپنے پاس بٹھلا لیا ہے، اس کے بعد میں نے وہ احکام جو لکھے تھے دستخط کرنے کی غرض سے پیش کئے انہوں نے قلم سرخی کی دوات میں جو پاس پڑی تھی میری طرف جھاڑ کر دستخط کر دیئے۔

سیرت المہدی صـ۸۲، ۸۳ حصّہ اوّل

●

مَیں نے (غلام احمد) خواب میں ایک مرتبہ دیکھا کہ سیّد عبدالقادر جیلانی آئے ہیں اور آپ نے پانی گرم کر کے مجھے غسل دیا ہے اور نئی پوشاک پہنائی ہے اور گول کمرے کی سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ آؤ ہم اور تم برابر برابر کھڑے ہو کر قد ناپیں، پھر انہوں نے میرے بائیں طرف کھڑے ہو کر کندھے سے کندھا ملایا۔

تو اس وقت ہم برابر برابر رہے۔

(سیرت المہدی صلا حصہ سوم)

●

حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جب کہ اُن کا زمانہ اوقات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک سیرت مجھ (غلام احمد) کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کس قدر روزے انوارِ سماوی کی پیشوائی کر کے رکھنا سنت خاندانِ نبوّت ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہلِ بیت و رسالت کو بجالاؤں۔

سو میں نے کچھ مدت تک التزام وصوم کو مناسب سمجھا اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے اور علاوہ اس کے انوارِ روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز اور سرخ ایسے دلکش اور دل ستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے' وہ نورانی ستون سید ھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سُرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔

دُنیا میں کوئی بھی ایسی لذّت نہ ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور رُوح کو لذت آتی تھی۔ . . . .

میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندے کی محبت کی ترغیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر

سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوتی یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دُنیا کی نظروں سے بہت دُور ہیں۔ دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امُور سے خبر ملتی ہے۔

تذکرہ صـ۲۲ تا ۳۲۔ کتاب البریہ صـ۱۶۴ تا ۱۶۷
ماخوذ سیرت نصرت جہاں بیگم صـ۷۹، ۸۰

•

تصویر کا دوسرا رُخ ،

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔
بحوالہ حقیقۃ النبوۃ صـ۲۷۲ مصنفہ محمود احمد قادیانی
اخبار بدر ۵ رسـ۱۹۰۸ء قادیان

•

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑ دو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعہ ہیں اور اگر تجربہ کی رُو سے خدا کی تائید مسیح ابنِ مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔
دافع البلا صـ۲۰ (مصنفہ مرزا غلام احمد)

•

کل مسلمانوں نے مجھے قبول کر لیا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کی ہے مگر کنجریوں اور بدکار عورتوں کی اولاد نے

مجھے نہیں مانا۔

آئینہ کمالات ص۳۵ ۴ مطبوعہ لاہور
مصنفہ مرزا غلام احمد

•

جو شخص میرا مخالف ہے وہ عیسائی۔ یہودی۔ مشرک اور جہنمی ہے۔
نزول المسیح ص۴ مصنفہ مرزا غلام احمد

•

جو شخص ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اُسے ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے۔
انوار الاسلام ص۳۰ مرزا غلام احمد

•

میں نے (مرزا غلام احمد) اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا اور میں ایک سوراخ دار برتن کی طرح ہو گیا ہوں یا اس شے کی طرح جسے کسی دوسری شے نے اپنی بغل میں دبا لیا ہو اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا ہو۔ یہاں تک کہ کوئی نام و نشان باقی نہ رہ گیا ہو۔

اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہو گئی، اور میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا یہاں تک میرا کوئی ذرہ باقی نہ رہا اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو میرے اعضا اس کے اعضا میری آنکھ اس کی آنکھ۔ میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی۔ میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور

قوت مجھ میں جوشش مارتی ہے اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔

حضرت عزت کے خیمے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے اور سلطان جبروت نے میرے نفس کو پیس ڈالا۔ سو نہ تو میں رہا اور نہ ہی کوئی تمنا ہی باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گرگئی اور رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی اور الوہیت بڑے زور کے ساتھ مجھ پر غالب ہوتی اور میں سر کے بالوں سے ناخن پا تک اس کی طرف کھنچ گیا۔ پھر ہمہ مغز ہوگیا جس میں کوئی پوست نہ تھا اور تیل بن گیا جس میں کوئی میل نہ تھی اور مجھ میں اور میرے نفس میں جُدائی ڈال دی گئی۔ پس میں اس شے کی طرح ہوگیا جو نظر نہیں آتی۔

اس قطرے کی طرح جو دریا میں جا ملے اور دریا اس کو اپنی چادر کے نیچے چھپالے۔ اس حالت میں مَیں نہیں جانتا تھا کہ اس سے پہلے میں کیا تھا اور میرا وجود کیا تھا۔ الوہیت میری رگوں اور میرے پٹھوں میں سرایت کرگئی اور میں بالکل اپنے آپ سے دُور ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے سب اعضا اپنے کام میں لگائے اور اس زور سے اپنے قبضہ میں کرلیا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں چنانچہ اس کی گرفت میں بالکل معدوم ہو گیا اور میں اس وقت یقین کرتا تھا کہ میرے اعضا میرے نہیں بلکہ اللہ کے اعضا ہیں اور میں خیال کرتا تھا کہ مَیں اپنے سارے وجود سے معدوم اور اپنی حیثیت سے قطعاً نکل چکا ہوں۔ اب کوئی شریک اور کوئی منازع روک کرنے والا نہیں رہا۔ خدا میرے وجود میں داخل ہوگیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی اور شیرنی اور حرکت اور سکون سب اس کا ہوگیا اور اس حالت میں مَیں یوں کہہ رہا ہوں ہم ایک نیا نظام نیا آسمان نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے پہلے تو آسمان

اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا اور کہا۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ،

پھر میں نے کہا کہ اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کریں گے۔

پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہو گئی اور میری زبان پر جاری ہوا۔

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ آدَمَ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

تذکرہ صفحہ ۱۹۴، ۱۹۵ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۵ تا ۵۶۶

ماخوذ سیرت نصرت جہاں بیگم صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲ حصہ اوّل

●

پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے۔ اِس کو تم چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔

ملفوظات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۱۳۱

اخبار الحکم نومبر ۱۹۱۲ء

●

اس وقت اسلامی دُنیا پانچ وقت اللہ کی عظمت، بزرگی اور بڑائی کا اعلان۔ کلمہ اللہ اکبر کے ساتھ کرتی ہے۔ اہل اسلام کا نعرہ جنگ میں اور صلح میں ہر حال میں یہی ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کی بڑائی کے بعد سب سے بڑھ کر ہر زمانہ میں وہ ہے جس کو اللہ اپنا برگزیدہ رسول بنا کر مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھیجے اور ان رسولوں کے بعد ان کے جانشین خلفاء راشدہ سب

سے بڑے انسان حضرت مسیح الموعود مہدی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام والصلوٰۃ گزرے ہیں اور اب سب سے بڑا انسان اس رسول کا جانشین اور خلیفہ برحق ہے جس کی نسبت پہلے سے پیشگوئی ہو چکی ہے اور تورات اور زبور میں بھی جس کا ذکر ہے اور جو حضرت مسیح الموعود کا نہ صرف پسر ہے۔ موعود ہے بلکہ خلیفہ ماعود ہے۔

(الفضل خلافت جوبلی نمبر قادیان، ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۹ء)

●

آخر ایک ایسی جگہ میں پہنچا ہوں جہاں ایک میدان ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہاں ایک باغ ہے جس میں میرا مکان ہے میرے پیچھے پیچھے وہ عورت بھی پہنچ گئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جنت میں میرے ساتھ رہنے کے لئے آئی ہے، وہ بہت خوبصورت ہے۔ میں اس کی تھوڑی پکڑ کر کہتا ہوں کہ کیا تم بھی جنت میں میرے ساتھ رہو گی؟ اس نے کہا ہاں۔ میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں گی۔ میں نے کہا کہ تمہیں میری بیویوں کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ وہ کچھ حیرت ظاہر کرتی ہے۔ بیویوں کے ساتھ؟ مگر اس نے انکار نہیں کیا۔ اس وقت ایک دم میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ خوبصورت عورت اللہ ہے، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

(خواب) بشیر الدین محمود

اخبار الفضل جلد ۳۵ ۶۷ ۲۰ر مارچ ۱۹۴۷ء

●

حضرت مسیح الموعود نے فرمایا کہ ایک دفعہ جب میں کسی سفر سے قادیان واپس آرہا تھا تو میں نے بٹالہ پہنچ کر قادیان کے لئے یکہ کرایہ پر لیا۔ اس یکے پر ایک ہندو سواری بھی بیٹھنے والی تھی۔

جب ہم سوار ہونے لگے تو وہ ہندو جلدی کرکے اس طرف بیٹھ گیا جو سورج کے رُخ سے دوسری جانب تھی اور مجھے سورج کے سامنے بیٹھنا پڑا۔ جب ہم شہر سے باہر نکلے تو ناھگاہ بادل کا ایک ٹکڑا اٹھا اور میرے اور سورج کے درمیان آگیا اور ساتھ ساتھ قادیان تک آیا۔

سیرت المہدی حصہ اوّل صد ۵

مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود

●

جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر وہ دُوسری باتوں میں اس پر کوئی اعتماد نہیں رہتا۔

چشمۂ معرفت صد ۲۲۲

مصنفہ مرزا غلام احمد

●

قرآن شریف خُدا کا کلام ہے اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔

حقیقۃ الوحی صد ۸۴

مصنفہ غلام احمد مرزا

●

اے میرے عزیزو۔ تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص (مرزا غلام احمد) کو تم نے دیکھ لیا ہے جس کو دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔

اربعین نمبر ۴ صد ۱۴

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔

حقیقۃ الوحی صد ۳۹۱ مرزا غلام احمد)

•

تمام نبیوں نے ابتدا سے آج تک میرے لئے خبریں دی ہیں۔
تذکرہ اشتہار صہ ۶۲
مصنفہ مرزا غلام احمد

حضرت مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت رسول کریم صلعم کی بعثت ثانیہ ہے۔ آپ کے صحابہ رسول کریم صلعم کے صحابہ کے مثیل ہیں اور آپ کے خلفاء رسول کریم صلعم کے خلفا کے مثیل ہیں۔ جو آپ سے محبت کرتا ہے وہ رسول کریم صلعم سے محبت کرتا ہے۔ جو آپ سے دشمنی رکھتا ہے وہ رسول صلعم کا دشمن ہے۔ جو آپ کے صحابہ اور آپ کے خلفا اور آپ کی اولاد سے محبت کرتا ہے اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وُہ رسول کریم صلعم کے صحابہ اور آپ کے خلفا اور آپ کی اولاد سے محبت کرتا ہے اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن جو، حضرت مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفا کا دشمن ہے وہ یقیناً رسول کریم صلعم کے خلفاء کا دشمن ہے۔ آنحضرت صلعم کا پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا خلیفہ حضرت مولوی حکیم نور دین رضی اللہ عنہ تھے۔

کتنی شاندار صداقت ہے کہ مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آنا رسول کریم صلعم کا آنا ہے اور آپ کے بعد خلیفۃ اوّل یعنی حضرت مولوی نور دین رضی اللہ عنہ کا وجود رسول کریم صلعم کے بعد خلیفۃ اوّل یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وجود ہے۔
مضمون اخبار "الفضل" نمبر ۴۲
۱۴ ر مارچ ۱۹۴۶ء قادیان

•

مجھے بتایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔

هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ - (قرآن)

کتاب اعجاز احمدیہ صـــ مصنفہ غلام احمد
الفضل اخبار ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء

●

مجھے خدا نے یسوع مسیح کے رنگ میں پیدا کیا اور تو اور طبع کے لحاظ سے یسوع کی روح میرے اندر رکھی۔

(تحفہ قیصریہ مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

اسلام میں خدا نے ایک عظیم الشان نبی بھیجا ہے تاکہ وہ اس زندہ خدا کا لوگوں کو پتہ دے جو اسلام نے پیش کیا ہے اور ان کا نام نامی حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہے جو قادیان پنجاب میں مبعوث ہوا۔

(اخبار الفضل جلد ۲۵ نمبر ۲۶۲، ۱۱ر نومبر ۱۹۳۷ء)

●

ایک دفعہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور سوال کیا کہ قرآن کریم سے مرزا (غلام احمد) صاحب کی صداقت کا ثبوت پیش کریں۔ ایسے لوگ اکثر آتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سارا قرآن ہی آپ کی صداقت کا ثبوت ہے۔

بیان بشیر الدین محمود
الفضل ۵ر فروری ۱۹۳۸ء

●

محمّد الرسول اللہ والذین معہ اشداءُ علی الکفار رحماء بینھُم ۔

اس وحی الٰہی میں خُداوند تعالیٰ نے میرا نام محمد رکھا اور رسول بھی۔

ایک غلطی کا ازالہ۔ مصنفہ مرزا غلام احمد
شائع کردہ ربوہ۔ ضلع جھنگ

●

مرزا غلام احمد صاحب کو وہ امام مہدی اور مسیح مانتے ہیں جس کی خبر تمام انبیا علیہم اجمعین نے اور حضرت محمدؐ رسول خاتم النبیّین نے دی۔ ہم بغیر کسی فرق کے بہ لحاظِ نبوّت کے انہیں ایسا ہی رسول مانتے ہیں جیسا کہ پہلے رسول مبعوث ہوتے رہے۔

الفضل جلد ۵ نمبر ۳۱/۳۲
اکتوبر ۱۹۱۷ء قادیان

●

لیکن کیا امتّی کہلانے سے آپ کی نبوّت تامہ کاملہ نہ رہی یا آپ نبوّت کے لحاظ سے پہلے نبیوں سے شان میں کم رہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ کا کسی پہلے نبی سے نبوت کے لحاظ سے کم رہنا تو الگ رہا۔ آپ تو اپنے متعلق فرماتے ہیں۔

کہ

خدا نے اُس اُمت میں سے مسیح الموعود بھیجا، جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی شان میں بہت بڑھ کر ہے۔

الفضل جلد ۴ نمبر ۴۵
۹ر دسمبر ۱۹۱۶ء قادیان

●

ایک دن جب میں عشاء کی نماز سے فارغ ہوا تو اس وقت نہ مجھ پر نیند طاری تھی اور نہ ہی میں اونگھ رہا تھا اور نہ ہی کوئی بے ہوشی کے آثار تھے بلکہ میں بیداری کے عالم میں تھا۔ اچانک سامنے سے ایک آواز آئی۔ آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھٹکھٹانے لگا، تھوڑی دیر کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے جلدی جلدی میرے قریب آرہے ہیں۔ بیشک یہ پنجتن پاک تھے یعنی علی ساتھ اپنے دو بیٹوں کے اور ساتھ اپنی بیوی فاطمہ کے اور سردار مرسلین کے، اور دیکھتا کیا ہوں کہ فاطمۃ الزہراؓ نے میرا سر اپنی ران پر رکھ لیا، اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا۔

آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷

مصنفہ مرزا غلام احمد

●

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم

(ترجمہ) میری آمد کی وجہ سے ہر نبی زندہ ہوگیا۔ ہر رسول میری قمیض میں چھپا ہوا ہے۔

نزول المسیح ص۱۰۰ درثمین ص۱۶۵

(مصنفہ غلام احمد)

●

کربلا ایست سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم

ترجمہ: کربلا میرے روز کی سیرگاہ ہے، حسین جیسے سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں۔

نزول المسیح ص۹۹

مصنفہ مرزا غلام احمد

●

اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا مونجی ہے۔ (نجات دینے والا ہے) کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں سے ایک ہے جو حسین سے بڑھ کر ہے۔

دافع البلآ ص۱۳

مصنفہ مرزا غلام احمد

●

یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔

بشیر الدین محمود

اخبار الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۴ء

●

دو برس تک صفتِ مریم میں مَیں نے پرورش پائی۔ پھر مریم کی طرح عیسٰی کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زائد نہیں بذریعہ الہام کے مجھے مریم سے عیسٰی بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔ یعنی مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے اور دردِ زِہ تنا کھجور کی طرف لے آئی۔

کشتی نوح ص۴۷ مصنفہ مرزا غلام احمد

●

بعض نادان شیعہ نے جنہوں نے حسینؑ کی پرستش کو اسلام کا مغز سمجھ لیا ہے ہمارے رسالہ دافع البلآ کے دیکھنے سے بہت زہر اگلا ہے اور گالیاں دے کر یہ اعتراض کیا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ شخص امام حسین سے افضل ہو۔

افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے امام حسین کے رتبہ اہلبیت کا بھی نہیں دیا بلکہ نام تک مرکوز نہیں۔ ان سے تو زید (غلام احمد) ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن میں موجود ہے۔ حق تو یہ ہے کہ کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِن الرِّجَالِکُمْ کی آیات میں اس تعلق کو جو امام حسینؑ کو آنحضرت صلعم سے بوجہ پسر دختر ہونے کے تھا۔ نہایت ہی ناپید کر دیا۔ لیکن میں مسیح الوعود نبی اور رسول ہوں۔ اب سوچنے کے لائق ہے کہ امام حسین کو مجھ سے کیا نسبت ہے۔

نزول المسیح ص۴۴

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیا محمد صلعم سے کوئی بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے تو میں کہا کرتا ہوں کہ خدا نے اس مقام کا دروازہ بھی بند نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد صلعم سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔

خطبہ بشیر الدین محمود

الفضل ۱۶ جون ۱۹۴۴ء ص۸

●

اب جو سید کہلاتا ہے۔ اس کی سیادت باطل ہو جاتی ہے۔ اب وہی سید ہو گا، جو حضرت مسیح الموعود (غلام احمد) کی اتباع میں داخل ہو گا۔ اب پرانا رشتہ کام نہیں آتے گا۔

قول الحق ص۳۲

مصنفہ بشیر الدین محمود

●

حق یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی روحانیت ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اعلیٰ اور اکمل اور اشد ہے بلکہ بدر کامل چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔

خطبہ الہامیہ ص۱۸۱
(مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

حضرت مسیح الموعود کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلعم سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح الموعود کو آنحضرت پر حاصل ہے۔

رسالہ ریویو۔ قادیان
مئی ۱۹۲۹ء

●

ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر نبی کریم کے بعد حضرت مرزا (غلام احمد) صاحب ایسے نبی ہیں کہ ان کا ماننا ضروری ہے تو پھر حضرت مرزا صاحب کا کلمہ کیوں نہیں پڑھا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا۔ پس جب بروزی رنگ میں مسیح موعود خود محمد الرسول اللہ ہی ہیں جو دوبارہ دنیا میں تشریف لاتے تو ہمیں کسی نئے کلمے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد الرسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو پھر یہ سوال اٹھ سکتا تھا۔

کلمۃ الفصل ص۱۰۱
مصنفہ شیخ بشیر احمد ایم۔ اے

●

حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی، جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں ایسے لفظ رُسول اور مُرسل اور نبی کے موجود ہیں، چنانچہ میری نسبت یہ وحی اللہ ہے محمد الرسول اللہ اسی وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص۲ مصنفہ غلام احمد)

●

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبےٰ باشد
تریاق القلوب ص۵ تختی خورد
نزول المسیح ص۹۸ مصنفہ مرزا غلام احمد

●

میں ابراہیم ہوں۔ اب میری پیروی میں نجات ہے۔ خُدا نے میرا نام ابراہیم رکھا ہے جیسا کہ فرمایا۔

سلامٌ علیٰ ابراھیم صافناہ و نجینٰہ من الغم وتخذو من مقام ابراھیم مصلی۔

یعنی سلام ہے ابراہیم پر۔ یعنی (غلام احمد) اس عاجز پر ہم نے اس سے دوستی کی اور ہر ایک غم سے اس کو نجات دلائی اور تم پر جو پیروی کرتے ہو۔ تم اپنی نماز گاہ ابراہیم کے قدموں کی جگہ بناؤ۔ یعنی کامل پیروی کرو تاکہ نجات پاؤ۔

یہ قرآن کریم کی آیت ہے اور اس مقام پر یہ معنی ہیں کہ یہ ابراہیم جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس طرز پر بجا لاؤ اور ہر ایک امر میں اس کے نمونے پر اپنے تئیں بناؤ۔ یہ آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب اُمت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے، تب

آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم (غلام احمد) کا پیرو ہوگا۔

ضمیمہ تحفہ گولڑویہ مصنفہ مرزا غلام احمد ص۳۱
(مطبوعہ بار دوم)

●

آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے۔ عیسائی مشنریوں نے عیسیٰ ابن مریم کو خدا بنایا اور اس نے اس مسیح کے مقابل پر جس کا نام خدا رکھا گیا۔ خدا نے امت میں سے مسیح الموعود بھیجا۔ جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔

دافع البلاء ص۱۳

جو وحی دنبوت کا جام ہر نبی کو ملا۔ وہ جام مجھے بھی ملا ہے۔ بخدا میں اپنی وحی کو مثل قرآن منزّا اور کلام مجید سمجھتا ہوں ۔ اگرچہ لاکھوں انبیا ہوتے ہیں لیکن میں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں جو یقین عیسیٰ کو انجیل پر ہے۔ موسیٰ کو توریت پر ہے۔ آنحضرت کو قرآن پر تھا۔ وہی یقین مجھے اپنی وحی میں ہے جو کوئی اس کو ناحق کہے وہ یقین نہ ہے۔

(نزول المسیح ص۹۹ مصنفہ غلام احمد)

●

خدا نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہوسکتی ہے پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے۔

چشمہ معرفت ص۳۱۷ (مصنفہ مرزا غلام احمد)

•

خدا تعالیٰ اپنی پاک وحی میں مسیح الموعود (غلام احمد) کو محمد الرسول اللہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ حضرت مسیح الموعود کا آنا بعینہٖ محمد الرسول کا دوبارہ آنا ہے۔ مسیح الموعود کو عین محمد ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو احمدیت کی اصل اصول کہی جا سکتی ہے۔

اخبار الفضل ۱۷ اگست ۱۹۱۵ء

•

قادیان میں اللہ نے پھر محمد صلعم کو اتارا ہے۔
کلمۃ الفصل صـ۱۰۴ تختی خورد ایڈیشن دوم
بشیر احمد ایم۔ اے۔

•

ہمارا عقیدہ ہے کہ دوبارہ حضرت محمد رسول ہی آتے ہیں اگر محمد رسول اللہ پہلے نبی تھے تو اس حیثیت میں بھی اگر محمد رسول اللہ کے انکار سے پہلے انسان کافر ہو جاتا تھا تو اب بھی آپ کے انکار سے انسان ضرور ضرور کافر ہو جائے گا۔ ہم (احمدیوں) نے مرزا (غلام احمد) کو بحیثیت مرزا نہیں مانا بلکہ خدا نے اسے محمد رسول اللہ فرمایا ہے۔

ہم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ کیونکہ ہم اگر ساری جائیدادیں سارے اموال اور جانیں قربان کر دیتے تو بھی صحابہ کرام میں شامل نہ ہو سکتے۔ یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ غوث، قطب، ولی جتنے بزرگ امت محمدیہ میں گزرے ہیں ان کا ایمان صحابی کے ایمان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور اس شرف کو نہیں پا سکتے، جو صحابہ عظام نے پایا ہے کیونکہ انہیں محمد رسول اللہ کا چہرہ نہیں دیکھا۔ مگر اللہ نے ہمیں محمد کا چہرہ مبارک

دکھایا کہ اس کی محبت مستعار کر کے صحابہ کرام کے گروہ میں شامل کر دیا!"
تقریر مفتی اعظم قادیانی
مولوی سرور شاہ اخبار الفضل، ۲ ستمبر ۱۹۱۴ء

●

آخری گذارش!

چودھری صاحب! گذشتہ پندرھواڑہ سے آپ کو ایک فعال جماعت کے رہنما کی حیثیت سے قادیان کے احوال و واقعات سے آگاہ کر چکا ہوں۔ خانگی مصائب اور دشمنی کے بغیر آخری گذارش کر رہا ہوں۔

قادیان، انگریزی راج میں ایک الگ شخصی ریاست بنی ہوئی ہے۔ غلام احمد آنجہانی اور موجودہ وقت میں اس کا بیٹا بشیر الدین اس ریاست کے مالک اور حکمران ہیں۔ غیر محرم عورتوں سے زبردستی اختلاط قادیان کے قانون کی اوّلین شق ہے۔ آگے چل کر آپ کو اس گندگی کے ڈھیر سے اور بہت کچھ حاصل ہوگا۔

قادیان کے پوپ پادریوں کی نفسانی خواہشات پر نہ جانے کس قدر معصوم عصمتیں بھینٹ چڑھ چکی ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کی اقلیت کے معاشرتی بائیکاٹ اور ان پر تشدد قتل و غارتگری کا سلسلہ شب و روز جاری ہے۔ مقامی حکام کے ہاں اقلیت کی کوئی دادرسی نہیں۔

چودھری صاحب! میری ان گذارشات کے بعد اگر مجلس احرار نے اس طرف توجہ نہ دی تو میدانِ حشر میں آپ سے پرسش ہوگی۔ آج کے بعد میں اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہوں۔"

●

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ آخری الفاظ کہتے ہوئے مولانا مباہلہ کی آواز بھر آئی تھی۔

قادیان کے حالات و واقعات سننے کے بعد مفکرِ احرار چودھری افضل حق نے ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل جواب مولانا مباہلہ کو دیا۔

چودھری افضل حق کا جواب

مولانا! میں نے ایک ہفتہ پوری توجہ دے کر آپ کی طرف سے دی گئی دستاویز کا مطالعہ کیا ہے۔ مسئلہ کی نوعیت تو الگ رہی۔ یہ شخص (مرزا غلام احمد) تو کوئی مخبوط الحواس معلوم دیتا ہے اسے تو کسی پاگل خانے میں ہونا چاہیے تھا۔ تمام دستاویز میں سوائے انگریز کی جاسوسی کرنے کے کوئی بات عقل کی اس نے نہیں کی۔

مجلسِ احرار کے فرائض میں ہے کہ اوّلین فرصت میں قادیانی تحریک کو اسلام اور وطنِ عزیز کی آزادی کے لئے برصغیر سے ختم کرے۔

ہفتہ بھر کی سوچ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ علمائے دین کو کیا ہو گیا کہ وہ اپنے گریبانوں کی دھجیاں تو اڑاتے رہے مگر غلام احمد کی تحریک اور اس کی تحریروں کی طرف سے غافل رہے جس میں توہین انبیأ کا کھُلم کھلا پہلو نکلتا ہے، خصوصیت سے وہ اپنے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی کہتا ہے۔ وراثت الانبیا کے دعویدار آپس میں دست وگریبان ہونے کی بجائے اس پاگل کی طرف متوجہ کیوں نہ ہوئے۔ رہی مجلسِ احرار تو ملک کی آزادی کی جنگ لڑنے کے ساتھ قادیانی تحریک کو ختم کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔

ہم اس فرقہ باطلہ کے بحیثیت انسان مخالف نہیں، نہ اس کی عزت و آبرو کے دشمن ہیں، لیکن ان کے فریب اور دجل و تلبیس سے

مسلمانوں کو بچانا ہمارا فرض ہے۔ مرزائی سیاسی طور پر مسلمانوں کے ساتھ صرف اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے حقوق سے فائدہ اٹھائیں لیکن ان کا مذہبی اور معاشی مقاطع کر کے نہ صرف علیحدہ اپنی قوت تعمیر کرتے بلکہ مسلمانوں کی اپنی وحدت کو پارہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ خواہ ظلی ہو یا بروزی نہ صرف اسلام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ مسلمانوں میں انتشارِ عظیم پیدا کرنے کا باعث بھی ہے۔

" یہ برٹش امپیریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔ مسلمانوں میں ففتھ کالم کے طور پر کام کرتے ہیں۔

ان کا وجود مسلمانوں کی داخلی زندگی کے لئے اسرائیل سے زیادہ خطرناک ہے، انہوں نے انگریز کی غلامی کو طول دینے کے لئے اپنی نبوت کا کھڑاگ رچا کر الہام کی زبان میں سند مہیا کی ہے۔

انگریزوں نے ان کے فرقے سے مسلمان ملکوں میں جاسوسی کا کام لیا ہے انہیں مسلمانوں کی جمعیتہ سے حذف کرانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کا وجود نہ صرف مسلمانوں کے تمام فرقوں کی نظر میں خارج از اسلام ہے بلکہ ان کی اپنی تحریروں میں درج ہے کہ یہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں جب یہ تمام مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے تو ان کی جماعت میں شامل ہونے پر مصر کیوں ہیں۔

انہوں نے مسلمانوں کی مقدس اصلاحات کو اپنے حواریوں اور گماشتوں پر استعمال کر کے نہ صرف ان الفاظ کی قدر و قیمت کو ہلکا کیا بلکہ اس کے تقدس اور پاکیزگی کو بھی نقصان پہنچایا۔

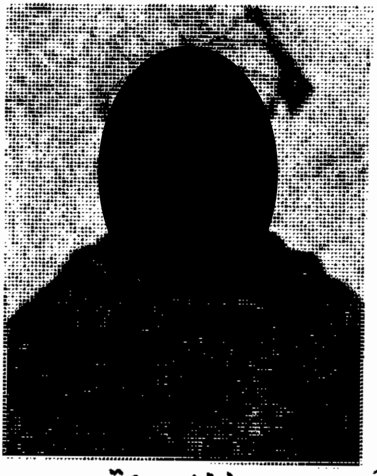

چودھری فضل حق

احرار کا قادیان میں داخلہ

احرار کی سرشت میں انگریز دشمنی اور اسلام سے محبت کے سوا کوئی مزید جذبہ کارفرما نہیں، اس راستے کی ہر دیوار سے ٹکرانا اُن کا مقصدِ حیات تھا۔ اس راہ کی کتنی منزلیں وہ طے کر چکے تھے کہ معاً ان کی نظر قادیان پر پڑی۔ پلٹ کر دیکھا تو اپنی آنکھ کے نیچے کانٹا شہتیر بن کر راستہ روکے ہوئے تھا۔

دانشوروں کی تاکید ہے کہ بات کرنے سے پیشتر بات کی تحقیق اور اس کا وزن کر لو۔ بعض اوقات حقیقت بھی افسانہ ثابت ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر مجلس احرار کے رہنماؤں نے بڑے کے گھر حملہ آور ہونے سے پیشتر اس کا جائزہ لینا مناسب سمجھا۔ چنانچہ اس کے لئے چار گمنام کارکن قادیان بھیجے۔ اُن کے ذمہ تھا کہ اجنبی کی حیثیت سے قادیان میں گھوم پھر کر حالات کا جائزہ لیں۔ مگر

"کوئی اشتعال انگیز بات نہ کریں، اگر اشتعال انگیزی ہو تو خاموش رہیں۔ نماز بھی انہیں کی مساجد میں پڑھیں۔ مرزائیوں کے علاوہ شہر کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے رابطہ کریں۔ ان کے اقتصادی حالات کا جائزہ لیں۔ مرزائیوں کا وہاں کی اقلیت سے کیسا برتاؤ ہے یہ سب معلومات جمع کر کے رپورٹ کریں۔"

مگر ہوا یہ کہ جیسے ہی یہ لوگ قادیان پہنچے چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق مرزائیوں کو ان پر شبہ گزرا۔ انہوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ شکاری کتے کی طرح ان کے قدموں کے نشان لیتے رہے۔ اس دوران رضاکاروں سے یہ غلطی ہوئی کہ ایک دن وہ مسلمانوں کی مسجد میں چلے گئے۔ ابھی وہاں اذان شروع

کی ہی تھی کہ لٹھ بند مرزائی غنڈوں نے انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا انہیں اس قدر مارا کہ وہ موت سے تو بچ گئے مگر کئی ہفتے بٹالہ ہسپتال میں پڑے رہے۔

اس سے پیشتر کے واقعات بھی قابل ذکر ہیں۔

"انجمن شباب المسلمین بٹالہ کا سالانہ جلسہ تھا' جلسے کے اختتام پر مسلمانانِ بٹالہ نے اپنے علماً کا ایک وفد تبلیغ کے لئے قادیان بھیجا۔ جب مرزائیوں کو علماً کی آمد کی اطلاع ملی وہ ان پر ٹوٹ پڑے' اس قدر مارا کہ علماً لہولہان ہو گئے' ان کا بند بند ٹوٹ گیا۔ اس کی رپورٹ پولیس میں لکھوائی گئی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔"

●

۱۹۲۶ء میں قادیان کے مسلمانوں نے انجمنِ اسلامیہ کے نام پر اپنا ایک جلسہ کرنا چاہا۔ اوّل تو ضلعی حکام نے بڑی مشکل سے اجازت دی مگر بعد میں مرزائیوں کے دباؤ سے جلسہ ملتوی کر دیا اور تاکید کی کہ آئندہ کوئی مسلمان قادیان میں جلسہ نہیں کرے گا۔

اس کے باوجود قادیان کے مسلمانوں نے جرآت کی تو مرزائی لٹھ بند وہاں پہنچ گئے جلسہ میں ہنگامہ بپا کیا اور الٹا انتظامیہ نے مسلمانوں کو اپنی حراست میں لے لیا اس طرح جلسہ ختم کرنا پڑا۔

●

۱۹۲۹ء کو انجمن اسلامیہ قادیان نے پھر جلسہ کرنا چاہا۔ اس میں امرتسر سے مولانا ثناءاللہ سمیت لاہور اور بٹالہ سے علماً قادیان پہنچے۔ مولانا ثناءاللہ نے غلام احمد آنجہانی سے اپنے مباہلے کا ذکر کر دیا پس پھر کیا تھا' مرزائی کپڑوں سے باہر ہو گئے' جلسے کے سائبانوں کی طنابیں کاٹ دیں' گیس توڑ دیئے' علمائے دین پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا۔ مسلمان عوام بھی زخمی ہوتے"

●

اس طرح قادیان میں دجالی ٹولے نے اپنے ہاں ایک مستقل تنظیم قائم کرلی تاکہ مسلمان یہاں آکر جلسہ نہ کرسکیں۔ اس تنظیم کا انچارج ابنِ دجال کا سالا تھا جسے سالارِ جنگ کا خطاب دیا گیا۔

●

شہرِ سدوم (قادیان) کے دستور

اپنی اکثریت کے زعم میں مرزائیوں نے قادیان میں عوام کو پریشان کرنے اور انہیں اپنے مذہب باطلہ پہ لانے کے لئے عجیب و غریب دستور وضع کیا ہوا تھا اس ضمن میں نام نہاد خلافتِ دجالیہ کی طرف سے تجارتی معاہدہ کے نام پر شہر کے دکانداروں کو لائسنس قیمتاً دیا جاتا تھا جس میں درج ہوتا۔

- "میں مرزا غلام احمد کو حضرت مرزا غلام احمد کہوں گا۔
- میں قادیان میں مسلمانوں کے کسی جلسہ میں شریک نہیں ہوں گا۔
- میں قادیان میں مسلمانوں کا کوئی جلسہ نہیں کراؤں گا جس میں مسلمان علماء بلائے جائیں۔
- میں کسی غیر احمدی سے کاروبار نہیں کروں گا اور نہ ہی اس سے سودا خریدوں گا، جس کے پاس تجارتی معاہدے کا لائسنس نہیں ہوگا۔

یہ معاہدہ فریم کرا کر ہر دکاندار نے دکان سے باہر لگایا ہوا تھا جس دکان پر یہ معاہدہ آویزاں نہ ہوتا مرزائی اس سے سودا نہیں خریدتا تھا، الٹا یہ شرارت کرتا، مثلاً دیکھتا کہ اس دکان پر تجارتی معاہدہ نہیں لگا وہاں جاکر سودا خریدتے، پیسے دیتے وقت دکاندار سے پوچھتے آپ کے پاس تجارتی معاہدہ نہیں ہے؟ دکاندار نے اگر انکار کیا تو خریدا ہوا سودا واپس کر دیتا اسی طرح کپڑے کی دکان پہ جاکر بزاز سے کپڑے کا بھاؤ چکا کر تھان سے دو چار گز کپڑے کا ٹکڑا الگ کرواتے

اُسے باندھ کر رقم دیتے وقت دکان پر ادھر اُدھر نگاہ دوڑا کر پوچھتے کہ آپ نے دکان پر تجارتی معاہدہ نہیں لگا رکھا۔ جی ابھی نہیں لیا ہے۔ اچھا تو پھر یہ کپڑا واپس کر لیں۔

●

بدوملہی (ضلع سیالکوٹ) کا ایک نوجوان محمد فاضل اپنی بہن سے ملنے قادیان گیا اس کا بہنوتی مرزائی ہو چکا تھا۔ جو نام نہاد مسجد اقصٰی کے قریب گوشت کی دکان کرتا تھا۔ اُس کا بہنوتی مولا بخش جب کبھی بکرے باہر خریدنے قریب کے گاؤں میں جاتا تو محمد فاضل دکان پر بیٹھ جاتا۔ نماز کا وقت ہوتا تو وہ مسلمانوں کی مسجد میں چلا جاتا۔ اس پر مرزائیوں کو شُبہ گزرا کہ یہ مرزائی نہیں۔ آخر باتوں باتوں میں پتہ چل گیا کہ محمد فاضل واقعی مرزائی نہیں۔

امور عامہ میں اس کی باقاعدہ رپورٹ کی گئی کہ محمد فاضل غیر احمدی ہے اور احمدی اس سے گوشت خریدتے ہیں جب کہ اس کے پاس تجارتی معاہدہ بھی نہیں ہے۔ یہ رپورٹ ابنِ دجال تک پہنچی تو محمد فاضل کو اس کے سامنے پیش کیا گیا وہاں اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ مرزائی نہیں ہے اس پر پہلے اسے کئی لالچ دیئے گئے پھر مارا پیٹا کہ وہ مرزائی ہو جائے۔ محمد فاضل برابر انکار کرتا رہا۔ جب وہ کسی طرح نہ مانا تو اس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ چیخ اٹھا۔ اس موقع پر اُس کی آواز دبانے کے لئے اس کا گلا دبا دیا گیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ ابلیسی غنڈوں نے شور مچا دیا کہ محمد فاضل نے چھت سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی ہے۔

پولیس کو اطلاع دی گئی وہ موقعہ واردات پر پہنچی انہیں زمین پر خون بھی نظر آیا لیکن دولت اور انگریز کی حمایت نے یہ خون بھی پانی پانی کر دیا۔

متذکرہ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزائی تجارتی معاہدے پر کس قدر متشدد تھے۔ ان حالات میں دکاندار کو لامحالہ تجارتی معاہدہ لینا پڑتا۔

●

ایک اور معاہدہ مرزائیوں نے اپنے لیڈر ابنِ دجال کے سامنے مندرجہ ذیل معاہدہ کیا ہوا تھا۔

میں اپنے لیڈر کے سامنے اُس عہد کو دہراتا ہوں کہ

میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو احمدیہ جماعت کا مرکز فرمایا ہے میں اس حکم کے پورے کرنے کے عہد پر ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس مقصد کو کبھی بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا اور اپنے بیوی بچوں کو اور اگر خدا کی مشیت یہی ہو تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اس بات کے لئے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے اصول پر ہر چھوٹی اور بڑی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

اے خدا! مجھے اس عہد پر قائم رہنے کی اور اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔"

مندرجہ بالا تحریر ہر مرزائی کے گھر بطور کیلنڈر کے دیواروں پر آویزاں رہتی تھی۔

ان خود ساختہ ابلیسی قوانین نے وہاں کے مسلمان اور دوسری اقلیتوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی گذر بسر کے لئے دجالی احکام کی تعمیل کریں، اس کے خلاف اگر کوئی آواز حلق سے نکلے تو پھر اس کی خیر نہیں۔

●

ابلیس کے پالتو ہمہ اوقات گلی محلوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔

برصغیر کی حقیقی ریاستوں میں بھی ایسے متشدد آئین نہیں تھے جیسے قادیان میں۔ حالانکہ یہ آئینی ریاست نہیں تھی بلکہ انگریز کی عملداری کا ایک حصہ تھی، چونکہ انگریز کو اس گروہ سے سیاسی اغراض وابستہ تھیں اس لئے علاقہ کی پولیس اور ضلعی حکام انسانی لہو کو پانی سمجھ کر پی جاتے۔

●

کانٹوں میں پھولوں کی تلاش

حالات کی جانچ پڑتال کے بعد دجالی مرکز میں عملی مداخلت سے پہلے ایسے احباب کی تلاش بھی لازم تھی جو باطل کا کھلے دل سے سامنا کر سکتے۔ یہ کام گو آسان نہیں تھا۔ چراغ لے کر ڈھونڈنے والی بات تھی، تاہم پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے، ورنہ کفر کی اندھیر گردی میں ایمان کی روشنی کہاں، بہرحال ڈھونڈنے والے اندھیرے میں بھی راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں، جہاں چاند کی روشنی نہ ہو، وہاں جگنو کی چمک کام دے جاتی ہے۔

دجالی ٹولے کی خرمستیوں سے علاقے کا مسلمان پریشان تھا، لیکن کوئی دیوار نہیں تھی جس کی وہ پناہ لے سکیں۔ جیسے ہی انہیں مجلسِ احرار سے متعلق اطلاع ملی کہ اُن کی توجہ کفر گڑھ کی طرف ہو رہی ہے تو ان کے ایمان کی حرارت آتش فشاں ہو کر باطل پر ٹوٹ پڑی۔

خواجہ عبدالحمید بٹ

یوں تو بٹالہ سے گورداسپور تک اچھی خاصی کھیپ میسر آئی جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ تاہم قادیان کے جن مسلمانوں نے دجال کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ان میں،

پیر سید چراغ شاہ، مولوی رحمت اللہ مہاجر، خواجہ عبدالحمید بٹ مہر دین آتش باز، امان اللہ زرگر، اس کا بیٹا فیض اللہ، مسجد شیخاں کے امام مولانا محمد عبداللہ، شیخ برادری کے غازی عبدالحق، شیخ

عبدالعزیز، موضع بھانبڑی (قادیان سے متصل) کے محمد یعقوب اور
اُن کا بھائی۔

ع دل جلے یوں دلوں کا ماجرا کہنے لگے
جو نہ کہنا تھی، وہ باتیں برملا کہنے لگے

قادیان میں احرار کانفرنس

ع بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

احرار کی نظر میں انگریز کی مخالفت ایمان کا جزو تھا۔ اس مقصد میں وہ پہاڑ سے ٹکرا جاتے، پھر جب کہ فرنگی حکمرانوں نے ان کے گردو پیش (پنجاب میں) اپنے استحکام کے لئے قادیانی ایسا خاردار پودا لگا رکھا تھا جو ایمان کے ساتھ وطنِ عزیز کا دامن بھی تار تار کر رہا تھا۔ اس کے اکھاڑ پھینکنے میں احرار کیونکر تعلّل کر سکتے تھے۔ بنا بریں دشمن سے پہلے دشمن کے دوست کا خاتمہ ضروری سمجھا گیا۔

دجال کے مرکز شہر سدوم میں احرار کا پہلا اجلاس کن مشکلات میں ہوا، ابلیسی قوتیں کن کن راستوں سے احرار کے سامنے آئیں اس کی تفصیل مصنف کی کتب کاروانِ احرار اور حیاتِ امیر شریعت میں دیکھیں۔

کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں ڈوگرا شاہی سے احرار کی لڑائی نے احرار کی عوامی قوت میں اس قدر اضافہ کر دیا تھا کہ یہاں کی دیگر اقوام ہند متاثر ہوئیں۔ انگریز اور مرزائی کے پاؤں تلے کی زمین بھی سرکنے لگی تھی، ۲۱، ۲۲، ۲۳ / اکتوبر ۱۹۳۴ء کو احرار کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی ابلیسی ٹولے پر قیامت ٹوٹ پڑی گئے اپنے جنم داتا کے دروازے پر دہائی دینے، پکڑو، دوڑو، احرار قادیان میں داخل ہو گئے، خدا کے واسطے انہیں روکو، ابلیسی ٹولے کے اس واویلے پر انگریز کو اپنی روحانی اولاد کے بچاؤ کا خیال آیا اُس نے کانفرنس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ بہانہ یہ کیا کہ قادیان میں مرزائیوں کی اکثریت ہے، اس پر احرار نے کہا اگر یہ دلیل درست ہے تو پھر مرزائی ہندوستان میں کہیں جلسہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہر جگہ

مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس دلیل پر مجبور ہو کر کانفرنس کی اجازت تو دے دی لیکن ساتھ ہی قادیان سے دو میل تک دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی اس سے حکومت کا منشا تھا کہ احرار جذبات اور غصے میں اس دفعہ کی خلاف ورزی کریں گے اور گرفتار ہو جائیں گے۔

زعمائے احرار نے حکومت کے اس ارادے کو اس طرح شکست دی کہ قادیان کا متنازعہ فی علاقہ چھوڑ کر ایشر سنگھ نامی سکھ کی زمین پر کانفرنس کرنے کا ارادہ کر لیا جس کی پیشکش اس سکھ نے ازخود احرار کو کی۔ مرزائیوں کو جب پتہ چلا تو انہوں نے پہلے منت سماجت کی پھر دباؤ ڈالا۔ جب دونوں طرح ناکام ہو گئے تو سکھ کی زمین کے ارد گرد جہاں مرزائیوں کی زمینیں تھیں انہوں نے راتوں رات اپنی زمینوں کے گرد دیوار کر دی۔ مرزائیوں کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ مرزائیوں کی اس حرکت کا جب مقامی ہندوؤں کو پتہ چلا' انہوں نے اپنی اراضی کی پیشکش کر دی۔ یہ جگہ قادیان سے مغرب کی جانب دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی جسے احرار نے منظور کر لیا۔

دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' مرزائیوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر صرف شیطان سے دوستی کی مگر انسانوں سے دشمنی کو جائز سمجھا اس پر قادیان کا ہر غیر مرزائی خواہ وہ کسی مذہب سے متعلق تھا مرزائیوں کے خلاف تھا۔ احرار کے اقدام کو خدائی امداد سمجھ کر احرار کی حمایت کی۔

اس طرح آذر کے بت خانے پر احرار نے پرچم توحید بلند کیا۔

میدان بدر میں کفر اور ایمان کے آمنے سامنے ہونے اور اس جنگ کے نتیجے کا مطالعہ کریں تو بات سمجھ لینے میں آسانی ہو گی۔

کبھی کبھار نظامِ فطرت کا احاطہ عقل انسانی سے ممکن نہیں ہوتا۔ جھوٹ جب سچائی کو للکارتا ہے تو آئین فطرت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ سچائی کو جھوٹ کے مقابل میدان میں آنے کی ازخود دعوت دے۔

میدانِ بدر میں اصحاب رسولؐ خود نہیں آئے بلکہ مدینہ کی پُرامن بستی پر عمر بن ہشام (ابوجہل) کی افواجِ باطلہ سامانِ حرب سے آراستہ حملہ آور ہوئی تھی اگر ایمان اس لمحے لوہے کی دیوار بن کے سامنے نہ آجاتا تو شائد کاروبار خداوندی میں تعطل کا امکان تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لات وہبل کے پجاریوں کو وارثِ کائنات ؑ نے مزید مہلت دینا مناسب نہ سمجھا۔

باوجودکہ سامانِ حرب سے پوری طرح لیس ہزاروں کی تعداد میں باطل مسلح تھا جب کہ توحیدی پرچم کے وارث صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی ضروریاتِ جنگ سے تہی دامن۔ لیکن ان کے ساتھ وارث کون ومکان کی اعانت، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اور اصحابِ رسول (صلعم) کا اپنا جذبہ ایمانی تھا۔ اس پر میدان بدر میں کفر کا جو حشر ہوا یہی حشر (بلاتشبیہہ) دجال قادیان کی امت کا احرار کے مقابل ہوا۔ جبکہ احرار ہر طرح تہی دامن تھے، سوائے ایمان کے، جبکہ انگریز کی قوت دجالِ قادیان کی پشت پناہ تھی۔

پس یہیں سے دجالِ قادیان سے احرار کے ٹکراؤ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

دجالِ قادیان غلام احمد نے برطانوی پرچم تلے خاتم الانبیاءؐ کے مقابل آنے کی جو جسارت کی، ہندوستان کا غلام مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں اس کا کیوں کر خاتمہ کر سکتا تھا۔

؎ غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

لیکن خالق کائنات کو منظور نہیں تھا کہ جو سورج اس نے حق کے لئے طلوع کیا ہے ابلیسی سورج کی کرنیں کسی طرح بھی اُس پر غلبہ حاصل کر سکیں، چنانچہ ایک لوہار کے بیٹے (مولانا عبدالکریم مباہلہ) کو جو دجال کے ہاں پروان چڑھا یہیں تعلیم حاصل کی، پھر اسی کے ہاتھوں دجال قادیان کے فریب کی چادر کی دھجیاں اڑا دیں۔ ورنہ احرار میں کہاں طاقت تھی کہ ایک طرف وہ انگریز سے لڑتے اور دوسری طرف اِس شیطانی ٹولے سے جنگ آزما ہوتے یہ بات تھی قدرت کے فیصلے میں

تھی کہ چیونٹی سے ہاتھی کو مروا دے۔

۲۶۔ جولائی ۱۹۳۴ء کو امرتسر میں احرار ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مسیلمہ کذاب کے بعد قادیان میں ایک نئے دجال (مرزا غلام احمد) نے جنم لے کر جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا ہے نیز اس بستی کے مسلمان اور دیگر مذاہب کے عوام سے جو برتاؤ کیا جا رہا ہے، قتل و غارت گری اور بد اخلاقی کی جو داستانیں سننے اور دیکھنے میں آئی ہیں اس پر مقامی اور ضلعی حکام کی خاموشی بے اعتنائی تقاضہ کرتی ہے کہ مجلس احرار کو باوجود اپنی بے سروسامانی کے، اللہ کا نام لے کر قادیان میں داخل ہو جانا چاہیئے اور وہاں اپنا مستقل دفتر قائم کرنا چاہیئے۔

قادیان کے حالات و واقعات کی موجودگی میں احرار کا یہ فیصلہ ایک طرف اگر اہم فیصلہ تھا تو دوسری طرف بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی۔ قادیان کے راسپوٹین کے مذبح خانہ میں ہر روز معصوم عصمتیں ابنِ دجال کی بھینٹ چڑھ رہی تھیں۔ حکام سمیت کسی کو اس پر گرفت کی جرأت نہیں تھی۔ یہاں کوئی قانون نہیں، غنڈہ گردی، وحشیانہ انداز اختیار کئے ہوئے تھی۔ ابن دجال کے پالتو بغیر کسی خوف کے لوٹ مار کر

نوٹ[۱]: تاریخ اور سن کی غلطی، تاریخ احرار کے مصنف چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جسے ادارہ زم زم لاہور نے شائع کیا تھا۔ اس میں احرار کے قادیان میں داخلے کے عنوان پر کاتب کی غلطی سے ۱۹۳۵ء چھپ گیا ہے اور صرف ماہ جولائی کی تاریخ متعین نہیں، یہ ناشر کی غلطی ہے، اس غلطی کو درست نہیں کیا گیا، حالانکہ ۱۹۳۵ء کو قادیان کانفرنس کی تقریر کی بنا پر حضرت امیر شریعت (رحمۃ اللہ علیہ) پر مقدمہ چلا اور سزا ہوئی۔

اس غلطی کو مسلسل دہرایا جا رہا ہے، قارئین درست کر لیں، ذرا سی غلطی سے تاریخ کا تشخص ضائع ہو جاتا ہے۔

رہے ہیں، کوچہ و بازار میں خوف و ہراس طاری ہے شرافت بے دام بک رہی ہے ایسے میں وہاں بیٹھ کر اِن حالات کا مقابلہ کرنا جہادِ اکبر سے کم نہیں۔

اپنے لئے جان دینا آسان ہے مگر دوسرے کی جان بچانا مشکل ہوتا ہے

"خدا کے بندوں پر جہاں تک ہو سکے احسان کر"

ان مشکلات کو دیکھتے ہوئے اس محاذ پر ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو کفن بردوش ہو کر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کرنے میں دریغ نہ کرے۔ علمِ دین کے ساتھ دنیاوی چلن سے واقف ہو، جوش ہو مگر ہوش کے ساتھ، گو قادیان کا ماحول شرافت کا متحمل نہیں تھا تاہم مر مر کر جینے کا نام زندگی ہے۔

آخر تھوڑی سی تلاش کے بعد علم میں پورا اور عمل میں پختہ آدمی مل گیا۔ یہ تھے ضلع میانوالی قصبہ چکڑالہ کے مولانا عنایت اللہ چشتی مفکرِ احرار چوہدری افضل حق (رحمۃ اللہ علیہ) ان کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

مولانا عنایت اللہ

اس گناہ کے ہجوم میں مولانا عنایت اللہ کو دفاع ختمِ نبوت کا کام سپرد کیا گیا۔ دارالکفر میں اسلام کا جھنڈا گاڑنا معمولی الوالعزمی نہیں تھی۔

مولانا عنایت اللہ کو دفتر لے دیا گیا۔ قادیان میں احرار کا جھنڈا لہرانے لگا۔ سُرخ جھنڈے کو دیکھ کر مرزائی روسیاہ ہو گئے۔ آہ اُن کے سینوں کو توڑتی نکل گئی، ان کی آرزوؤں کی پامالی کا دن تھا۔ مرزائیوں نے اپنی امیدوں کا جنازہ نکلتے دیکھا تو سر پیٹنے لگے۔ سرکار کی دہلیز پر سر دھر کر پکارے حضور قادیاں مرزائیوں کی مقدس جگہ ہے، احرار کے وجود سے یہ سرزمین پاک کر دی جاتے! جب مرزائیت نصرانیت کا آسرا ڈھونڈنے نکلی تو ہم نصرانیوں اور قادیانیوں کے اتحاد کے ڈر سے ڈرے ضرور مگر خدا کو حامی و ناصر سمجھ کر اس کے تدارک میں لگ گئے ڈرنا اور ہمت ہار دینا عیب ہے ڈرنا اور پہلے سے زیادہ چوکنے ہو کر

مقابلہ کرنا بڑی خوبی ہے۔ بساط سیاست پر زرد کو بڑھا کر اس کو تنہا چھوڑنا غلطی ہوتی ہے۔ ہم نے اوّل ان احباب کی فہرست تیار کرلی جو مولانا عنایت اللہ کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے ۲۴ گھنٹے کے اندر قادیان پہنچ جائیں کیونکہ مرزائیوں نے قادیان کو قانونی دسترس سے پرے ایک دُنیا بنا رکھا تھا جہاں مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں پر بلا خطا مظالم توڑے جاتے تھے، قتل ہوتے تھے مگر مقدمات عدالت تک نہ جا سکتے تھے، دوسرے ہم نے فوراً مولوی عنایت اللہ کے نام قادیان میں مکان خرید دیا تاکہ مرزائیوں اور حکام کا یہ عذر بھی جاتا رہے کہ مولوی صاحب موصوف ایک اجنبی ہیں اور ان کا قادیان سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا عنایت اللہ

یہ گوہر مقصود اخبار مباہلہ کے قارئین میں چھپا تھا اور مولانا عبدالکریم مباہلہ ہی نے تلاش کر کے چودھری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر مولانا عنایت اللہ نے اس اجنبی، متشدد اور کافرانہ ماحول میں جس جرأت ایمانی اور دلیری سے اپنے منصب کو نبھایا یہ ان کے نامۂ اعمال اور کتاب زندگی کا سنہری باب ہے۔ یہاں رہ کر انہوں نے اپنے عمل، تحمل اور حکمتِ عملی سے اپنے اور پرائے کے دلوں میں ایسا گھر بنایا کہ آہستہ آہستہ دجالی گھرانوں کے رازہائے سربستہ ان کے سامنے وا ہونے لگے، جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔

مختصر وقت میں احباب کی کافی تعداد ان کے گرد جمع ہوگئی جن کے تعاون سے احرار کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔

اس طرح احرار قادیان میں داخل ہوتے۔

آیئے! ادھر لوٹ چلیں جہاں سے پیچھے مڑے تھے۔
احرار کانفرنس کی تیاریوں کا ذکر ہو رہا تھا، حکومت نے آخری پابندی یہ لگائی کہ

"احرار رہنماؤں سمیت کوئی بھی رضا کار اور عوام قادیان کانفرنس میں شمولیت کے وقت کسی قسم کے ہتھیار سے مسلح نہ ہوں۔

اس پابندی کو احرار نے قبول کر لیا۔

کانفرنس کا پہلا اجلاس

حکومت کی پابندیوں، دجالی شیطنت اور مقامی عوام کے تعاون کے درمیان ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو نمازِ عشا کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس شروع ہوا۔ دن بھر مہمانوں کی آمد رہی۔

ریلوے حکام نے کانفرنس سے ایک ہفتہ پیشتر اعلان کر دیا تھا کہ

"قادیان کانفرنس کے لئے امرتسر ریلوے اسٹیشن سے ۱۲ اکتوبر کو صبح دس بجے ایک سپیشل ٹرین چلائی جائے گی۔

اس اعلان کے مطابق دوسرے صوبوں اور پنجاب کے دیگر شہروں کے احرار رہنما، عوام اور احرار رضا کار ایک دن پیشتر امرتسر پہنچنا شروع ہو گئے۔ مقامی جماعت کی طرف سے اسٹیشن سے باہر مہمانوں کے قیام و طعام کے کیمپ لگا دیئے گئے تھے۔ ٹھیک دس بجے احرار سپیشل ٹرین امرتسر کے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر ا سے نعرہ تکبیر سے روانہ ہوئی۔ گاڑی کے انجن پر احرار کے سرخ پرچم لہرا رہے تھے۔ گاڑی چوبیس ڈبوں پر مشتمل تھی۔ گاڑی کے ہر دروازے کے باہر بھی سرخ جھنڈے آویزاں تھے، سرخ وردیاں پہنے احرار رضا کار گاڑی میں مہمانوں اور اپنے رہنماؤں کی دیکھ بھال میں مصروف رہے۔ ان میں امرتسر کے شیخ محمد صدیق، مولانا عبدالسلام ہمدانی، مولانا عبدالغفار غزنوی شامل ہیں۔

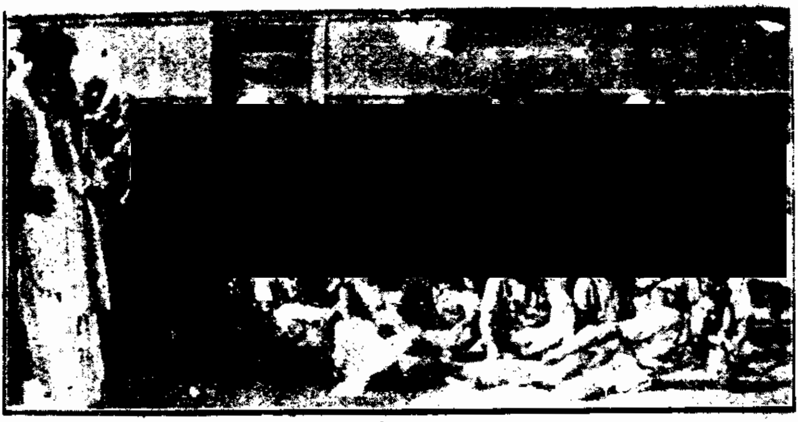

Ahrar Special Train from Lahore, Jullundur to Qadian.

(۱) شیخ حسام الدین (۲) مولانا مظہر علی اظہر، مولانا داؤد غزنوی، چودھری افضل حق

ٹرین میں کانفرنس کے منتخب صدر حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، صدر مرکزیہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری، چودھری افضل حق، مولانا عبد الکریم مباہلہ، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، احرار کے سالارِ اعظم سردار محمد شفیع، شیخ حسام الدین، مولانا عبدالاسلام ہمدانی مولانا عبدالغفار غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر ایڈووکیٹ، حکیم نور الدین (لائلپور) اور راقم (جانباز مرزا) سوار تھے۔

یہ سپیشل ٹرین امرتسر سے قادیان تک ہر اسٹیشن سے اپنے مہمانوں کو سوار کرتی ہوئی تقریباً تین گھنٹوں میں قادیان اسٹیشن پہنچی۔ یہاں بٹالہ کے رئیس حاجی عبدالرحمٰن اور اُن کے بھائی حاجی عبدالغنی، مولانا عنایت اللہ چشتی اور دیگر دوستوں نے جن میں ہندو اور سکھ بھی شریک تھے، اپنے مہمانوں کا استقبال کیا۔

حضرت امیرِ شریعت کا قادیان میں داخلے کا منظر قابلِ دید تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے محمود غزنوی سومنات کے مندر میں داخل ہو رہا ہے۔ قادیان کا ایک ایک بت لرزا براندام تھا۔ برہمن زادے اپنے پاپ کی تصویروں میں اپنے کو برہنہ محسوس کر رہے تھے۔ قادیان کا قصرِ خلافت اپنی ذلالت پر ماتم کناں تھا۔ معصوم عصمتوں کے اِس مقتل کی ایک ایک اینٹ ابنِ دجال کے گناہوں کی فہرست مرتب کرنے لگی۔ عوام کے دھڑکتے ہوئے دلوں سے احرار کے لئے دعائیں نکلنے لگیں۔ دبے ہوئے جذبات ابھر کر مجرموں کی نشاندہی کرنے لگے۔ مرزائیوں کے گھروں کے بجھتے ہوئے چولہوں کی راکھ دجال قادیان کی مڑھی پر آنسو بہا رہی تھی۔ نام نہاد بہشتی مقبرے کی ہڈیاں آتشِ دوزخ سے کڑکنے لگیں۔

صدرِ کانفرنس کے قدم جیسے جیسے پنڈال کی طرف بڑھتے گئے، سہمے ہوئے دلوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگا۔

پت جھڑ کا موسم ختم ہو تو بہار کے دن انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔ خارِ مغیلاں بہار کے پتوں میں منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ بادِ سموم بھی انہیں

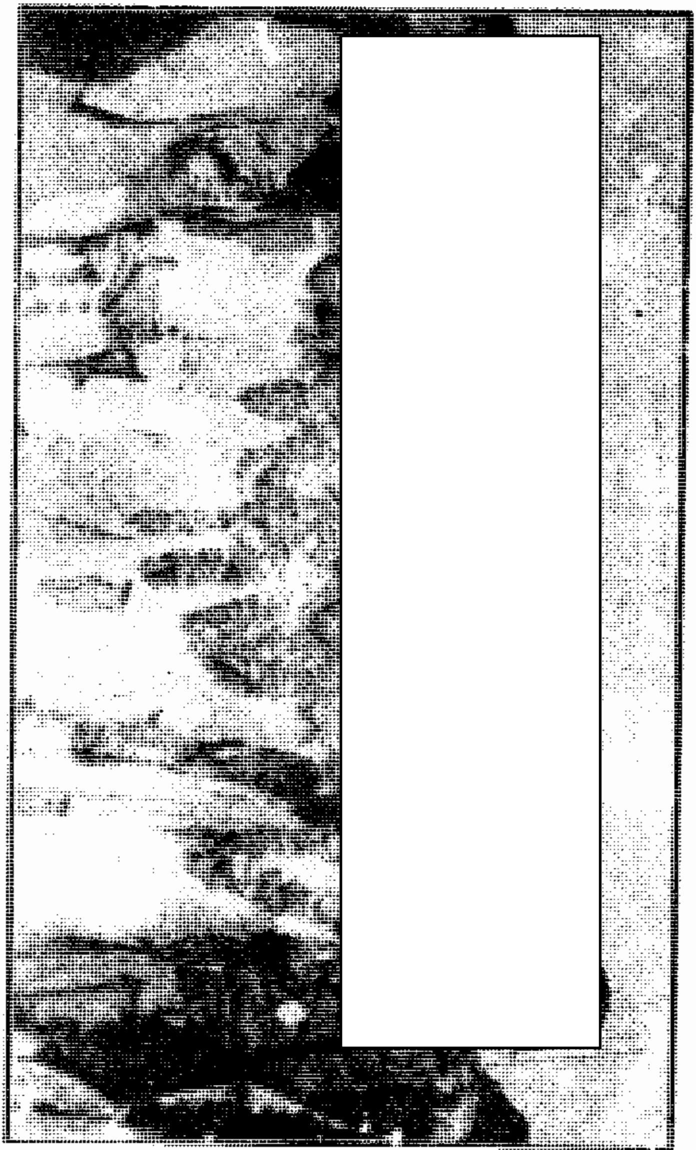

احرار تبلیغ کانفرنس قادیان کے موقع پر حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قادیان اسٹیشن پر،

پناہ نہیں دیتی۔

برس ہا برس کے ستائے ہوئے مظلوم، ظالم کا حساب لینے کی قسمیں اٹھانے لگے۔ قادیان کے بام و در احرار کے قادیان میں داخلے پر ایڑھیاں اٹھا کر اپنے

نجات دہندہ کو دیکھ رہے تھے۔ مولانا عبدالکریم مباہلہ جسے ابنِ دجال کے استبدادی پنجے سے رات کی اندھیری چادر میں چھپ کر بے خانماں ہونا پڑا تھا، آج فاتحانہ قادیاں میں داخل ہو رہے تھے۔ اسٹیشن سے پنڈال تک ہزاروں لوگ شاہ جی کے قدموں تلے آنکھیں بچھا رہے تھے۔

قادیان میں احرار کانفرنس ۱۹۳۴ء کا پنڈال

پنڈال کے آس پاس میلے کا سا سماں تھا۔ چائے اور کھانے کے ہوٹل اپنے مہمانوں کی میزبانی کے منتظر تھے۔ فروٹ کی دکانیں، خوانچہ فروش، ریڑھی بان، اپنا اپنا سودا سجائے گھوم پھر رہے تھے۔

نمازِ عشاء کے فوراً بعد اجلاس کی کارروائی قرآن حکیم کی تلاوت سے شروع ہوئی گو یہ اجتماع قصرِ ذلالت سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔ مگر رات کی خاموش فضائیں لاؤڈ سپیکر کی آواز ابن دجال تک پہنچا رہی تھیں۔ اسٹیج پر زعمائے احرار کے علاوہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر علی خان، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد سعید دہلوی تشریف فرما تھے۔ ابتدا میں مصنف (جانباز مرزا) نے انقلابی نظم پڑھی جس کا صرف مطلع یاد ہے۔

عجب رنگ زمانہ ہے، عجب اس کی روانی ہے
کہ معمولی کلرکوں نے نبی بننے کی ٹھانی ہے،

بعد میں شاعر انقلاب خواجہ عبدالرحیم عاجز کا پنجابی کلام سنا گیا۔ ان کے بعد صدر مرکزیہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مختصر استقبالیہ تقریر کرتے ہوئے کہا۔

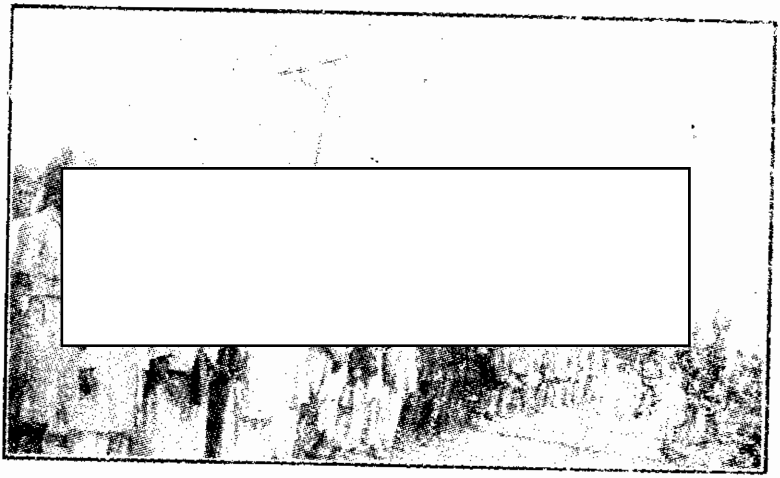

احرار کانفرنس قادیان میں احرار رضاکار

(خطبہ مسنونہ کے بعد "مہمانانِ گرامی قدر! پہلی بات تو یہ ہے کہ احرار نے قادیان سے باہر اجلاس پر پابندی اس لئے قبول کی کہ ہمارا مقصد کسی سے لڑائی نہیں، احرار اور حکومت کی پابندی قبول کر لیں، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

• خدا گواہ ہے ہم وطنِ عزیز کی جنگِ آزادی میں مصروف لوگوں نے آج تک مرزائیت کو پنجاب کے دیگر مذہبی جھگڑوں کی طرح سمجھا اور ان میں الجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں تھا، لیکن جیسے (دجال قادیان) غلام احمد کا لٹریچر ہمارے مطالعہ میں آیا تو ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ تحریک مرزائیت ہمارے راستے کا عظیم کانٹا ہے، اسے اولین فرصت میں نکال دینا چاہیئے۔ انگریز کا وفادار، نہ اسلام کا وفادار ہو سکتا ہے، نہ مذہب کا دوست۔

• مرزائیت کوئی مذہبی جماعت نہیں، یہ سیاسی گروہ ہے اس سے ہم سیاسی لڑائی لڑیں گے۔

آخری بات، آج کے بعد احرار مرزائیوں سے ملک بھر میں کسی کو نہ مناظروں کی اجازت دیں گے اور نہ مباہلوں کی۔ علمائے اکرام اچھی طرح سن لیں اور سمجھ لیں۔ مناظرہ یا مباہلہ وہاں ہوتا ہے جہاں کسی بات پر کوئی شبہ ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انا خاتم النبیین لانبی بعدی کے بعد اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ہ سورہ المائدہ آیت (۳)

قرآنِ کریم اور حدیث نبوی (صلعم) کے بعد احرار کو نہ کسی سے مباہلے کی ضرورت ہے، نہ مناظرے کی" — بس —

اب صدر کانفرنس جائیں اور آپ۔ ان کے تعارف کی ضرورت نہیں،

مولانا حبیب الرحمٰن

خطبۂ صدارت

رات اپنا دوسرا پہر شروع کر رہی تھی کہ صدر کانفرنس حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور جب تقریر ختم ہوئی تو رات اپنا سفر ختم کر رہی تھی۔ مساجد کے میناروں سے صبح کی اذانیں سنائی دینے لگیں لیکن پنڈال میں بیٹھے ہوئے ہزاروں عوام بے خبر تھے حالانکہ مؤذن پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

حَیَّ عَلَی الصلوٰۃِ حَیَّ عَلَی الصلوٰۃ ؕ

جرم چاہے اپنے ہی بچے کا ہو۔ مگر والدین گوارہ نہیں کرتے کہ دوسرا اُسے سزا دے۔ دجال قادیان نے خاتم الانبیاء سرکار دوعالم (صلعم) کی ذات گرامی سے متعلق جو بکواس کی اور انگریز کی جس انداز سے چاپلوسی کی، اس سے وہ اسلام کے مروجہ اصولوں سے بغاوت اور وطن عزیز سے غداری کا کھلم کھلا مرتکب ہوا تھا، اس پر ایک مسلمان محب وطن اور شریعت کا امیر کیونکر چپ رہ سکتا تھا۔ حضرت امیر شریعت نے انہیں دو موضوعات پر خطبہ صدارت کا اختتام کیا۔

؎ آئینہ ان کو دکھایا تو بُرا مان گئے

امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری

مان جانا چاہیے تھا اور نہ ماننے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی، انگریز کی روحانی اولاد کے وارثوں کو غصہ آگیا۔ اسی تقریر پر شاہ جی کو گرفتار کر لیا گیا اور گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ قائم کیا گیا۔ چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ مقدمہ کی اپیل پر ڈسٹرکٹ سیشن جج گورداسپور مسٹر جی ڈی کھوسلہ نے جو تاریخی فیصلہ دیا، اسے بعد میں بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوئی۔

قرار دادیں

۲۲، اور ۲۳ ر اکتوبر کو بھی کانفرنس کے شب و روز اجلاس منعقد ہوتے رہے، ہر اجلاس پہلے اجلاس سے زیادہ نمائندہ ہوتا۔ اکابر ملت نے پرجوش انداز میں دجالِ قادیاں کی زندگی کی پردہ دری کی۔ کانفرنس کے آخری اجلاس ۲۴ ر اکتوبر کو صرف مندرجہ ذیل قرار دادوں پر تقریریں ہوئیں۔

۱۔ "چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ جو شخص مجھے تسلیم نہ کرے وہ اسلام سے خارج ہے۔ اور تمام دنیائے اسلام کے علما مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت اور دیگر دعوی و عقائد کفریہ کی بنا پر اسلام سے خارج اور مرتد سمجھتے ہیں، اس لئے یہ کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ تمام مرزائیوں کو لاہوری ہوں یا قادیانی، مردم شماری میں مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔"

محرک۔ مولانا ظفر علی خان

موئید۔ مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری، مولانا محمد مسعود ڈیروی، مولانا محمد مسلم فاضل دیوبند

۱؎ حضرت امیر شریعت کی پوری تقریر ماتحت عدالت اور مسٹر جی ڈی کھوسلہ کے تاریخی فیصلہ کی پوری تفصیل مصنف کی کتاب "حیاتِ امیر شریعت" میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲ - تبلیغ کانفرنس کا یہ نمائندہ اجلاس آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کے مسلسل احتجاج کے باوجود ظفر اللہ خان قادیانی جو اپنے عقیدے کی رُو سے، تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے اور جس کو تمام مسلمان قادیانی عقائد کی وجہ سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں کو وائسرائے ہند کی مجلسِ منتظمہ میں اسلام کے نام پر رکن مقرر کئے جانے کو انتہائی رنج اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔"

۳ - اس کانفرنس کی رائے میں حکومت نے متفقہ صدائے انتباہ کو جو مسلسل بلند ہو رہی ہے ٹھکرا کر ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات و احساسات سے بے اعتنائی حکومت کا شیوہ ہو گیا ہے۔ اور وہ مسلمانوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ حکومت اپنے سیاسی مسلک کی تکمیل کے لئے قادیانیت کو فروغ دے رہی ہے اور قادیانی عقائد کو اپنی قوت سے مسلمانوں کا سرکاری مذہب بنانا چاہتی ہے جس کو مسلمانوں کی تمام مذہبی جماعتیں اسلام کے لئے ایک ہولناک خطرہ تصور کرتی ہیں۔

مسلمانانِ ہند کا یہ اجتماع اس عزم بالجزم کا اعلان کرتا ہے کہ جب تک حکومت چودھری ظفر اللہ خان کے تقرر کو منسوخ کر کے اپنی قادیانیت نواز پالیسی میں تبدیلی نہیں کرتی، مسلمانانِ ہند اپنے احتجاج کے سلسلہ کو برابر جاری رکھیں گے۔

اس کانفرنس کی رائے میں حکومت کے اس فیصلے میں وائسرائے کی مجلسِ منتظمہ میں مسلمانانِ ہند کے شدید احتجاج کے باوجود چودھری ظفر اللہ خان کو مقرر کیا جائے سر فضل حسین کے مشورے اور مساعی کو بڑا دخل ہے جو اسلام کے ساتھ کھلی غداری ہے۔ یہ کانفرنس سر فضل حسین کے اس فعل کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر

سے دیکھتی ہے اور اس کے خلاف اپنے عدمِ اعتماد کا اظہار کرتی ہے۔"

محرک۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدرس دار العلوم دیوبند مؤیدین مولانا میر محمد مظہر قیوم سجادہ نشین مکان شریف ضلع گورداسپور، مولانا ظہور الحق شاہ کرنال، مولانا حکیم نور الدین لائلپور، مولانا ظہور احمد بگوی بھیرہ ضلع سرگودھا، مولانا محمد بخش خطیب جامع مسجد راولپنڈی، چودھری عبدالرحمن ایم ایل سی راہوں ضلع جالندھر۔

اس کے ساتھ ہی ۲۴ راکتوبر رات دو بجے کانفرنس اپنے اختتام کو پہنچی۔

گذشتہ پون صدی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ قادیان کے اندر منعقدہ اجلاس میں اکابر ملت نے جمع ہو کر مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔

کانفرنس کے دوران مرزائی چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں گھسے رہے۔ گویا تین دن تک مرزائیوں کا دانا پانی بند رہا۔ اُلٹا مسلمان جو کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے قادیان کے کوچہ و بازار میں بے دھڑک گھومتے پھرتے رہے

قرارداد نمبر۲ کا پسِ منظر ، ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہندوستان میں نئے انتخابات ہونے والے تھے۔ اُن دنوں سر فضل حسین وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ پنجاب کو چونکہ انگریز کی فوجی چھاؤنی سمجھا جاتا تھا لہٰذا ضرورت تھی کہ صوبے کا سیاسی کنٹرول انگریز کے ہاتھ میں رہے۔ اِن دنوں احرار اپنے سیاسی عروج پر تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر انگریز نے اپنی حکمتِ عملی سے سر فضل حسین کو اپنی کونسل سے فارغ کر کے پنجاب کا وزیر اعظم بنانے کے ارادے سے یہاں بھیج دیا اور اس کی جگہ سر ظفر اللہ کو وائسرائے کونسل کا نمائندہ نامزد کر دیا گیا۔ احرار اس پر معترض تھے کہ یہ سیٹ مسلمان کی ہے مرزائی کو نہیں ملنی چاہیئے۔

(اس کی تفصیل مصنف کی کتاب تحریک مسجد شہید گنج میں ملاحظہ کریں۔ م)

ماسٹر تاج الدین انصاری کا تقرر

اِن دنوں دفتر احرار قادیان میں مولانا عنایت اللہ چشتی کے علاوہ خواجہ عبدالحمید بٹ المعروف سوہنی کاشمیری متعین تھے۔

سیاست کی بساط پر ہر مہرے کو حرکت میں لانے میں فکر کے کئی لمحات طے کرنے پڑتے ہیں اگر مقابلے کا کھلاڑی اپنی سوچ پر حاوی ہو تو بعض دفعہ چال چلنے میں دیر کرنی پڑتی ہے۔

گو احرار رہنما سیاست کے کھیل میں اناڑی نہیں تھے مگر قادیان میں ان کا سامنا دجالی ٹولے کے علاوہ انگریز ایسے دانشور سے تھا جس کے ہاتھ نے وقت کی لگام تھام رکھی تھی۔ سورج کا طلوع و غروب اسی کے گھیراؤ میں تھا۔

قادیان میں احرار کا داخلہ اور سہ روزہ اجتماع' یہ ایسے کڑوے گھونٹ تھے جو انگریز کے حلق میں نہ جانے کیسے اترے جب کہ احرار مہمان نہیں تھے کہ آئے اور چلے گئے بلکہ

؎ لے لیا موت نے گھر ہی تیرے بیمار کے پاس

احرار کے سُرخ پرچم کی اڑانوں نے دجالی ٹولے کی بستی کم کر رکھی تھی اس اعتبار سے انگریز پر لازم تھا کہ وہ اپنی روحانی اولاد کی ہر آن حفاظت کرے۔ گو پنجاب میں غداروں کی کمی نہیں تھی مگر مرزائی ایمان کی حد تک حکومتِ برطانیہ کے پائے سنگھاسن تھے۔ اِدھر احرار فیصلہ کر چکے تھے کہ سنگھاسن توڑنے سے پہلے اس کے پائے توڑنے ضروری ہیں۔

؎ آنے پاتے نہ کوئی تخت نبوت کے قریب
دیکھئے خواجۂ کونین کے دربان ہیں ہم (رجانباز مرزا)

اس پر یہاں کا ماحول جس کی غالب اکثریت زہریلے سانپوں کی تھی' ان کے درمیان رہ کر ایمان کے لئے زندگی تلاش کرنا تھی۔

مولانا عنایت اللہ چشتی نے جس شرافت سے رہ کر قادیان میں اپنے

قدم جمانے یہ انہیں کا حوصلہ تھا۔ دوست تو دوست دشمن کو بھی رام کیا، تاہم یہاں صرف شرافت سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

کبھی کبھی ٹیڑھی انگلی سے بھی نکالنا پڑتا ہے۔ جماعت نے مولانا عنایت اللہ کی معاونت کے لئے کافی سوچ کے بعد ماسٹر تاج الدین انصاری کو قادیان بھیجنا مناسب سمجھا۔

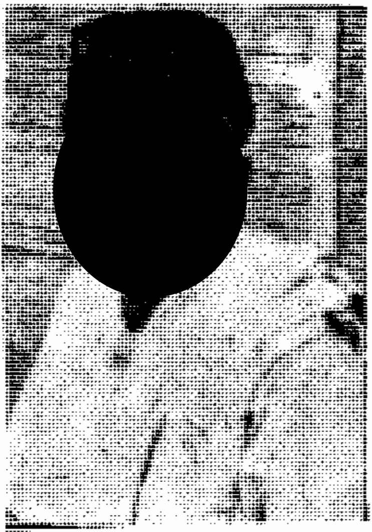

ماسٹر تاج الدین انصاری

ماسٹر جی، سیاست کی اونچ نیچ سے بخوبی واقف تھے بقول چودھری افضل حق یہ سوکھی مٹی سے محل تعمیر کر دیتے ہیں، سیاسی جوڑ توڑ کے ماہر سیاست کی الٹی سیدھی راہوں پر برسوں سے سفر کرتے آ رہے ہیں۔ ایسے آدمی کا انتخاب ہی یہاں کے لئے ضروری تھا۔

یہاں پہنچ کر ماسٹر جی نے دو چار دنوں میں اندازہ کر لیا کہ راستہ اگرچہ پُرخار ہے مگر چلنا ہے۔

قادیان شہر کے رواج میں یہ بات تھی کہ دجالی خاندان کا کوئی وڈیرہ اگر کسی وقت بازار سے گزرے تو ہر دکاندار کے لئے لازم تھا کہ وہ اس کے احترام میں اپنی دکان پر کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں سے اسے سلام کرے۔ اسی طرح راہگزر کے لئے ضروری تھا کہ وہ دونوں ہاتھ باندھ کر راستہ کے ایک طرف باادب کھڑا ہو جائے تاوقت وہ دور نہ چلا جائے، راہگزر اور دکاندار بدستور کھڑے رہیں۔

ماسٹر جی نے پہلا کام یہ کیا کہ دجال کے اس رواج کی دھجیاں اڑا دیں۔

دجال قادیان (غلام احمد) کے تیسرے بیٹے شریف احمد کی عادت تھی کہ

وہ ہر روز سائیکل پر تنہا مسلمانوں کے محلہ مسجد شیخاں کے قریب سے گزرتا۔ مرزائیوں کی آبادی اس سے دراہٹ کر تھی، اس پر ماسٹر جی نے ایک منصوبہ بنایا کہ محمد حنیف نام کے ایک نوجوان کو بڑی رازداری سے ایک پٹی پڑھائی۔

"یار حنیف تو ایک کام کر کہ جیسے ہی شریف احمد اس راستے سے گزرے تو اُسے گرا کر دو چار ڈنڈے اُس کے چوتڑوں پر مار کر فلاں جگہ جا کر چھپ جا۔ باقی ہم جانیں ہمارا کام"

اس نے ایسا ہی کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ شہر میں کہرام مچ گیا کہ شعائر اللہ کی توہین ہوگئی (گویا مرزائیوں کے نزدیک شریف احمد کے چوتڑ شعائر اللہ تھے۔ (لاحول ولاقوۃ) جس شہر میں اس خاندان کی پرستش ہوتی تھی جس میں اس کا دبدبہ تھا کہ کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اس شہر میں غلام احمد کے بیٹے کی پٹائی اور وہ بھی چوتڑوں پر۔ تاریخ قادیان میں ایسا واقعہ تھا کہ غضب ہی تو ہوگیا۔ اس واقعہ سے مرزائیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ دو چار دن تو اس کا بڑا چرچا رہا۔ پولیس محمد حنیف کو تلاش کرتی رہی۔ شہر کی ناکہ بندی ہوگئی۔ ریلوے اسٹیشن پر ایک ایک مسافر پر نظر رہی۔ قادیانی آنے بہانے احرار کے دفتر میں آتے۔ اِدھر اُدھر تجسسانہ نظروں سے دیکھتے مگر وہاں کیا تھا یہاں تک کہ مولانا عنایت اللہ تک کو خبر نہیں تھی کہ یہ پلان کس نے بنایا ہے آخر ایک رات چپکے سے حنیف کو خفیہ جگہ سے نکال کر گورداسپور کی عدالت سے اس کی ضمانت کرالی گئی

یہ آموں کا موسم تھا۔ رہائی کے بعد حنیف کو کچھ پیسے دے دیئے گئے کہ وہ منڈی سے آموں کا ٹوکرا لا کر گلی گلی بیچے۔ خصوصاً قادیانی محلوں میں جہاں مرزائی عورتیں حنیف کو آم خریدنے کے بہانے دیکھیں۔ اس طرح اس کا اچھا خاصہ دھندہ چل نکلا مگر اس کی عمر بہت کم نکلی، جمعہ کی نماز میں دجال ابن دجال (بشیر الدین محمود) نے مرزائی عورتوں کو لعن طعن کی کہ

"تم شعائر اللہ کی توہین کرنے والے سے سودا خرید تی ہو"
حنیف محمد کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے عدالت نے انہیں نو ماہ کی سزا دی۔

دوسری طرف سر ظفر اللہ کی والدہ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ روتی پیٹتی وائسرائے کے پاس پہنچی اور کہا کہ

"ہمارے لئے قادیان میں قیامت آگئی ہے۔ احرار والوں نے وہاں ہماری زندگی تلخ کر دی ہے۔ میرے نبی کے بیٹے کو سر بازار پیٹا گیا ہے۔ اب ہمارے لئے قادیان کی رہائش دوبھر ہو گئی ہے"

ماسٹر جی کا دوسرا راونڈ! رب قادیان:

ماسٹر تاج الدین انصاری کے پہلے پلان کے مطابق دجالی گروہ کے آفتاب کو ہلکا سا گرہن لگا جس کی سیاہی نے سارا وقار سیاہ کر دیا کہ سر عام جوتے پڑنے لگے۔ قادیانی اقلیتوں کے حوصلے جنہیں جھوٹ فریب کی چادر نے نصف صدی سے ڈھانپ رکھا تھا، پھڑ پھڑانے لگے۔ بازاروں میں چلتے وقت آج ان کی گردنوں میں ذرا تناؤ آ گیا تھا۔

کچھ دنوں بعد ماسٹر جی نے دوسرا راونڈ پلایا۔

ارادہ نیک ہو تو برائی مٹنے کے اسباب آپ سے آپ میسر آ جاتے ہیں۔ کنج بہاری لعل قادیان کا باشندہ اور ذات کا برہمن تھا جسم پر ہمہ اوقات سیاہ لمبا چغہ اور ہاتھ میں ترشول رکھتا۔ اس کا کہنا تھا کہ

"اگر مرزا غلام احمد نبی ہے تو میں رب ہوں، جیسے وہ جھوٹا نبی ہے ویسے میں جھوٹا رب ہوں"

اپنے اس لفظ کا اس نے پنجاب بھر میں گھوم پھر کر خوب پرچار کیا۔ ماسٹر جی کو جب اس کا علم ہوا تو اس کی حوصلہ افزائی اور پیٹھ پر تھپکی دے کر کہا

"پنڈت جی! اگر آپ صرف قادیان میں تمام دن یہ الفاظ دہرائیں تو بڑا فائدہ ہوگا۔"

وہ جذباتی آدمی تھا۔ ماسٹر جی کے کہنے میں آکر تمام دن ہاتھ میں ترشول لئے قادیان کے بازاروں اور گلی کوچوں میں پھرتا رہتا۔ خصوصاً مرزائی محلوں میں پکار پکار کر کہتا، اگر مرزا غلام احمد نبی ہے تو میں رب ہوں۔ جیسے وہ جھوٹا نبی ہے ویسے میں جھوٹا رب ہوں۔ مرزائی یہ لفظ سن کر آگ بگولا ہوتے، لیکن خاموش رہتے اس سے اِس بنگڑ خالصے کی ہوا اور اُکھڑی۔ اس دوران ربِ قادیان نے ایک ہفت روزہ "مشکل کشا" کا ڈیکلریشن حاصل کر لیا۔ اس کا ایڈیٹر تو وہ خود تھا، لیکن مضامین ماسٹر تاج الدین لکھتے تھے۔ بابا عالم سیاہ پوش جو بعد میں پنجابی فلموں کے رائٹر مشہور ہوئے اِس ٹیم میں شامل ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد حکومت نے یہ رسالہ ضبط کر لیا۔

مشترک ڈیفنس کمیٹی

قادیان کے گرد و نواح میں سکھوں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس پر وہ بھی مرزائیوں کے غیر اخلاقی دباؤ میں تھے، اس کی وجہ مقامی حکام پر مرزائیوں کا اثر و رسوخ تھا۔ اس سلسلے میں سکھوں نے قادیان میں سکھ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے اُس دور کے مشہور سکھ رہنما بابا کھڑک سنگھ کو کانفرنس کا صدر مقرر کیا۔ قادیان میں ان کا جلوس ہاتھی پر نکالا گیا۔ یہ جلوس جب احرار کے دفتر کے نیچے سے گزرا تو ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ اس پر سکھ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے احرار زندہ باد کے نعرے لگائے۔

قادیان میں ڈاکٹر گوردبخش سنگھ کی مرزائیوں سے چل رہی تھی۔ اس بنا پر انہوں نے مولانا عنایت اللہ کو سکھ کانفرنس میں تقریر کرنے کی دعوت دی۔ مولانا نے اجلاس میں مقامی حالات کے پیشِ نظر سکھ مسلم اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مشترک ڈیفنس کمیٹی قائم کرنی چاہئیے۔ بابا کھڑک سنگھ

نے اپنی صدارتی تقریر میں مرزائیوں کو متنبہ کیا کہ

" دیکھو مرزائیو! میں تمہیں آخری وارننگ دیتا ہوں کہ اگر مجھے پھر تمہاری کوئی شکایت ملی تو میں تمہارا بہشتی مقبرہ کی بنیاد اکھاڑ کر دریائے بیاس میں پھینک دوں گا۔" (بابا کھڑک سنگھ کی تقریر پنجابی میں تھی)

مرزائی سکھوں کے جلوس اور کانفرنس تک تو خاموش رہے لیکن بابا کھڑک سنگھ کی تقریر پر سخت برہم ہوئے۔ اُسی شام ایک اشتہار چھاپ کر تقسیم کیا جس میں سکھوں کی کانفرنس اور کھڑک سنگھ کی تقریر کا سارا غصہ احرار پر نکالا گیا کہ

" احراری مولویوں نے سکھوں کو یہاں بلوا کر ہماری توہین کرائی ہے اور یہ ساری شرارت احرار کی ہے "

حالانکہ احرار کا کانفرنس میں کوئی دخل نہیں تھا، البتہ اپنے مقصد کے لئے سکھوں سے ہمدردی تھی۔

کانفرنس کے موقعہ پر مولانا عنایت اللہ کی تجویز کہ مقامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مشترک کمیٹی بنائی جائے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری کے قادیان پہنچنے اور قادیانیوں پر ماسٹر جی کی سیاسی فائرنگ نے دجالی ٹولے کو اپنی تمام حرکات اور حکام کی حمایت کے باوجود محض مردہ لاش بنا دیا تھا۔ مشترک ڈیفنس کمیٹی میں قادیان کے ہندو مسلمان اور سکھ شامل تھے۔ ڈاکٹر گوروبخش سنگھ، خواجہ عبدالحمید بٹ، کنج بہاری لعل المعروف رب قادیان زیادہ سرگرم کارکن تھے۔ اس کمیٹی کا یہ فائدہ ہوا کہ مرزائیوں کی طرف سے اگر کوئی ذرا سی بھی حرکت ہوتی تو یہ کمیٹی فوراً اس کا مقابلہ کرتی متعلقہ حکام کو اس کی اطلاع دی جاتی۔ کمیٹی کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ حکام کو اپنا رویہ بدلنا پڑا۔ پہلے پولیس مرزائیوں کی طرفدار تھی، اب غیر جانبدار سو بڑے رکھتی تھی۔

احرار کانفرنس سے مشترک ڈیفنس کمیٹی کی تشکیل تک مسلمان اور دوسری اقلیتوں نے دجالی ٹولے کے خلاف اپنے دفاع میں جو کچھ کیا اس کا ردِ عمل

تھا کہ قادیان میں مرزائیوں کی اُچھل کود، لاقانونیت غنڈہ گردی بہت حد تک ختم ہوگئی۔ اب دکاندار سے سودا خریدتے وقت لائسنس کا نہیں پوچھا جاتا تھا۔ اب دکاندار اس گروہ کے کسی فرد کے احترام میں کھڑے نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی کوئی دھاندلی ہوسکتی تھی۔ حق اور باطل کا وقار برابر ایک ساتھ چلنے لگا تھا جب کہ پہلے حق کی بات کرنا جُرم تھا۔ سانپ گو مرا نہیں تھا مگر اس کی پھنکار ختم ہو چکی تھی۔

قادیان میں تعزیے کا جلوس

دجالِ قادیان اور اس کے جانشین حکیم نور الدین حجام سمیت ان پر غیر مقلد ہونے کا لیبل تھا اور یہ الزام نہیں تھا۔

قارئین زیرِ نظر کتاب کے گذشتہ اوراق پڑھ چکے کہ متنبی قادیان اپنے ابتدائی ایام میں اپنے ایک اہلحدیث دوست مولوی محمد حسین کے ساتھ تقریباً دو ہفتے لاہور چینیاں والی مسجد میں رہا۔ اس دوران ایک جمعہ بھی اس مسجد میں پڑھایا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ دجالی خاندان کا یہی عقیدہ تھا۔ اس بنیاد پر قادیان کے جعفریہ عقیدہ کے لوگ مسلمان اور مرزائی جھگڑے کو سُنی مسلمانوں کی آپس کی لڑائی سمجھ کر پوری طرح مجلس احرار کے ساتھ نہیں تھے حالانکہ دجالِ قادیان صاف کہتا ہے۔

صد حسین درگریبانم

مگر اس پر بھی وہ اندر سے احرار کی مرزائیوں سے لڑائی حقیقی نہیں سمجھتے تھے۔ . . . خیر . . . اس کے لئے ماسٹر جی نے دینا نگر ضلع گورداسپور کے ایک شیعہ نوجوان مظفر علی شمسی کو چپکے سے قادیان بلوا کر انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ

"عشرہ محرم میں اگر آپ مقامی شیعہ برادری سے مشورہ کر کے قادیان میں تعزیے کا جلوس نکالیں تو مقامی مسلمان ہر طرح

منظفر علی شمسی

آپ کے معاون ہوں گے۔"
منظفر علی شمسی : صرف معاون ہوں گے۔ یا جلوس میں شریک ہو کر ماتم بھی کریں گے۔
ماسٹر جی : ماتم بھی کریں گے ۔

قادیان میں دفتر احرار کے باہر خبرنامہ کا ایک بورڈ لگا رہتا تھا جس پر روزانہ کی خبریں لکھ دی جاتی تھیں حسب دستور آٹھ محرم کو یہ خبر لکھ دی گئی کہ

" دس محرم کو قادیان میں شہادت حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ماتمی جلوس نکلے گا مسلمانان قادیان کا فرض ہے کہ وہ اس کے احترام میں جلوس میں شرکت کریں"۔

اس جلوس سے شیعوں کا کام ہو گیا اور احرار کا کام بھی بن گیا مگر مرزائیوں کی ماں مرگئی۔

عشق اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے

شاہ جی کی گرفتاری اور رہائی

۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان کانفرنس میں بطور صدر شاہ جی نے جو خطبہ دیا، حکومت کے نزدیک وہ قابلِ جرم قرار دیا گیا اس پر حضرت امیر شریعت کو دفعہ ۱۵۳ الف اور ۱۰۸ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

یہ گرفتاری ڈیرہ دون (بھارت) میں ہوئی۔ ان دنوں شاہ جی اپنے حرم محترم کی بیماری کے باعث مسوری میں مقیم تھے، دوسرے دن ہیں انہیں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

اس مقدمہ میں شاہ جی کو گورداسپور کی عدالت سے چھ ماہ قید سخت کی سزا ہوئی۔ اس سزا کے خلاف مجلسِ احرار نے گورداسپور سیشن جج مسٹر جی ڈی کھوسلہ کی عدالت میں اپیل دائر کی جس نے جون ۱۹۳۵ء کو ماتحت عدالت کی سزا کم کر کے تابرخاست عدالت کی سزا دی۔ سیشن جج کے اس فیصلے نے آئینی اور اخلاقی طور پر دجالی گروہ کے غبارے سے ساری ہوا خارج کر دی۔

(نوٹ) اس مقدمہ کی تمام کارروائی اور ڈسٹرکٹ سیشن جج کا تاریخی فیصلہ مصنف کی کتاب "حیاتِ امیر شریعت" میں دیکھیں۔

مقدمہ بہاولپور میں فقہ اسلامیہ کا اہم فیصلہ

اسی سال (۱۹۳۵ء) ریاست بہاولپور کے ڈسٹرکٹ سیشن جج نے فقہ اسلامیہ کے تحت مرزائیت کے خلاف ایک اہم فیصلہ دیا۔ اس مقدمہ کا پسِ منظر یہ تھا۔

مسمیان مولوی الٰہی بخش و عبدالرزاق باہمی رشتے دار تھے۔ مولوی الٰہی بخش نے اپنی دختر مسمات غلام عائشہ کا نکاح اُس کے ایام نابالغی میں مسمی عبدالرزاق سے کر دیا تھا۔ عبدالرزاق نے بعد میں اپنے اسلامی اعتقادات سے انحراف کرتے ہوئے مرزائی مذہب اختیار کر لیا۔ جب مسمات غلام عائشہ سن بلوغت کو پہنچی تو عبدالرزاق نے اپنے سسر مولوی الٰہی بخش سے مسمات مذکور کے رخصت کرنے کی استدعا کی، جس کے جواب میں مولوی الٰہی بخش نے کہا کہ عبدالرزاق چونکہ مذہب اسلام ترک کر کے مرزائی ہو چکا ہے اور اس اعتبار سے شرعاً یہ مسلمان نہیں رہا لہٰذا جب تک وہ مرزائی مذہب ترک نہیں کرتا، مسمات غلام عائشہ کو اس کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

اس سوال پر مولوی الٰہی بخش اور عبدالرزاق کے درمیان جب کشیدگی کافی

بڑھی اور ایک جانب سے اصرار اور دوسری جانب سے انکار نے تکرار کی صورت اختیار کر لی تو مسمات غلام عائشہ نے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مولوی الٰہی بخش نے بحیثیت مختار غلام عائشہ ۲۴ رجولائی ۱۹۲۶ء کو مسمی عبدالرزاق کے خلاف احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور کی عدالت میں دعویٰ تنسیخ نکاح بدیں بیان دائر کیا کہ مسمات غلام عائشہ عرصہ دو سال سے بالغ ہے۔ مسمی عبدالرزاق نے مذہب اسلام ترک کر کے قادیانی مذہب اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو چکا ہے جس کی بنا پر مسمات غلام عائشہ اس کی منکوحہ نہیں رہی، اس لئے ڈگری بحق مسمات غلام فاطمہ صادر کی جائے۔ کہ بوجہ مرزائی ہو جانے عبدالرزاق کے مسمات مذکور اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی اور نکاح بوجہ ارتداد ہمراہ عبدالرزاق قائم نہیں رہا۔

یہ تاریخ ساز مقدمہ تقریباً نو سال زیر سماعت رہا۔ اس دوران جن علمائے دین نے عدالت میں پیش ہو کر دجالی گروہ پہ کفر کی مہر ثبت کی۔ اُن میں استاد الاساتذہ شیخ المحدثین امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، علامہ حضرت غلام محمد گھوٹوی، مناظر اسلام مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری جیسے مشاہیر شامل ہیں، جنہوں نے عدالت میں پیش ہو کر اپنی شہادتیں قلم بند کرائیں اور فریق ثانی کی شہادتوں پر براہین و دلائل سے ایسی باطل شکن جرح زبانی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل و فریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کر کے مرزائی مذہب کو بُری طرح ننگا کیا۔

ان عظیم المرتبت علما کی شہادتوں کی روشنی میں مرزائی مذہب کو اپنی شکست واضح نظر آنے لگی تھی۔

اس دوران یہ بات بھی سننے میں آئی کہ ابن دجال نے اپنی سابقہ روایات کے تحت عبدالرزاق مدعا علیہ کو اس امید موہوم پر قتل کرا دیا کہ اس کی موت کے بعد یہ نو سالہ پُرانا قضیہ ختم ہو جائے گا۔

اس سے ابن دجال کا منشا تھا کہ جب مدعا علیہ مر چکا ہے تو مقدمہ داخل

دفتر ہو جاتے گا۔ مگر مقدمہ مذکور کی نوعیت شخصی نہیں بلکہ اس کا تعلق اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی تھا۔

بنابریں ابنِ دجال کا یہ فریب بھی کارگر نہ ہو سکا اور عدالت نے ۷ رفروری ۱۹۳۵ء کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ جس کے تحت غلام عائشہ کا نکاح عبدالرزاق مرزائی سے فسخ ہو گیا۔

اس مقدمہ میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری کو کئی روز تک عدالت میں شہادت کے لئے کٹہرے میں کھڑے رہنا پڑا۔ اختتام شہادت پر مولانا انور شاہ صاحب نے فرمایا۔

"اگر میں زندہ رہا تو اس مقدمہ کا فیصلہ خود سن لوں گا ورنہ میری قبر پر آکر سنا دینا۔ میں سن لوں گا"

نمازِ جمعہ پر پابندی

اس طرح قادیان کی سیاسی بساط الٹ چکی تھی۔ ماسٹر تاج الدین انصاری کو جماعت نے واپس بلا لیا۔ اب مولانا عنایت اللہ چشتی نے کام کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری خود سنبھال لی۔ اُن کے ساتھ مولانا محمد حیات اور امرتسر کے جواں سال عبدالحمید بٹ المعروف صوفی کاشمیری کو معاون کی حیثیت میں قادیان میں مقرر کر دیا۔

مولانا عنایت اللہ اپنے علاقے کے کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بنابریں جماعت سے وابستگی کسی معاوضے کے ساتھ نہیں تھی تاہم قادیان میں مستقل قیام کے پیشِ نظر انہوں نے دفتر میں کھدر سٹور قائم کر لیا تاکہ

؎ چھیڑ خوباں سے چلی جاتے اسد

ڈسٹرکٹ سیشن جج گورداسپور اور بہاولپور کے مقدمہ نے مرزائیت کو بالکل ننگا کر دیا تھا اور برطانیہ کے اس خودکاشتہ پودے کے تمام برگ و بار جھاڑ دیئے جس سے اس غبارے کی رہی سہی ہوا بھی نکل گئی۔

متذکرہ مقدمات کے فیصلوں سے نبوتِ باطلہ کی وہ رسوائی ہوئی کہ اس کے اندر کی فریب خوردہ شیرازہ بندی میں بغاوت کے آثار ابھرنے لگے۔

انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے مجلسِ احرار نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں قادیان میں حضرت امیر شریعت کی قیادت میں نمازِ جمعہ کا اعلان کر دیا۔

احرار کی اندرونی اور بیرونی یلغار نے دجالی محل کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ ان ان حالات میں جب انہیں پتہ چلا کہ احرار کا قافلہ ابابیل پھر سے حملہ آور ہونے والا ہے تو پھر اپنے آقاؤں کے قدموں میں جا کر واویلا کرنے لگے۔

"اے ان داتا! دیکھو، احرار والے پھر سے قادیان میں نمازِ جمعہ کے بہانے آ رہے ہیں، خدا کے لئے انہیں روکو، ورنہ تمہاری روحانی اولاد کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ۱۸۵۷ء میں تمہاری مشکلات کے دنوں میں تمہاری امداد کی تھی اور اب بھی ہم تمہارے ہیں۔"

اس کے علاوہ سر ظفر اللہ نے وائسرائے کے پاؤں پکڑے۔ اُس نے گورنر پنجاب سے سفارش کی کہ احرار سے ان کی جان چھڑاؤ۔ آخر حکومت پنجاب نے قادیان میں نمازِ جمعہ پر پابندی عائد کرتے ہوئے قادیان سے پانچ میل تک دفعہ ۱۴۴ کے تحت احرار کا قادیان میں داخلہ بند کر دیا۔

احرار کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنے ہی یہ ابھریں گے جتنا کہ دبا دیں گے،

حکومت کو یقین تھا کہ احرار اس پابندی کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن احرار کا فیصلہ بھی تن آسان قسم کے لوگوں کا فیصلہ نہیں تھا کہ مصائب و آلام سے گھبرا کر آئیں بائیں شائیں کر کے ٹال دیتے اور نہ ہی یہ ساحل پر کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے والے تھے بلکہ یہ لوگ طوفانوں سے ٹکرا کر گوہرِ مقصود ڈھونڈنے والے تھے، جوں ہی پتہ چلا کہ حکومت نے قادیان میں نمازِ جمعہ پر پابندی عائد کر دی ہے۔ دفتر میں موجود چہروں پر رونق عود کر آئی۔

ـ آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے،

حکومت کے اس فیصلے میں مرزائیوں سے زیادہ حکومت کا احرار کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنا مقصود تھا۔

ـ اسی خاطر تو موجیں آپ ٹکراتی ہیں ساحل سے
کہ طوفاں بڑھتے بڑھتے واقفِ ساحل نہ بن جاتے (جانباز مرزا)

اسلام اپنے اصولوں پر کسی بھاؤ سودا نہیں کرتا اور پھر انگریز سے۔ احرار رہنماؤں نے اس پابندی کو توڑنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ اعلان کے مطابق حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسر سے پٹھانکوٹ جانے والی ٹرین پر بمعہ اپنے رفقا جن میں راقم بھی شامل تھا، نو بجے صبح روانہ ہوئے، بٹالہ ریلوے اسٹیشن سے قادیان کے لئے گاڑی تبدیل کرنا تھی، یہاں سے بھی کافی دوست شاہ جی کی معیّت میں اسی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ پولیس بھی کافی تعداد میں ساتھ ہو لی جینتی پور اسٹیشن پر گاڑی کے رُکتے ہی پولیس شاہ جی کے ڈبے میں پہنچ گئی اور انہیں نوٹس دیا کہ

"قادیان سے پانچ میل تک دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے، لہٰذا بحکم گورنر پنجاب آپ اس سے آگے نہیں جا سکتے۔"

شاہ جی: بھائی! میں صرف نمازِ جمعہ پڑھانے جا رہا ہوں، جمعہ پڑھا کر واپس آجاؤں گا۔

انسپکٹر پولیس: وہ درست ہے شاہ جی! لیکن مجھے افسروں کا حکم ہے جس پر میں مجبور ہوں کہ آپ کو روک لوں۔

شاہ جی: یہ تو مداخلت فی الدین ہے بھائی! آپ کو گورنر کا حکم ہے مجھے میرے خالق کا حکم ہے، لہٰذا میں آپ کے نوٹس کو قبول نہیں کرتا۔

بنا بریں، شاہ جی کو یہیں گرفتار کر لیا گیا۔

گھر سے روانگی کے وقت ہی شاہ جی گرفتاری کے لئے تیار ہو کر آئے تھے، سامان ساتھ تھا۔ شاہ جی کو یہیں اتار لیا گیا اور پولیس انہیں کار میں بٹھا کر لے گئی۔ گاڑی قادیان کی طرف روانہ ہو گئی۔ راقم بھی اسی گاڑی میں تھا، چپکے سے قادیان پہنچ گیا اور مسلمانوں کی مسجد میں جا کر مختصر طور پر چند الفاظ کہے اور نمازِ جمعہ مولانا عنایت اللہ نے پڑھائی۔

اس کارروائی سے مرزائیوں اور حکومت کے تمام کئے دھرے پر پانی پھر گیا۔ دونوں کا مدعا تھا کہ قادیان میں مسلمانوں کا اجتماع نہ ہو، مگر وہ تو ہو گیا۔

مدعی لاکھ بُرا چاہے کیا ہوتا ہے

دوسرا جمعہ

حکومت نے محض مرزائیوں کی دلجوئی کے لئے یہ حرکت کی تھی ورنہ قادیان میں اگر جمعہ کی نماز ہو جاتی تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی۔

تصور میں چلے آتے، تمہارا کیا بگڑ جاتا\
تمہارا پردہ رہ جاتا ہمیں دیدار ہو جاتا

مگر یہاں تو نہ پردہ رہا نہ دیدار ہوا۔ حکومت کا خیال تھا کہ بات بخاری کی گرفتاری تک رہے گی، مرزائی بھی مطمئن تھے کہ بخاری کے قادیان آنے پر جو طوفان اٹھا تھا وہ رک گیا مگر دونوں کی سوچ جوانمرگ ہو گئی کیونکہ یہ تحریک باقاعدہ چل نکلی۔

شاہ جی کی گرفتاری کا اخبارات میں شائع ہونا تھا کہ دفترِ احرار میں آئندہ گرفتاریوں کی طویل فہرست مرتب کر لی گئی اور اس تحریک کا مرکز امرتسر اور بٹالہ قرار پائے، میرے لئے جماعت کا حکم تھا کہ مرکز جو بھی کسی کو نماز جمعہ کے لئے نامزد کرے راقم اس کے ساتھ امرتسر سے بٹالہ ریلوے سٹیشن تک جائے۔

آئندہ جمعہ مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری (دیوبندی) کو نماز جمعہ کے لئے قادیان جانا تھا، چنانچہ جماعتی حکم کے مطابق میں بٹالہ پہنچا۔ دوست کافی تعداد میں اسٹیشن پر موجود تھے، پولیس نے اپنے فیصلے میں ترمیم کرتے ہوئے مولانا ابوالوفا

کوبٹالہ اسٹیشن پر ہی نوٹس دے دیا کہ

"آپ قادیان سے پانچ میل اس طرف رہیں"

گذشتہ جمعہ میرا قادیان جانا، مرزائیوں اور ضلعی حکام کے لئے بڑی ندامت کا باعث ہوا۔ باوجودیکہ میرا گرفتار ہونے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر حکومت نے مجھے بھی نوٹس دے دیا، یہ نوٹس میرے لئے چیلنج بن گیا۔ پھر مولانا ابوالوفا نے بھی کہا کہ وفا کا ساتھ چھوڑ جانا بے وفائی ہوگی، یہ بات بھی مجھے کھا گئی۔ چنانچہ میں نے نوٹس پھاڑ دیا اور مولانا کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ جینتی پور پہنچنے پر ہم دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسی وقت ڈپوٹی مجسٹریٹ نے ہمیں تین تین ماہ قید سخت اور ایک ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا دے کر گورداسپور جیل پہنچا دیا۔ یہاں حضرت امیر شریعت سے ملاقات ہوگئی۔

تیسرے جمعہ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی گرفتار ہوتے اور چوتھے جمعہ لاہور کے ایک نوجوان محمد حسین سیٹھی، پانچویں جمعہ ایک مرزائی نومسلم (نام یاد نہیں) چھٹے جمعہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو قادیان نماز جمعہ کے لئے جانا تھا مگر اس جمعہ حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے اور قادیان میں نماز جمعہ پر سے پابندی اٹھائی تاہم تحریک کے قیدی رہا نہیں کئے گئے وہ اپنی میعادِ اسیری گزار کر رہا ہوتے۔

اس تحریک کے نتیجے میں ہر جمعہ کوئی نہ کوئی عالم دین قادیان میں نماز پڑھانے کے لئے پہنچ جاتا۔ ان علما کی فہرست میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا عبدالغفار غزنوی، مولانا بہاؤالحق قاسمی شامل تھے۔

اس دوران ایک رات شیخ حسام الدین کی تقریر قادیان میں ایک ایسے مکان کی چھت پر ہوئی جو قصرِ ذلالت کے متصل تھا، اس طرح پنجابی کا ایک محاورہ یاد آیا۔

کُتے نولت راس آگئی

یعنی حکومت نے مرزائیوں کی رام دہائی پر ایک نماز پر پابندی عائد کی مگر
یہاں تو لائن لگ گئی ۔

کبڑے کو کسی نے غصے میں لات رسید کی، اس سے اس کی کمر سیدھی
ہو گئی ۔

بٹالہ تحریک کا مرکز تھا

لاریب، نیکی کا حصول انسان کے اختیار میں نہیں، یہ انمول تحفہ رب اکبر جس جھولی میں چاہے ڈال دے، نہ ہی یہ کسی بازار کی جنس ہے کہ اسے خریدا جا سکے، تجسس کے باوجود انسان اس سے محروم و نامراد رہتا ہے لیکن جس کے مقدر میں ہو اسے راہ چلتے مل جاتی ہے ۔

دجالی تحریک کے خلاف جہاد بازیچہ اطفال نہیں تھا۔ برطانوی سلطنت کی ہر ممکن حمایت اِسے حاصل تھی ۔ خود اندرون قادیان ابلیسی قوت، غنڈہ گردی قتل و غارتگری اور اس پر قانونِ افرنگ کی پشت پناہی کس کی مجال تھی کہ اس ظلم کے خلاف بات کر سکے ۔ فرعونِ مصر کے مقابل عصائے موسوی سے جو معجزات ظہور میں آئے تو یہ حضرت موسیٰؑ کا کمال تھا نہ اُس کے عصا کی کوئی حقیقت تھی، یہ خالقِ کائنات کی اپنی ضرورت اور حکمتِ عملی تھی کہ خالقیت کا دعویدار چیونٹی کی طرح مسلا گیا۔

دنیاوی وسائل سے محروم احرار راہنما جبروتی قوتوں کے مقابل کیونکر ٹھہر سکتے تھے مگر باطل ایمان کے سامنے ہوا کی طرح اُڑ جاتا ہے۔ البتہ ظاہری اسباب میں عزم اور فیصلے میں خلوص کا ہونا ضروری ہے، یہ بھی انسان کے اختیار میں نہیں۔ قدرت جس کو چاہے سونپ دے ۔ یہیں سے نیکی جنم لیتی ہے ۔

امرتسر سے بٹالہ تقریباً تیس میل اور بٹالہ سے قادیان گیارہ میل پر واقع ہے۔ قادیان میں نمازِ جمعہ پر پابندی سے پیشتر، بٹالہ کے عوام اور یہاں کے قومی رہنماؤں کے مابین مجلسِ احرار کا کوئی رابطہ نہیں تھا، تاہم ایمان کا بوجھل پشتارہ اٹھاتے ہوئے بٹالہ کے لوگ کسی ایسی قوت کے منتظر ضرور تھے ، جو

انہیں قادیانی فرعونہ سے بچا سکے۔

حاجی عبدالرحمٰن اور حاجی عبدالغنی مقامی رؤسا میں معروف حیثیت رکھتے تھے۔ یہ دل کے بھی رئیس تھے، انہیں جب احرار کی جسارت پر یقین ہوا تو انہوں نے احرار رہنماؤں کے لئے اپنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیتے۔ گھر کے دروازے احرار کارکنوں کے لئے شب و روز وا رہتے۔ حاجی برادران کی والدہ محترمہ اپنے بڑھاپے کے باوجود مسکراتے چہرے سے نظر آتیں۔ بوڑھی اور روشن آنکھیں اندھیری راتوں میں اپنے احرار مہمانوں کی منتظر رہتیں، اپنے بیٹوں کی طرح ختم نبوت کا تحفظ ان کے ایمان کا جزو تھا۔

یہ گھرانا تحریک خلافت کے دنوں سے خدمتِ ملت میں مصروف تھا۔ مولانا مظہر علی اظہر ان کے رفقا میں سے تھے، اُن کی سیاسی زندگی کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔

خلافت تحریک کے بعد انجمن شباب المسلمین بنی تو اِس کے رہنما بھی یہی لوگ تھے۔ ہر سال انجمن ہذا کے سالانہ اجلاس ہوتے۔

بٹالہ میں مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ تھا، یہاں تک کہ مرزائی مردہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا تھا۔ مجلسِ احرار اور مرزائیوں کے درمیان لڑائی کا آغاز ہوا تو انجمن شباب المسلمین کو مجلس احرار میں مدغم کر دیا گیا۔

بٹالہ کے معروف سرگرم کارکنوں میں مولانا نور محمد، چودھری محمد عالم[1] چودھری محمد ابراہیم بھٹہ، محمد شوق، مولوی رحمت اللہ[2] مہاجر، خواجہ عبدالحمید صدر مجلس احرار بٹالہ چودھری

[1] تقسیم ملک کے بعد چودھری محمد عالم فیصل آباد میں آ گئے یہاں عالم کانی ہاؤس کے نام پر چائے کا ہوٹل قائم کیا جو شہر بھر کے سیاسی کارکنوں کا مرکز بن گیا۔ چودھری محمد عالم دم واپسی تک مرزائیت سے جنگ آزما ہے۔

[2] ، مولوی رحمت اللہ مہاجر قادیان کے شہری تھے، مرزائیوں کے تشدد سے تنگ آ کر ہجرت کر کے بٹالہ آ گئے۔ تقسیم ملک کے بعد شجاع آباد جا بسے اور یہی ان کا انتقال ہوا۔

جمال دین، چودھری ثناء اللہ بھٹہ ایثار و قربانی میں ان کارکنوں کے قدموں کے نشان اِن کی زندگی کی ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے۔

مرزائی دشمنی کے باعث حاجی برادران کا وجود مرزائی ٹولے کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ جس کے نتیجے میں مرزائیوں نے بٹالہ کے اوباش اور بدقماش قسم کے گروہ سے جس میں علامہ اقبال کا لڑکا آفتاب اقبال[1] بھی شامل تھا، سازش کر کے حاجی عبدالغنی کو ایک رات شہید کرا دیا۔ (اس سازش کی تفصیل کاروانِ احرار کی جلد چہارم کے صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

شعبہ تبلیغ مجلس احرار کا قیام

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز مسلمانانِ ہند کی ہر سیاسی تنظیم سے خائف تھا۔ بنابریں کانگریس سے زیادہ وہ مجلس احرار کو اپنا دشمن خیال کرتا۔ مرزائیوں سے احرار کی جنگ انگریز کے لیے دوگونا مشکلات کا باعث تھی۔ اوّل احرار کے نظام کو انگریز طاقتور دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ دوسرے مرزائی تحریک انگریز کو اولی الامر کا درجہ دیتی تھی۔ اس بنا پر احرار کے ہاتھوں مرزائیت کا پٹنا بھی برطانیہ کو پسند نہیں تھا۔ اِن وجوہ پر مسلمان سرکاری ملازمین مرزائیت کی مخالفت قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔

جیسے کہ بیشتر ازیں لکھا جا چکا ہے کہ علما کے ایک مخصوص طبقہ نے مرزائی کی مخالفت کو کسی طور حدِ فاصل قرار نہیں دیا تھا۔ اُلٹا اُن کے بحث و مناظرے کے باعث مرزائیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھ لیا گیا۔ ان حالات میں مجلسِ احرار کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر احرار رہنماؤں نے مسلمان کی اِس بنیادی کمزوری کو بھانپ کر ۲۱، ۲۲ جولائی ۱۹۳۶ء کو مجلس احرار کا ایک شعبہ تبلیغ قائم کر دیا اور حسبِ ذیل مقاصد قرار پائے۔

۱۔ یہ شعبہ خالص مذہبی ہے، سیاسیاتِ ملک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

---

[1] آفتاب اقبال اور ان کی والدہ کو ڈاکٹر علامہ اقبال آئینی طور پر اپنے سے الگ کر چکے تھے۔

۲- ارتداد اور دہریت کی روک تھام کے پیشِ نظر مسئلہ ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔

۳- مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اُس کے لئے مبلغوں کی ایک سرگرم جماعت تیار کرنا۔

۴- ہندوستان اور بیرون ہند میں اسلام کی اشاعت کرنا۔

۵- خدمتِ خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔

عہدیدار

شعبہ تبلیغ کے حسب ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

صدر، میاں قمرالدین رئیس اچھرہ (لاہور)

نائب صدر، چودھری افضل حق۔ایم ایل سی۔ممبر پنجاب کونسل

جنرل سیکرٹری، مولانا عبدالکریم ایڈیٹر ہفت روزہ مباہلہ لاہور

شعبہ تبلیغ کا صدر دفتر اچھرہ لاہور میں قائم کیا گیا۔

قادیان میں بغاوت

بُرائی اور گندگی زیادہ دیر نہیں چھپتے۔ مجلسِ احرار کے قدم جیسے جیسے قادیان میں بڑھتے گئے وہاں کے رازہائے سربستہ آپ سے آپ نکھر کر سامنے آتے چلے گئے، بے حیائی تقدس کی چادر میں کب تک چھپی رہ سکتی، گناہ کا گریبان جب چاک ہوتا ہے تو پھر کوئی گوشہ رفو کے قابل نہیں رہتا۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دجال ابنِ دجال (بشیرالدین محمود) نے ابلیس کے سنگھاسن پر بیٹھ کر ابنِ آدم کو کس طرح فریب دیئے۔ معصوم عصمتوں کو جس بری طرح داغدار کیا آخر یہ ڈرامہ ایک دن تو ختم ہونا تھا۔ وقت دیر سے اس کا منتظر تھا۔ فریب خوردہ مسلمان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے دجالی مرکز (قادیان) میں پہنچے تو اُن پر کیا گزری، جب

وہ تہی دامن ہوئے تو قصرِ ذلالت میں ابن دجال نے اُن کی آبروئیں کس طرح بے دام خریدیں۔

یہ دور ہے جب ابنِ دجال کے پالتو لاٹھیاں لئے ہمہ اوقات مظلوموں کے سروں پر کھڑے رہتے تھے اور اُن کے سامنے مظلوموں کی متاعِ حیات لٹتی رہی۔ اس بیرِ چاگردی میں کوئی مائی کالال نہیں تھا جو قصرِ ذلالت کی جلتی اور بجھتی بتیوں کی نشاندہی کرتا۔

اس پُرآشوب دور میں جانے کتنی آوازیں ظلم وجور سے آنکھ بچا کر عرشِ الٰہی تک پہنچی ہوں گی کہ نمرود کی آگ یخ بستہ ہو کر رہ گئی۔

یہ ۱۹۳۷ء کا سال ہے مسلمان اور دجالی گروہ کے درمیان لڑائی پر سے قریباً پانچ سال بیت چکے۔ اس دوران مرزائیت اس بُری طرح رُسوا اور ننگی ہوئی کہ برصغیر میں اس کا اصل روپ دکھائی دینے لگا۔

گو تحریک مسجد شہید گنج (۱۹۳۵ء) کے دنوں انگریز اور ٹوڈی مسلمانوں کی حمائت کے پس پردہ مرزائی اپنی پوری طاقت سے احرار کے خلاف صف آرا ہوتے اس مہم کی رہنمائی سر فضل حسین کر رہے تھے۔ (تفصیل مصنف کی کتاب تحریک مسجد شہید گنج میں دیکھیں)

روزنامہ انقلاب ۲۳ر اپریل ۱۹۳۵ء کے شمارہ میں لکھتا ہے۔

"مرزائیوں نے اپنے سالانہ اجلاس میں اس سال کا بجٹ گیارہ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے اس میں سے ستر ہزار روپیہ مرزائیوں کی تبلیغ کے لئے (گویا احرار کے خلاف) اور بیاسی ہزار دوسرے پروپیگنڈے کے لئے۔"

لیکن اس کے باوجود حقیقت ہزار افسانوں کے پردے چیر کر سامنے آن کھڑی ہوئی۔ دبی ہوئی زبانیں جن پر تقدس کے تالے پڑے ہوتے تھے، بے محابہ چیخ اٹھیں ناکردہ گناہوں کے خون اپنے قاتلوں کی نشاندہی کرنے لگے۔ پاک اور

معصوم عصمتیں، معصیت کے محل سے نکل کر اپنی پاکدامنی پر حلف لینے لگیں۔ خوف و ہراس کے بادل چھٹنے لگے۔ کفر، حق کی دہلیز پر سجدہ ریز دکھائی دینے لگا۔ بغاوت اور افراتفری کے اس دور میں دو خط ایسے ملے جن کے ایک ایک لفظ پر ابنِ دجال کے گناہوں کی تصویر واضح ہے۔

دو خط اس سے قبل کہ قارئین خطوط کا مطالعہ کریں، خط نمبر ا کے مصنف شیخ عبدالرحمٰن مصری اور خط کا پسِ منظر جان لینا ضروری ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن کا تعلق ہندو مذہب سے تھا اس کا سابقہ نام لالہ شنکر داس تھا، دجال (غلام احمد) کے مذہب (مرزائیت) کو اسلام سمجھ کر ۱۹۰۵ء میں اس کے فریب میں پھنس کر اپنی دانست میں مسلمان ہوگیا۔ حکیم نورالدین حجام کے عہد میں اسے مرزائیت کی تبلیغ کے لئے مصر بھیجا گیا وہیں اس نے عربی کی تعلیم حاصل کی، واپس آیا تو دجال کے تخت پر ابنِ دجال براجمان ہو چکا تھا، چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن کو عبدالرحمٰن مصری کا لقب دے کر قادیان کے احمدیہ ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا گیا۔ یہاں اس کی ہدایت پر ابلیسیت کے سینکڑوں مبلغ تیار ہوتے۔ اس دوران مرزائیوں میں عبدالرحمٰن مصری کی نیکی اور تقویٰ کی بنا پر اسے قائمقام خلیفہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اب خط کا پسِ منظر سمجھیں۔

عبدالرحمٰن مصری کا لڑکا بشیر احمد حافظ قرآن ہونے کے ساتھ بی اے کا طالب علم تھا۔ مشاطۂ فطرت نے اُس کے ظاہری بناؤ سنگھار میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ شائد قرآن کریم کی تعلیم کا اثر تھا کہ خوبصورت ہونے پر بھی یہ گندگی کے ماحول سے محفوظ رہا، مگر کب تک۔ آخر ایک دن ابنِ دجال کی نظرِ بد اس پر پڑی اور اس کا جھٹکا ہو گیا۔ اگلی کہانی حافظ بشیر کی زبانی سنیئے۔

"چونکہ والد (عبدالرحمٰن مصری) کی رسائی قصرِ ذلالت (قصرِ خلافت) تک تھی، اس بنا پر میری پہنچ میں بھی آسانی تھی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ

ایک دن ابنِ دجال نے مجھے دیکھ لیا اور بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھا کر محبت کا اِس انداز سے اظہار کیا کہ مجھے اس کی نیت پر قدرِ شبہ ہونے لگا، مگر یقین کی حد تک نہیں، کیونکہ ہماری نظر میں یہ معمور من اللہ تھا۔ آخر اس کی بُری حرکات اور ہاتھوں کی گستاخیوں نے میرے گمان کو یقین دلایا کہ جو کچھ تو سمجھ رہا ہے یہ وہ نہیں، یہ شفقت کا ہاتھ نہیں شہوت کا ہاتھ ہے۔

کالج کا سٹوڈنٹ ہوتے ہوتے بھی میں انداز محبت سے گو آشنا نہیں تھا لیکن بے خبر بھی نہیں۔ پھر بشیر الدین کی آنکھوں کے ڈورے اس حد تک سرخ ہو چکے تھے کہ مجھے اپنی آبرو کا دامن سلگتا ہوا محسوس ہوا، قریب تھا کہ سب کچھ جل کر راکھ ہو جاتا۔ ابنِ دجال کی لڑکی (محمودہ) کمرہ میں داخل ہوئی، ابنِ دجال اسے تنہا میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

باپ کے جاتے ہی سولہ سنگھار سے آراستہ بیٹی میرے سامنے آ بیٹھی بلکہ قریب تر، دلبری کے انداز اور نخرے بکھیرنے لگی۔ گو اس کے مذہب میں حسن کا کافر ہونا ناممکن ہے اور جب وہ خود کہے، تھوڑی سی پی تیرے لئے۔ تو انکار پر جام وصراحی نہیں، ساقی سمیت میخانے کے روٹھ جانے کا ڈر رہتا ہے۔

حسن جب حسن کے مقابل آجاتے تو عشق درمیان سے ہٹ کر تماشائی بن جاتا ہے، ایک طرف نسوانی حسن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ مردانہ حسن کو مات دینے میں اپنی اداؤں کے خم بر خم لنڈھا رہا ہو تو سامنے کا حسن کب تک انتظار کرے گا۔ آخر دل ہی تو ہے بنتِ دجال نے شیطنت کے جوہر دکھانے میں کمی نہ آنے دی، میرے پر اس خاندان کے تقدس کا ایسا رُعب تھا کہ موسم سرما ہونے پر بھی میرا جسم پسینہ سے شرابور تھا۔

الہٰی یہ ماجرا کیا ہے؟۔

اگرچہ اس دوران شرم و حیا کے بہت سے پردے اُٹھ چکے تھے تاہم نہ تو میری نگاہوں نے گستاخی کی، نہ ہاتھ آپے سے باہر ہوتے۔

ہنوز یہ کشمکش بغیر کسی نتیجے کے جاری تھی کہ ابنِ دجال احوال معلوم کرنے کمرے میں داخل ہوا۔

(اپنی لڑکی سے)

کیوں بھئی؟

بنتِ دجال۔ اُوں ہُوں۔

اس اُوں ہُوں میں اس نے میرے انکار کی ساری داستان کہہ دی۔ آخر ہم دونوں کے لئے کھانا لایا گیا۔ زعفران تک کی خوشبو تو سمجھ آ رہی تھی اور خدا جانے کیا تھا۔

ے کسی کے آنے سے ساقی کے ہوش اُڑے ایسے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

میرے انکار کی کہانی سن کر باپ نے خود آگے بڑھ کر باپ بیٹی کے پاک رشتے کی دھجیاں اُڑا دیں، اس پہ نہ تو بیٹی نے احتجاج کیا نہ باپ کو حیا آئی۔ یہ سارا کچھ میرے سامنے ہوا۔ جی میں آیا کہ چیخ کر یہاں سے بھاگ جاؤں، مگر کیسے، دروازے مقفل تھے۔

اس تمثیل کی دو صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اوّل مجھے اشتعال دلانے کے لئے یا پھر اس گھر کی ریت یہی تھی۔ اس پر میرے ضبط کے تمام بندھ ٹوٹ گئے۔

مال اچھا ہو تو گاہک ہر قیمت پر خریدتا ہے۔ ابنِ دجال کا دل میرے پر ریجھ گیا تھا۔ اس کے لئے اس نے بیٹی کی آبرو تک کو داؤ پر لگانے سے دریغ نہیں کیا۔

آمنے سامنے تبادلہ طوفان کے پانی کا بہاؤ اگر نیچے کی طرف ہو تو اس کے آگے بند باندھنا مشکل ہوتا ہے۔ برسات کے دنوں میں تو یہ دشواریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔

چند لمحے پہلے میری آنکھوں نے جس انسانیت سوز ذلالت کا مظاہرہ کیا۔ اُس اُبلتے ہوتے لاوے نے میری جوانی کو بھی سمیٹ لیا۔ بشیرالدین نے اپنی بیٹی کے ساتھ جو رُوسیاہی کی۔ یہ صرف میرے حصول کا ایک راستہ تھا۔ آخر اس کی تمنا بھر آئی۔ میرے آر یب ہونے کا نظارہ بنتِ دجال نے مسکراتے ہوتے کیا جب کہ میں اس کی متاعِ حیات لٹتی دیکھ کر کانپ رہا تھا۔ آج میرے گناہ کا پہلا دن تھا ورنہ میرے گھر کا ماحول اور اس پر قرآن حکیم کی برکت کہ میں اس گناہ کی لذت سے محروم تھا۔

میں ان دنوں اٹھارہ انیس سال کے پیٹے میں تھا اور بنتِ دجال بائیس اور تیئیس کے سن سے گذر رہی تھی۔ جوانی کی گھٹائیں دونوں طرف سے اُمڈی ہوئی تھیں۔ جذبات آمنے سامنے موجزن تھے۔ ہاتھ اور نگاہیں منتظر تھیں کہ پہل کون کرے۔ آگ دونوں طرف شعلہ فشاں تھی۔

دل کو تھاما اُن کا دامن تھام کے
ہاتھ میرے دونوں نکلے کام کے

پھر جب گناہ کرنا ہی ٹھہرا تو دیر کیسی۔

میں نے باپ (ابنِ دجال) کی موجودگی میں بیٹی سے اپنی آبرو کا انتقام لیا۔ اور پھر باپ نے بیٹی کا انتقام مزید مجھ سے لیا اس طرح آمنے سامنے تبادلہ ہوتا رہا۔ گھی آگ کے قریب پہنچ کر پگھل چکا تھا۔

یہ بھٹی مسلسل تپتی رہی۔ اس دوران قصرِ ذلالت شیطان کی آماجگاہ بنا رہا۔ حیاؔ و شرم عصیاں کے تالاب میں گندی مچھلیوں کی طرح

تیرتے رہے یہاں تک کہ ہر سہ فریق کے شعلے سرد پڑ چکے تھے۔

؎ نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے

بُرائی سے متنفر دل بعض دفعہ نیکی سے بھی خوف کھاتا ہے کہ شاید یہ بھی نظر کا فریب نہ ہو۔

مذہب کی جس بلندی نے مجھے دھوکہ دیا تھا اس سے بڑھ کر مزید کون سی جگہ تھی جس سے گرنے کا ڈر ہوتا۔

البتہ والد کے دل میں اس خاندان کے لئے جو احترام تھا اس کے پیشِ نظر اپنے پر بیتی داستان کہنے سے ڈر لگتا تھا کہ اُلٹی بندر کی بلا میرے گلے نہ آپڑے۔

مَیں ان دنوں بیس اکیس سال کے پیٹے میں تھا اور ریاست کپورتھلہ گورنمنٹ کالج میں زیر تعلیم تھا۔

میرے گھر کے ماحول پہ ابنِ دجال کا پوری طرح تسلط تھا، لیکن جو کچھ میں دیکھ اور کر چکا تھا ان واقعات نے مجھ سے میرے گھر کی عقیدت اور احترام بھی چھین لیا تھا۔ نماز چھوڑنے کے ساتھ والدین کے سامنے ہمہ اوقات اُن کے بُتوں کی بُرائی، ان کے عقیدے کی توہین، ابنِ دجال کو کھلم کھلا گالیاں میرا معمول بن چکا تھا۔ میرے اس چلن سے والد صاحب کو شبہ ہوا کہ مجھے احرار والوں نے اپنی سان پر چڑھا لیا ہے اور یہ اُن ہی کی شرارت ہے یا پھر میں دہریہ ہو چکا ہوں۔ اُن کی آخری رائے درست تھی۔ اس پہ انہوں نے میری خوب پٹائی کی۔ حالانکہ اس سے پیشتر انہوں نے مجھے انگلی تک نہ لگائی تھی۔ انہیں حالات میں کالج کی چھٹیاں ختم ہوگئیں اور میں کپورتھلہ چلا گیا۔

رازافشا ہوتا ہے

اس سے آگے کی داستان اور پیشتر کی کارروائی کی تائید میں مرزا محمد حسین (مرزائی) اپنی کتاب "فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت"

میں لکھتے ہیں۔

حافظ بشیر احمد کی غیر حاضری میں عبدالرحمٰن مصری نے اپنی خوش اعتقادی کی بنیاد پر قصرِ ذلالت میں جاکر اپنے بیٹے کی تمام تر داستان کہہ دی یعنی وہ احمدیت کے عقیدے سے منحرف ہو رہا ہے۔ حضور (بشیرالدین محمود) کی بڑی توہین کرتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا۔ مذہب سے باغی ہو چکا ہے۔ مصری کی گفتگو سے چور کی داڑھی کا تنکہ شہتیر بن کر سامنے آگیا۔ وہ (بشیرالدین محمود) اُوپری ہنسی ہنس کر کہنے لگا۔

نہیں مصری صاحب! بشیر ایسا بچہ نہیں وہ ضرور کسی کے بہکائے میں آگیا ہوگا۔ آنے دو میں اُسے خود سمجھاؤں گا۔

ابنِ دجال کی اس گفتگو پر مصری خوش ہوا کہ حضور کو یقین نہیں آرہا کہ بشیر ایسا ہوگا۔ پھر ایسا کیوں ہوا۔؟

یہ سوال ذہن میں رکھ کر مصری نے کپورتھلہ جاکر تحقیق کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی اطلاع کسی طرح ابنِ دجال تک پہنچ گئی کہ عبدالرحمٰن کپورتھلہ جا رہا ہے۔ نہ جانے بشیر اُسے کیا کہہ دے۔ اس خوف کے مارے ابنِ دجال نے جوابی کارروائی کے طور پر سلطان محمود نامی ایک مزارعی کو کپورتھلہ بھیجنے کا فیصلہ کیا کہ بشیر کہیں سارا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔

جیسے ہی سلطان نے کپورتھلہ پہنچ کر بشیر کو سمجھا بجھا کر پکا کیا کہ خدا کے لئے کوئی رازہ افشاں نہ کرنا اس پر بشیر نے کہا آپ یہ احکام خلیفہ صاحب کی طرف سے تحریری لاکر دو۔

حافظ بشیر کی اس تجویز پر سلطان واپس آگیا اور ابنِ دجال کی طرف سے رقعہ بازی شروع ہوگئی۔ ابنِ دجال کے جواب میں حافظ بشیر اور حافظ بشیر کے جواب میں ابنِ دجال جو کچھ لکھتا رہا حافظ بشیر احمد بظاہر یہ تمام رقعے سلطان کے سامنے پھاڑ دیتا مگر اندر خانے

وہ اصل رقعے محفوظ کر لیتا اور کوئی دوسرا کاغذ پھاڑ کر پھینک دیتا تھا۔

اس طرح ابنِ دجال اپنے جال میں آپ ہی پھنس گیا۔ یعنی جب مصری بیٹے کو سمجھانے کپور تھلہ پہنچا۔ ابھی باپ نے بات شروع کی ہی تھی کہ بیٹے نے بغیر کچھ کہے ابنِ دجال کے تمام رقعے باپ کے سامنے رکھ دیئے اور خود لحاف میں منہ چھپا کر رونے لگ پڑا۔

صفحہ ۲۴۰

زوال قادیان کا نیا موڑ

جوار بھاٹہ کا موسم ہو تو آس پاس کی آبادی سمندر میں طوفان کا خطرہ محسوس کرنے لگتی ہے، اگر کسی بستی میں متعدی امراض عود کر آئیں تو وہاں کے اہلِ دل اسے اپنی بداعمالی کی سزا قرار دے کر رحمتِ باری سے توبہ کی توفیق مانگتے ہیں۔ قادیانی خدا کے دوہرے عذاب میں مبتلا تھے، ایک اسلام ایسے پاک مذہب کے بنیادی مؤقف کو سبوتاژ کرنے کے اور ثانیاً اس کے اقتدار پسند طبقہ کے ذاتی افعالِ بد نے اس بستی کو شہر سدومؑ کا درجہ دے دیا۔

مصری کے کپور تھلہ سے لوٹتے ہی زوال قادیان کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ آدمی جس قدر بلندی سے گرتا ہے، چوٹ بھی اُسی قدر لگتی ہے۔ مصری کا گھرانہ ہندو مذہب چھوڑ کر نیک نیتی سے اپنے تئیں مسلمان ہوا تھا لیکن دجالی خاندان کے حالات نے آج اُسے سنتے چوراہے پر لا کھڑا کیا۔ ابنِ دجال کے ذاتی حالات سن کر تمام گھر آگ کے انگاروں پر لوٹنے لگا۔ عقیدت کے تمام چراغ بجھ گئے۔ اس اندھیر گردی میں کئی ہمنوا اس کے گرد جمع ہو گئے، جن میں فخر الدین ملتانی بھی تھا۔ واقعات کو آگے بڑھانے سے بیشتر مصری نے ابنِ دجال (البشیر الدین محمود)

ؑ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے میں جو بستیاں اپنی بدکرداریوں کے باعث عذابِ خداوندی میں مبتلا ہوئیں ان میں ایک بستی کا نام تھا۔

کو ایک طویل خط لکھا۔ قارئین ! ان تمام واقعات کے پس منظر میں شیخ عبدالرحمٰن مصری کا ابنِ دجال کے نام تاریخی خط ملاحظہ فرمائیں، جو من وعن درج کیا جا رہا ہے۔

خط نمبر ا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ۵
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمۡ
الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظہا ،

سیّدنا۔ السّلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ'۔

میں ذیل کے چند الفاظ محض آپ کی خیر خواہی اور سلسلہ کی خیر خواہی کو مدِنظر رکھتے ہوئے لکھ رہا ہوں۔ مدّت سے میں چاہتا تھا کہ آپ سے دوٹوک بات کر دوں مگر جن باتوں کا درمیان میں ذکر آنا لازمی تھا ، جیسا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں وہ ایسی تھیں کہ ان کے ذکر سے آپ کو سخت شرمندگی لاحق ہونی لازمی تھی اور جن کے نتیجہ میں آپ میرے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکتے تھے۔ اور ادھر چونکہ سلسلہ کے کاموں کی وجہ سے اکثر ہمیں آپس میں ملنے کی ضرورت پیش آتی تھی میری فطرتی شرافت اِس بات کو گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ آپ ہمیشہ کے لئے میرے سامنے شرمندگی کی حالت میں آئیں۔ اس لئے میں اس وقت تک آپ کے ساتھ فیصلہ کن بات کرنے سے رُکا رہا ہوں لیکن اب حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے آپ کی اصل (SITUATION) رکھ دوں اور آپ کو بتا دوں کہ جس طرف آپ جا رہے ہیں، وہ راہ آپ کے لئے اور سلسلہ کے لئے کیسی پُراز خطرات ہے یہ سچ ہے کہ سلسلہ خُدا کا ہے اور خدا خود اِس کی حفاظت کرے گا اور خدا تعالیٰ کے فرشتے لوگوں کے دلوں کو خود اس طرف کھینچ لائیں گے، لیکن

آپ اپنی غلط پالیسی کے نتیجہ میں ہر طرح سے لوگوں کو اس سے دُور پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ میں تو مظلوم ہو کر بھی (جس کو شریعت نے بھی ظالم کے ظلم کے علی الاعلان اظہار کی اجازت دی ہے) اس بات میں شرم محسوس کرتا رہا کہ آپ کے سامنے بالمشافہ یا تحریر کے ذریعہ آپ کی بعض خاص راز کی باتوں کا ذکر لاؤں، لیکن آپ جو ظالم تھے اور ایسے افعال شنیعہ کے مرتکب تھے، جن کے سننے سے بھی ایک مومن چھوڑ معمولی شریف آدمی کی روح کانپتی ہے۔ اُس آدمی کو جس کا قصور اور جُرم صرف اسی قدر تھا کہ بدقسمتی سے اس کو آپ کے افعال شنیع کا علم ہو گیا اور آپ کو یہ علم ہو گیا کہ اُسے علم ہو گیا ہے۔ دکھ دینے اور قسم قسم کے مصائب کا اسے نشانہ بنانے اور اس کو جماعت کی نظر میں گرانے کے لئے طرح طرح کے بہتان اس پر باندھنے اور ان بہتانوں کو ہاتھ میں لے کر اس کے خلاف جماعت میں جھوٹا پراپیگنڈا کرنے کی لگاتار اَن تھک کوشش کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کی اور یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ آپ کا (GUILTY CONSCIOUS) (مجرم ضمیر) ہر وقت آپ کو اس بے شر اور بے ضرر انسان کے متعلق اندر سے یہی آواز دیتا رہا کہ اگر اس شخص نے میری ان کارروائیوں کا جو میں اندر خانہ کر رہا ہوں جماعت کو علم دے دیا تو میرا سارا کاروبار بگڑ جائے گا اور میں شہرت سے گر کر قعرِ ذلت میں جا پڑوں گا کیونکہ آپ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اس شخص کو جماعت میں عزّت حاصل ہے۔ مستریوں کے متعلق تو اس قسم کے عذر گھڑ لئے گئے تھے کہ ان کے خلاف مقدمہ کیا تھا یا اُن کی لڑکی پر سوت لانے کا مشورہ دیا تھا مگر یہاں اس قسم کا کوئی بھی عذر نہیں چل سکتا۔ اس کی بات کو جماعت مستریوں

کی طرح رد نہیں کرے گی بلکہ اس پر اسے کان دھرنا پڑے گا اور وہ ضرور دھرے گی، اس لئے آپ نے اسی میں اپنی خیر سمجھی کہ آہستہ آہستہ اندر ہی اندر اس شخص کو جھوٹے پراپیگنڈا کے ذریعہ جماعت کی نظر سے گرا دیا جائے اور اس کو اس مقام پر لے آیا جائے کہ اگر یہ میرے اس گندے راز کو فاش کرے تو جماعت توجہ نہ کرے، اور اس کی بات کو بھی اس طرف منسوب کرنے لگ پڑے کہ اس شخص کو بھی کچھ ذاتی اغراض اور خواہشات تھیں جن کو چونکہ پورا نہیں کیا گیا اس لئے یہ بھی ایسا کہنے لگ پڑے ہیں اور ادھر سے آپ شور مچانا شروع کر دیں کہ دیکھا میں نہیں کہتا تھا کہ یہ اندر سے مستریوں یا پیغامیوں یا احراریوں سے ملے ہوئے ہیں اور ایسے لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے جن کو آپ کے ان گندے رازوں کا علم ہو جاتا ہے آپ کے پاس زیادہ تر یہی ایک حربہ ہے۔ یہ آپ مت خیال کریں کہ جو کچھ آپ میرے خلاف کر رہے ہیں، اس کا مجھے علم نہیں ہوتا، مجھے آپ کی ہر کارروائی کا علم ہوتا ہے، میں بھی آپ کے اس اشتعال انگیز طریق سے متاثر ہو کر جلد بازی سے کام لیتا اور ابتداء میں ہی اپنا مبنی برحقیقت بیان شائع کر دیتا اور جو تقدس کا بناوٹی پردہ اپنے اوپر ڈالا ہوا ہے اس کو اٹھا کر آپ کی اصل شکل دنیا کے سامنے ظاہر کر دیتا تو آج نہ معلوم آپ کا کیا حشر ہوتا۔ یعنی محض اللہ تعالیٰ کے لئے صبر سے کام لیا۔ آپ کے ظلم پر ظلم دیکھے اور اُف تک نہیں کی۔ میں سمجھا تھا کہ میری خاموشی سے آخر آپ سبق حاصل کر لیں گے اور سمجھ لیں گے کہ یہ شخص اس راز کو فاش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا اور کچھ عرصہ تک میرے رویہ کو دیکھ کر خود بخود اپنی غلطی محسوس کر کے نادم ہو کر اپنی ان ناجائز اور ظالمانہ کارروائیوں اور جھوٹے پراپیگنڈا سے

باز آجائیں گے لیکن آپ کا (GUILTY CONCIOUS) (مجرم ضمیر) آپ کو کب آرام سے بیٹھنے دے سکتا تھا اور آپ کا اضطراب اور گھبراہٹ سے بھرا ہوا دل اس وقت تک کب آپ کو چین کی نیند لینے دے سکتا تھا۔ جب تک آپ اس شخص کو اپنی راہ سے دور نہ کر لیں، جس سے آپ کو ذرہ سا بھی خطرہ خواہ وہم ہی کیوں نہ ہو محسوس ہو رہا ہو۔ آپ غالباً اس وقت تک اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں، کیا اِس وقت تک جو خاموش رہا ہے اپنی ملازمت کے چلے جانے کے ڈر سے رہا ہے۔ اس غلط فہمی کو جتنی جلدی بھی ہو سکے اپنے دل سے نکال دیں اور آپ کو دلیری بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی روزی میرے قبضہ میں ہے مگر میں خدا کے فضل سے مشرک نہیں ہوں کہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس بات کا خیال کرنا تو کجا اِس کو وہم میں بھی لا سکوں، پس یہ آپ کو یاد رہے کہ میں جو اس وقت تک باوجود آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو جانے اور اپنے خلاف غلط کارروائیوں کو دیکھنے کے خاموش چلا آرہا ہوں، اس کی وجہ کسی قسم کے مالی جانی نقصان کا ڈر نہ تھا۔ کیونکہ علمائے ربانی حق گوئی کے مقابلہ میں کسی نقصان سے خواہ وہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو نہیں ڈرا کرتے لیکن وہ جہاں لایخافون لومۃ لائم کا مصداق ہوتے ہیں وہاں وہ حق گوئی کا محل اور موقعہ بھی دیکھتے ہیں اور اس کے اظہار

اور عدم اظہار میں موازنہ بھی کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی نفع نقصان کو مدِ نظر رکھ کر نہیں بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام اور سلسلہ حقہ کے حق میں ضررہٗ اکبر من نفعہ یا نفعہٗ اکبر من ضررہٖ اس لئے میں اگر خاموش تھا اور ہوں تو محض اس لئے کہ میں اس

سے اظہار کو سلسلہ کے لئے مضر یقین کرتا تھا، نہ صرف کرتا تھا بلکہ اب بھی کرتا ہوں۔ دوسری بات جو اس گندے اظہار کے لئے میرے لئے مانع تھی اور ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام فداہ رُوحی و جسمی کے بے انتہا احسانات تھے جن کے نیچے سے ہماری گردنیں کبھی نہیں نکل سکتیں۔ پس اِن احسانات کو دیکھتے ہوئے طبیعت اس بات کو قطعاً گوارا نہیں کر سکتی کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کا مقابلہ کیا جائے یا انہیں بدنام کیا جائے تیسری بات جو میرے لئے مانع تھی وہ آپ سے دیرینہ تعلقات اور ایک حد تک آپ کے احسانات تھے، گو یہ ظلم آپ نے میری اولاد کو اپنے گندہ نمونہ کے ذریعہ سے اور سلسلہ حقہ سے منحرف کرنے اور ان کو دہریہ بنانے کی کوشش میں کیا۔ وہ اتنا بڑا ہے کہ وہ احسانات اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں اور قطعاً قابلِ ذکر نہیں رہے۔ تعجب ہے مجھے تو ان دیرینہ تعلقات کا اس قدر پاس ہو کہ آپ کے گندے افعال کا ذکر آپ کے سامنے کرنے سے بھی شرم محسوس کروں اور محض اس خیال سے کہ میرے سامنے آنے سے آپ کو شرم محسوس ہوگی۔ آپ کے سامنے آنے سے حتی الوسع اجتناب کرتا رہا ہوں، لیکن ان تعلقات کا آپ کو اتنا بھی پاس نہ ہوا جتنا کہ ایک معمولی قماش کے بدچلن انسان کو ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بدچلن سے بدچلن آدمی بھی اپنے دوستوں کی اولاد پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں لیکن افسوس آپ نے اتنا بھی نہ کیا اور اپنے اِن مخلص دوستوں کی اولاد پر ہی ہاتھ صاف کرنا چاہا۔ جو آپ کے لئے اور آپ کے خاندان کے لئے جانیں تک قربان کر دینا بھی معمولی قربانی سمجھتے تھے، میرے اخلاص کا تو یہ عالم تھا کہ جس وقت فضل داد سے اجمالی علم ہوا اور پھر بشیر احمد نے اس کی

تفصیلی تصدیق کی تو میرا یہی فیصلہ تھا کہ بشیر احمد کو گھر سے نکال دوں اور ہمیشہ کے لئے اس سے تعلقات منقطع کر دوں مگر میں نے اس سے نرمی اِس لئے کی کہ اس کے ذریعہ سے اب سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں گا جس کے متعلق میں پہلے یقین کئے بیٹھا تھا کہ آپ کے چال چلن کو بدنام کرنے کے لئے اپنا کام کر رہی ہے۔ مجھے اس وقت یہی خیال غالب تھا کہ بشیر احمد بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہاتھ پڑ گیا ہے جو اس سازش کے بانی مبانی ہیں کیونکہ یہ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ اس کو آپ کے اور آپ کے خاندان کے ساتھ بڑا اخلاص تھا اور اس اخلاص کی موجودگی میں وہ کبھی بھی جھوٹے الزام آپ پر نہیں لگا سکتا تھا، پس ایسی حالت میں میرے نزدیک دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں یا یہ الزامات سچے ہیں یا یہ کہ بشیر احمد بعض ایسے آدمیوں کے ہاتھ پڑ گیا ہے اور انہوں نے اس کو قتل وغیرہ کی دھمکیاں دے کر اس سے یہ کہلوایا ہے، مجھے یقین تھا کہ میں بشیر احمد سے اس سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں گا، چنانچہ اس بنا پر اول میں نے بشیر احمد کے ساتھ مختلف رنگوں میں انتہائی کوشش کی کہ وہ ان باتوں کے غلط ہونے کا اقرار کرے مگر قطعاً کامیابی نہ ہوئی اور کامیابی ہوتی کس طرح اور کسی سازش کا پتہ لگتا کس طرح جبکہ کسی سازش کا نام و نشان ہی نہ تھا بلکہ برخلاف اس کے اس نے بعض ایسے دلائل پیش کئے جو ایک حد تک قائل کر دینے والے تھے ان میں قطعاً بناوٹ نہ معلوم ہوتی تھی۔

دوسری طرف میں حیران تھا کہ وہ سب باتیں ان باتوں سے پوری پوری مطابقت کھاتی

ہیں جو سکینہ اور زاہد کہہ چکے تھے۔ پس جب
میں ادھر سے اپنے مقصد میں ناکام رہا تو
میں نے اپنی تحقیق کا رُخ دوسری طرف پھیرا
اور میں نے لوگوں میں زیادہ ملنا جلنا شروع کیا اور اس وقت تک میری نیت یہی تھی کہ میں سازش کا سراغ لگاؤں۔ اس نے گہری سازش کا سُراغ تو کیا بتانا تھا اُلٹا چاروں طرف سے واقعات اور حقائق کا طومار میرے سامنے لا کھڑا کیا جو بشیر احمد کے بیان کے لفظ لفظ کی تصدیق کرنے والے تھے۔ پس اس وقت میں نے بشیر احمد کو معذور سمجھ کر اس کی سزا دہی کا خیال چھوڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بے گناہ بچے کو اتنے بڑے ظلم سے جو میں اس پر آپ ساتھ اپنے فرطِ محبت اور فرطِ اخلاص کی وجہ سے کرنے لگا تھا یعنی ساری عمر کے لئے اس کو تباہ و برباد کرنے کا جو تہیہ کر لیا تھا اس سے بچانے کے لئے یہ سامان پیدا کر دیئے کہ کئی جگہوں سے اس کے بیان کی تصدیق ہوتی چلی گئی اور ایسی ایسی جگہوں سے ہوئی جن کے متعلق وہم بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی شرارت کریں یا کسی شریر کی سازش کا شکار ہوں یا خود سازش کے بانی ہوں جو ان کا پتہ بتا دیوے کیونکہ آپ تو اچھی طرح سے واقف ہیں کہ اشارہ آپ کو فوراً اصل مشارُ الیہ کا پتہ دے گا اور میں کسی مصلحت سے اپنی تحریر کو دلائل سے خالی رکھنا چاہتا ہوں۔ غرضیکہ میرے پاس اِن باتوں کے اثبات کے لئے دلائل کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو اگر ضرورت پڑی تو پبلک میں ظاہر کیا جائے گا۔ خُدا کرے کہ ان کے پیش کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ بشیر احمد سچا ہے اور یہ سب

افعال جو اس نے بیان کئے ہیں آپ سے سرزد ہوتے رہتے ہیں، مگر باوجود ان تمام باتوں کا علم ہو جانے کے جو میرے اور میری بیوی کے لئے سخت دُکھ کا موجب تھیں اور جنہوں نے ہم دونوں کی صحت پر اتنا گہرا اثر کیا کہ آج تک بھی ہم اپنی صحت (RECOVER) نہیں کر سکے۔ کافی عرصہ تک ہم دونوں کمرہ میں اکیلے دروازہ بند کرکے روتے رہتے تھے، بچے بھی ہماری حالت دیکھ کر سخت پریشان تھے مگر ان کو کوئی علم نہیں کہ کیا معاملہ ہے، وہ ہماری آنکھیں سُرخ دیکھتے اور سہم جاتے مگر ادب کی وجہ سے دریافت نہ کرتے۔ باوجود اس قدر شدید صدمہ کے پھر بھی میں نے اس قدر شرافت سے کام لیا اور اپنے نفس پر اس قدر قابو رکھا کہ کسی کے سامنے اِن باتوں کا اظہار نہیں کیا، یہاں تک کہ جن لوگوں سے مجھے مختلف واقعات کا علم ہوتا رہا۔ ان سے بھی صرف واقعات سنتا رہا اور یہاں تک احتیاط سے کام لیا کہ کسی ایک کو بھی کسی دوسرے کے بتاتے ہوئے واقعات کا علم نہ ہونے دیا۔ اس کا علم صرف اس کے بتلائے ہوئے واقعات تک ہی محدود رہنے دیا اور ادھر بشیر احمد کو یہ سمجھایا کہ ان الحسنت یذھبن السیات کے ماتحت ممکن ہے اللہ تعالیٰ معاف کردے اور اسے تاکید کی کہ کسی کے سامنے اب ان باتوں کو دہرانا نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی پوچھے بھی تو صاف انکار کر دینا کیونکہ یہ ہمارا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود کی اولاد کی پردہ پوشی کریں۔ بشیر احمد نے جب دیکھا کہ آپ میرے خلاف پروپیگنڈا کرکے مجھے جماعت میں گرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ادھر اس کو بھی گرانے کے درپے ہیں تو اس نے کتنی دفعہ مجھ پر زور دیا کہ میں اعلان کر دوں۔ لیکن میں نے اس کو ہمیشہ صبر کی تلقین

کی، آخر تنگ آکر اُس نے خود اعلان کا فیصلہ کر لیا اور ایک اعلان لکھ کر میری طرف بھیج دیا، چنانچہ اُسے بجنسہٖ اس خط کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اجازت کے بغیر شائع نہیں کر دیا ورنہ سبق الصیت القول والی مثل صادق آجاتی اور پھر چھُٹا ہوا تیر واپس لانا مشکل ہو جاتا لیکن میں اسے ہمیشہ روکتا رہا اور اس اعلان کو بھی روک لیا اور ہمیشہ اسے یہی تلقین کی کہ خواہ وہ کتنا ہی ہم کو بدنام کر لیں اور کتنی ہی کوشش ہمیں جماعت کی نظر میں گرانے کی کر لیں ہم نے ابتدا نہیں کرنی اور ہماری طرف سے یہی کوشش رہے گی کہ ہم صبر سے برداشت کرتے چلے جائیں حتیٰ کہ وقت آجائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوابی طور پر اپنا بیان شائع کرنے پر مجبور سمجھے جائیں تو جب کسی سے مقابلہ آپڑے تو مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو نقطۂ نگاہ ہوتا ہے اس کے لحاظ سے (DEFENCE) بہت بعد از وقت ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے، چنانچہ اس وقت تک میں کاربند رہا ہوں اور اب جو میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں وہ بھی اسی لئے کہ آپ پر آخری دفعہ حجت پوری کر دوں اور آپ کو متنبہ کر دوں کہ کہیں آپ مجھے اپنا (DEFENCE) پیش کرنے پر مجبور نہ کر دیں، چنانچہ اگر آپ نے اس قسم کا قدم اٹھانے کی غلطی کی تو میں مجبور ہوں گا کہ اصل واقعات کو روشنی میں لاؤں اور جو اخفا کا پردہ آج تک ان واقعات پر پڑا آرہا ہے اُسے اٹھا دوں کیونکہ میں یہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتا کہ خدا تعالیٰ کی مقدس جماعت میں دائمی طور پر بدنامی کے ساتھ یاد کیا جاؤں" پس اگر میں آپ کے افعال مذمومہ کے اظہار پر مجبور ہوا تو پھر اس کی ساری ذمہ داری آپ پر ہوگی،

اور سمجھ لیں کہ الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظہا کا کون مصداق بنے گا۔ میں نے آپ کے ظلم پر ظلم دیکھے اور صبر سے کام لیا لیکن آپ باز آنے میں ہی نہیں آتے اور اپنے مظالم میں حد سے بڑھتے چلے گئے۔ پس اب میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا ہے اس لئے انجام کو آپ اچھی طرح سے سوچ لیں، اگر آپ اس تحریر کے بعد رُک گئے تو میں بھی جس طرح خاموشی سے وقت گزار رہا ہوں گزارتا چلا جاؤں گا کیونکہ ہر حق کا اظہار ضروری نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ اس حق کے اظہار کی وجہ سے چند عورتوں وغیرہ کی عصمتیں تو محفوظ ہو جائیں گی اور چند نوجوان دہریہ بننے سے بچ جائیں گے لیکن ہزاروں روحیں جو ان کے عدم علم کی وجہ سے ہدایت کے قریب آرہی ہیں اور بہت سی ان میں بھی جو پا چکی ہیں ہدایت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گی اور یہ اتنا بڑا نقصان ہے جس کے خیال سے بھی میری رُوح کانپتی ہے اور یہ اتنا بھاری بوجھ ہے جس کے اٹھانے کے لئے میری پیٹھ بہت کمزور ہے۔ پس اگر یہ وقوع میں آگیا تو اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی، میں تو آپ یاد رکھیں اب تنگ آچکا ہوں۔ اور اگر آپ نے مجبور ہی کیا تو میں نے مقابلہ کے لئے مصمم ارادہ کر لیا ہے اور جب تک میری جان میں جان ہے اِنْشَآءَ اللہ آپ کا مقابلہ کروں گا اور آپ کے تمام دجل و فریب کو انشاء اللہ آشکارا کر کے چھوڑوں گا وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ اس مقابلہ میں میری جان جائے یا مجھے مالی نقصان ہو۔ میں خاموش ہوں تو خدا تعالیٰ کے لئے اور اگر اٹھوں گا تو محض خدا تعالیٰ کے لئے، میں دیکھ رہا ہوں کہ" ایک طرف

تو آپ نے اپنی عیاشی کو انتہا تک پہنچایا
ہوا ہے، جس لڑکی کو چاہا اپنی عجیب و غریب عیاری
سے بُلایا اور اُس کی عصمت دری کر دی اور پھر ایک
طرف اُس کی طبعی شرم و حیا سے ناجائز فائدہ
اُٹھالیا اور دوسری طرف دھمکی دے دی کہ "اگر
تُو نے کسی کو بتایا تو تیری بات کون مانے گا
تجھے ہی لوگ پاگل اور منافق کہیں گے، میرے متعلق
تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

اور اگر کسی نے جرأت کا اظہار کر دیا تو مختلف بہانوں سے ان کے خاوندوں کو یا والدین کو ٹال دیا۔ مگر آپ یہ یاد رکھیں کہ آپ کا یہ طلسم صرف اس لئے ان پر چل جاتا ہے کہ وہ اپنے معاملہ کو انفرادی معاملہ سمجھتے ہیں، لیکن جس وقت ان کے سامنے تمام واقعات مجموعی حیثیت سے آئے تو پھر ان کو بھی پتہ چل جائے گا کہ یہ سب دھوکہ ہی تھا جو ہمیں دیا جا رہا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو پھنسانے کے لئے جو جال آپ نے ایجنٹ مردوں اور ایجنٹ عورتوں کا بچھایا ہوا ہے اس کا راز جب فاش کیا جائے گا تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ کس طرح ان کے گھروں پر ڈاکہ پڑتا ہے۔ مخلص جو آپ کے ساتھ اور آپ کے خاندان کے ساتھ تعلق پیدا کرنا فخر سمجھتے تھے، ان کے گھروں میں سب سے زیادہ ماتم پڑے گا۔ دوسری طرف جن لوگوں کو آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو جاتا ہے یا وہ کسی کے سامنے اظہار کر بیٹھتے ہیں اور آپ کو اس کا علم ہو جائے تو پھر آپ اسے کچلنے کے درپے ہو جاتے ہیں اور اس کچلنے میں رحم آپ کے نزدیک تک نہیں پھٹکتا اور

پتھر سے بھی زیادہ سخت دل کے ساتھ اس پر گرتے ہیں اور آپ کی سزا دہی میں اصلاحی پہلو بالکل مفقود اور انتقامی پہلو نمایاں ہوتا ہے چنانچہ مثال کے طور پر سکینہ بیگم زوجہ عبدالحق صاحب کو ہی لے لو۔ کس قدر ظلم اُس پر آپ کی طرف سے کیا جاتا رہا ہے، جو کچھ اس نے کہا تھا اس کی سچائی تو اب بالکل ثابت ہو چکی ہے لیکن وہ بے چاری باوجود سچی ہونے کے قیدیوں سے بدتر زندگی بسر کر رہی ہے۔ اُس کی صحت تباہ ہو چکی ہے، اب تازہ مثال فخرالدین صاحب کی ہے، اس کو بھی آپ نے اس وجہ سے سزا دی ہے کہ اس کو آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو چکا ہے اور آپ پر یہ خوف غالب تھا کہ یہ مجھے بدنام کرے گا۔ حالانکہ یہ آپ کا وہم ہی تھا۔ وہ بھی سلسلہ کی بدنامی کے خوف سے ہمیشہ آپ کی پردہ پوشی ہی کرتا رہا چنانچہ اس وہم ہی کی بنیاد پر آپ مدت سے اس کے پیچھے لگے ہوتے تھے کہ کبھی کوئی موقعہ ہاتھ آئے تو اسے جماعت سے نکال دیا جائے۔ تاکہ یہ روٹی سے تنگ آکر ذلیل ہو کر معافی مانگے تاکہ پھر ساری عمر آپ کی سیاہ کاریوں کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکے اور آپ اطمینان سے اپنی عیاشیوں میں مشغول رہیں، جیسا کہ آپ پہلے اس طریق سے بعض ایسے آدمیوں کو چپ کرا چکے ہیں۔ قاضی اکمل صاحب پر جو ظلم کیا گیا اس کی تہ میں بھی یہی مقصد آپ کا کام کر رہا تھا۔ اِس طرح اور بہت سی مثالیں ہیں جن کو وقت آنے پر پیش کیا جائے گا اور ان تمام مظالم کی داستانیں جو تقدس کے پردہ میں آپ کر رہے ہیں، وقت آنے پر کھول کھول کر لوگوں کو بتائی جائیں گی۔ ان تمام مظالم کو ڈھانے میں آپ کو جرأت ایک تو اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ آپ نے لمبے عرصہ تک مختلف رنگوں میں کوشش

کر کے لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کر دی ہے کہ آپ ایک مقدس انسان ہیں۔ کہیں اپنے آپ کو مصلح موعود کی پیش گوئی کا مصداق بتایا ہے کہیں موعود خلیفہ۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ طلسم آپ کا بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ لوگ آپ کے اس طلسم کے نیچے صرف اس وقت تک ہی ہیں جب تک ان کو آپ کے چال چلن کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ اور ان کو پتہ نہیں لگتا کہ جس قدر دلائل آپ کو مصلح موعود بنانے کے لئے دیتے گئے ہیں وہ سب غلط ہیں اور یہ کہ مصلح موعود کی پیش گوئی کے مصداق آپ ہو ہی نہیں سکتے۔ حضرت مسیح موعود کا ایک اور خواب ہے جس میں آپ کی گندی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کے آپ مصداق ہیں، مصلح موعود کی پیش گوئی کا مصداق کوئی اور آنے والا ہے۔ میں نے خدا کے فضل سے اُس پیشگوئی کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور یقینی دلائل سے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ آپ مصلح موعود نہیں ہو سکتے۔ پس ایک طرف تو آپ کو اس وجہ سے جرأت ہے کہ لوگوں کے دلوں میں غلط طور پر آپ کا تقدس بٹھلا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ آپ کی بات کو خدائی بات سمجھ بیٹھے ہیں، دوسری طرف آپ کو اپنی طاقت اور اقتدار کا گھمنڈ ہے جو اول الذکر وجہ سے آپ نے حاصل کیا ہوا ہے۔ تیسرے اس وجہ سے آپ نے یہ چال چلی ہوئی ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہ دیا جائے اور منافقوں سے بچو۔ منافقوں سے بچو کے شور سے لوگوں کو خوفزدہ کیا ہوا ہے اور ہر ایک کو دوسرے پر بدظن کر دیا ہوا ہے، اب ہر شخص ڈرتا ہے کہ میرا مخاطب کہیں میری رپورٹ ہی نہ کر دے۔ اور پھر فوراً مجھ پر منافق کا ٹھپہ لگ کر جماعت سے اخراج کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ سب کچھ آپ نے

اس لئے کیا ہوا ہے کہ آپ کی سیاہ کاریوں کا لوگوں کو علم نہ ہو سکے۔ لیکن یہ آپ کا غلط خیال ہے ۔

قادیان میں بھی اور باہر بھی ایک بڑی تعداد ہے جو آپ کی سیاہ کاریوں سے واقف ہے اور دن بدن یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے، انشاء اللہ عنقریب یہ پھوٹے گا۔

بہت سے لوگ کسی جرأت کرنے والے کا انتظار کر رہے ہیں اور یہ انسانی فطرت ہے کہ اکثر لوگ خود جرآت نہیں کر سکتے لیکن جرأت کے ساتھ کسی کو اٹھتا دیکھ کر خود اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آخری بات جو آپ کو ان تمام مظالم پر جرآت دلا رہی ہے وہ بائیکاٹ کا حربہ ہے۔ آپ نے قادیان کے انتظام کو ایسے رنگ میں چلا دیا ہوا ہے کہ تمام کی روزی کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس سے انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ بے شک ان باتوں کی وجہ سے جو اقتدار آپ کو حاصل ہو چکا ہے، آپ یقین رکھتے ہیں کہ "میں (آپ) اپنے مدِمقابل کا سر ایک آن میں کچل سکتا ہوں۔" اور اب تو آپ فدائیوں کا گروہ بھی بنانے کی کوشش میں لگے ہوتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ میں جو آپ کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہونا چاہتا ہوں، ایک نہایت ہی کمزور بے بس، بے کس، بے مال، بے مددگار ہوں اور جہاں آپ کو اپنی طاقت پر ناز ہے وہاں مجھے اپنی کمزوری کا اقرار ہے۔ ہاں میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حق کی قوت میرے ساتھ ہے اور غلبہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کو ہوتا ہے، جو حق کی تلوار لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابتداً میں میری بات

کی طرف توجہ نہ کرے اور میں اس مقابلہ میں کچلا جاؤں لیکن حق کی تائید کے لئے اور باطل کا سر کچلنے کی غرض سے کھڑے ہونے والے علما اس قسم کے انجاموں سے کبھی نہیں ڈرتے۔

حضرت ابنِ زبیرؓ حق کی خاطر باطل کی فوجوں
کے مقابل میں اکیلے ہی میدانِ جنگ میں نکلے اور
جان دے دی۔ لیکن باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا
حضرت امام حسینؓ چند آدمیوں کے ساتھ باطل
کی فوجوں کے سامنے صف آرا ہو گئے اور ایک ایک
کر کے جان دے دی۔ لیکن باطل کی اطاعت نہیں کی۔

نتیجہ یہ ہوا جس بات کو وہ ثابت کرنا چاہتے تھے آخر ثابت ہو کر رہی۔

پس اس مقابلہ میں مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں میرا انجام کیا ہوگا اور میری بات کوئی سنے گا یا نہیں۔ میری تقویت اور ہمت بڑھانے کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ میں حق پر ہوں اور آپ باطل پر ہیں اور باطل کا سر کچلتے ہوئے اگر میں اور میرے اہل و عیال بھی شہید کر دیئے گئے جس کا اقدام بھی اگر کیا گیا تو سخت ناعاقبت اندیشانہ ہوگا اور خطرناک نتائج پیدا کرے گا۔ ہم کامیاب رہیں گے ناکام نہیں، انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ ہمیں اس مقابلہ پر پیٹھ پھیرتے نہیں دیکھیں گے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری تائید کرے گا اور اگر آج نہیں تو آئندہ لوگ حقیقت سے آگاہ ہو کر رہیں گے اور ان پر سچائی ظاہر ہو کر رہے گی۔ ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی اور آپ کے چال چلن سے واقف ہو کر جماعت خلافت کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہو گی اور آئندہ اپنے انتظام کی بنیاد مستحکم اصولوں پر رکھے گی اور ان فریب کاریوں

ہے جن میں آپ نے قوم کو رکھا ہوا ہے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گی۔ کیونکہ دلائل اور حقائق کا مقابلہ آخر لوگ کب تک کریں گے، مجھے اس بات کی بھی بڑی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک وحی میں جو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر آج سے تیس سال قبل نازل کی مجھے منافقت جیسے گندے الزام سے پاک قرار دیا ہے اور آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس ظلم سے روکا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اگر اس ظلم سے باز نہ آئے تو آسمانی تائید تم سے چھن جائے گی، اگر چاہیں تو اس کے لئے تذکرہ کے صفحہ ۶۹۲ پر ۹ر فروری ۱۹۰۸ء کے دن سامنے ۸ الہامات درج ہیں ان پر غور کریں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے پانچویں الہام میں متقیوں اور محسنوں کے ساتھ بعیت کا ذکر کیا ہے اور پھر چھٹے الہام میں کس طرح منافقوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح قتل کے مستحق ہیں لیکن ساتویں الہام میں لا تقتلوا زینب کہہ کر بتایا ہے کہ دیکھنا کہیں زینب کو قتل نہ کر بیٹھنا۔ اس بات سے ڈرنا کہیں اس کے متعلق بھی منافقت کا الزام تراشش کر اس کے قتل کے بھی در پے ہو جاؤ اور پھر آٹھویں الہام میں بھی ان الفاظ "آسمان ایک مٹھی بھر رہ گیا" میں متنبہ کیا گیا ہے، اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ آسمان تائید سکڑ کر مٹھی بھر رہ جائے گا۔ سبحان اللہ۔ خدا کے نوشتے کس طرح پورے ہو کر رہتے ہیں۔ کس طرح آج ان الہامات کے تیس سال بعد ان میں بیان کردہ باتیں حرف بحرف پوری ہو رہی ہیں، کس طرح اب زینب کو قتل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کس طرح اس کے اور اُس کے خاندان کے خلاف منافقت جیسا گندا الزام تراشا جا رہا ہے۔ پہلے اس کی اولاد کے ساتھ جو سلوک

کیا اس نے اسے موت کے دروازے تک پہنچا دیا جس سے بصد مشکل وہ بچ سکی اور پھر اب اس پر رزاق بن کر رزق کے دروازے بند کرکے اسے قتل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، میرے لئے تو یہ تمام واقعات ایمان کا موجب بن رہے ہیں لیکن آپ کو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے اسے بھی آج سے کئی سال قبل جبکہ ان باتوں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس نے ان الفاظ میں بشارت دی ہوئی ہے کہ

فان خفتم عیلة فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ

پس میں خدا تعالیٰ کے فضل پر یقین رکھتا ہوں کہ اگر مقابلہ کی صورت پیدا ہوگئی تو تائید الٰہی انشاء اللہ ہمارے ساتھ ہوگی اور آپ جو بے گناہ لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں خصوصاً مجھ جیسے گائے کی مانند بے ضرر انسان، (آپ مجھے ایک خطبہ میں گائے سے مشابہت دے چکے ہیں) کو دکھ دینے پر تلے ہوتے ہیں، یقیناً یقیناً تائید الٰہی سے محروم رہیں گے۔ کس قدر ظلم ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کو آپ کی بدچلنی کا علم ہوگیا ہے، اس کے پیچھے جاسوس لگا دیتے جاتے ہیں اور متفرر کرنے سے قبل انہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص منافق ہے۔ اس کے نفاق کو روشنی میں لانا ہے، اب وہ یہ سمجھ کر کہ خلیفہ نے بتایا ہے کہ فلاں منافق ہے، اگر ہم ایسی رپورٹیں نہ دیں جو اس کے نفاق کی تائید کرتی ہوں تو ہم نالائق سمجھے جائیں گے۔ فوراً اس کی ہر حرکت ونقل اس کے ہر لفظ وحرف کو اسی رنگ میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں اور رپورٹوں پر رپورٹیں بھیجتے چلے جاتے ہیں، جن سے ایک فائل تیار ہوتا رہتا ہے اور اس غریب کو علم بھی نہیں کہ اس کے پکڑنے کے لئے کس کس قسم کے جال

. بچھائے جارہے ہیں اور وہ اس میں پھنستا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ ایک ذرا سے بہانے پر اس کو پکڑ کر سزا دی جاتی ہے، اور گزشتہ تمام رپورٹوں کو بھی دلیل بنا لیا جاتا ہے جنہوں نے اپنی ساری عمر میں تحقیق کی روشنی تک بھی نہیں دیکھی ہوتی۔ کیا آپ پر جو جماعت کے لئے بطور مصلح ہونے کے مدعی ہیں یہ فرض نہیں کہ جس شخص کے متعلق پہلی ہی رپورٹ آئے یا آپ کے علم میں اس کے خلاف کوئی بات لائی جائے جس میں اصلاح کی ضرورت ہو تو اسے بلا کر سمجھائیں اور اس کو غلطی سے نکال کر اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ لیکن آپ کا ایسا نہ کرنا بتاتا ہے کہ آپ اس شخص کی جس کے خلاف آپ کو رپورٹیں ملتی ہیں، اصلاح نہیں چاہتے بلکہ اس کو تباہی وہلاکت کے گڑھے میں دھکیلنے کے خواہشمند ہیں اور فخر الدین صاحب کے کیس میں کیا یہی کچھ نہیں ہوا کہ اس کے خلاف دو سال سے آپ رپورٹیں جمع کر رہے تھے لیکن کسی ایک رپورٹ کی بھی تحقیق نہیں کی گئی اور اب انہیں موجودہ کیس میں دلیل بنا لیا گیا ہے، حالانکہ ابتدائی رپورٹ کی ہی آپ تحقیق کر لیتے تو میرا غالب خیال ہے کہ صفائی ہو جاتی اور آپ کو اسی قدر لمبے عرصہ تک جو تگ و دو کرنی پڑی ہے نہ کرنی پڑتی چنانچہ تفصیلی حالات شائع کرنے پڑ گئے تو آپ کو علم ہو جائے گا کہ اس کا وہ قصوروار نہیں بلکہ تصور کسی اور کا ہے جس کا ذکر میں ابھی مناسب نہیں سمجھتا۔

میں آپ کی خدمت میں خُدا کا واسطہ ڈال کر اور سلسلہ کی عظمت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری عمر کی محنت کا واسطہ ڈال کر جو آپ نے اس پودا کو لگانے اور اس

کی پرورش کرنے میں صرف کی ہے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ سلسلہ کی عظمت اور اس کی نیک نامی پر کوئی دھبہ نہ لگے اور یہ کہ دشمنوں کو ہنسی کا موقعہ نہ ملے تو آپ جلد از جلد اپنی سیاہ کاریوں سے توبہ کریں اور یہ مظالم جو آئے دن آپ سے سرزد ہوتے رہتے ہیں، اُمید ہے اِن کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی میں حیران ہوں کہ آپ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جب اس طرح آپ پُرانے آدمیوں کو نکالتے چلے جائیں گے تو کیا کبھی بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں گی اور کبھی بھی ان کو خیال نہیں پیدا ہو گا کہ کیا وجہ ہے کہ:۔

اتنے پُرانے اور مخلص دوست آپ کی ذات پر اتہام لگانے کے جُرم میں جماعت سے الگ کئے جاتے ہیں۔ اور ہر چند سالوں کے بعد کوئی نہ کوئی دوست آپ کی ذات پر اتہام لگانے لگ پڑتا ہے۔ یاد رکھیں یہ بات ضرور ان کی توجہ کو تحقیق کی طرف پھیر دے گی اور پھر آپ کی خیر نہیں اس لئے آپ فوراً ان باتوں سے توبہ کر کے اپنے اوپر اور سلسلہ پر رحم کریں اور اس لڑکے کا وہ قول کہ جو اس نے امام ابو حنیفہؒ کو کہا تھا کہ "میں پھسلا تو اکیلا پھسلوں گا لیکن آپ اپنے پھسلنے کی فکر کریں، اگر آپ پھسلے تو کتنے آدمیوں کو اپنے ساتھ لے ڈوبیں گے" ہمیشہ مدِ نظر رکھیں۔

میں آپ کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ فخرالدین صاحب کو نکالنے میں آپ نے سخت غلطی کی ہے اور جلد بازی سے کام لیا ہے، اس کو آپ کے چال چلن کے متعلق بہت سے واقعات معلوم ہیں اور اس نے ان کی اشاعت سے باز نہیں آنا صرف واقعات ہی نہیں

بلکہ ان تمام اشخاص کے نام بھی شائع کرے گا جنہوں نے آپ کی بدچلنی کی نہ صرف شہادتیں دی ہوئی ہیں بلکہ کئی واقعات اپنی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہوئے ہیں، ایسے لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ نہ صرف آپ کو حیران کر دینے والی ہوگی بلکہ دُنیا کو بھی حیرت میں ڈال دے گی اور جماعت میں قیامت خیز زلزلہ پیدا کر دے گی پھر ان میں سے ایسے لوگ ہیں جن کو جھٹلانا یا جن کو جماعت سے نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ آخر ان لوگوں کو سچی گواہی دینی پڑے گی۔ خصوصاً جب ان سے تریاق القلوب والی قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر چپ رہیں تب مشکل۔ اگر جھوٹ بولیں تب مشکل عجب مخمصہ میں ان کی جان پڑ جائے گی، آخر وہ مجبور ہوں گے کہ ان واقعات سے انکار نہیں کر سکیں گے اور اس کے نتیجہ میں جو مشکلات پیدا ہوں گی اس کا اندازہ آپ خود ہی کر سکتے ہیں، ابھی تو گھر میں ہی بات ہے، اندر ہی اندر بغیر کسی کو علم دیئے دبائی جا سکتی ہے، اگر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل گئی تو پھر اس کا دبانا مشکل ہو جائے گا۔

میں نے آپ کو عین وقت پر بتلا دیا ہے، فقد اعذر من انذر۔ پس آپ وقت ہاتھ سے نکلنے سے قبل اصلاح کر لیں، اور اپنی غلطی کو واپس لے لیں ورنہ پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت کی مثل صادق آئے گی اور بجز کفِ افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اِن تمام باتوں کو خدا کے لئے کسی دھمکی پر محمول نہ کریں اسے مخلصانہ نصیحت سمجھیں اور اس رنگ میں اِسے پڑھیں ننگے الفاظ میں محض اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ میری غرض محض اصلاح ہے اور سلسلہ کو بدنامی سے

بچانا ہے۔ میں ہرگز اسی بات کو نہیں چاہتا کہ سلسلہ کے نظام کو توڑ دیا جائے یا اس کے نقائص پبلک میں آئیں اور دشمنوں کو خوشی ہو کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ نئے نظام کے قائم کرنے میں کس قدر مشکلات ہوں گی۔ اور اس کو توڑنے میں کس قدر خطرات پیش آئیں گے، گو آپ اپنی بدچلنی کی وجہ سے معزول ہونے کے قابل ہیں لیکن چونکہ جماعت آپ کے ہاتھ میں اپنے نظام کی باگ ڈور دے چکی ہے اس لئے یہ آپ کے ہاتھ میں ہی رہے۔ پس آپ بہت جلد کسی مناسب طریق سے فخرالدین صاحب والے اعلان کو واپس لے لیں اور سلسلہ کو بدنامی سے بچا لیں۔ آپ کی بدچلنی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کے متعلق ایک بات میرے دل میں کھٹکتی رہتی ہے، اس کا ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ ممکن ہے جس چیز کو ہم زنا سمجھتے ہیں آپ اسے زنا ہی نہ سمجھتے ہوں اور آپ کو چونکہ قرآن شریف کے عارف ہونے کا دعویٰ ہے اس لئے ممکن ہے آپ کی باریک بین نظر نے شریعت سے اِن افعال کے متعلق جن کے آپ مرتکب ہیں کوئی جواز کی صورت نکال لی ہو۔ پس اگر ایسا ہے تو مہربانی فرما کر مجھے سمجھا دیں اگر میری سمجھ میں آگئی تو میں اپنے سارے اعتراضات واپس لے لوں گا۔ اسی طرح فخرالدین صاحب کے متعلق بھی اگر آپ مجھے یہ سمجھا دیں کہ وہ فی الحقیقت پیغامیوں اور احراریوں سے ملا ہوا ہے تو میں اس سے فوراً قطع تعلق کر لوں گا اور اس سے قطعاً کوئی ہمدردی مجھے نہیں رہے گی، کیونکہ سلسلہ مجھے سب تعلقات پر مقدم ہے لیکن اگر آپ اپنی اصلاح بھی نہ کریں اور مجھے بھی نہ سمجھائیں تو پھر مجبور ہوں کہ آپ کو ان معنوں میں خلیفہ نہ سمجھوں کہ آپ حضرت مسیح موعود کے اِن کی روحانیت

میں نائب ہیں اور اس وقت تک کہ آپ کی اصلاح کا مجھے یقین ہو جائے، میں آپ کے ذاتی چال چلن کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے یہ سمجھوں گا کہ میں ایک ایسی ریاست میں رہ رہا ہوں جس کا والی بدچلن ہے، لیکن اس کی بدچلنی سے ہمیں کیا تعلق، ریاست کے انتظام کے متعلق جو احکام والی کی طرف سے صادر ہوں گے، ان کی تعمیل حسب استطاعت کرتے رہیں گے۔ پس ٹھیک اس طرح میں آپ کو جماعت کے نظام کا ہیڈ یعنی افسر بالا سمجھ کر سلسلہ کی خدمت، جو میرے سپرد ہو گی کماحقہٗ بجالاؤں گا، بشرطیکہ آپ کی طرف سے اس میں بھی رکاوٹیں نہ ڈالی جائیں جیسا کہ اب آپ ڈال رہے ہیں، چنانچہ آپ نے میرے سٹاف کے ممبروں اور میرے طلبا کو میرے اوپر جاسوس مقرر کیا ہوا ہے اور ایسے آدمیوں کو مجھ پر مسلّط کیا ہوا ہے جن کو انتظامی طور پر مجھ سے تکلیفیں پہنچی ہوئی ہیں اور جو دشمنی اور انتقام کے جذبات اپنے دلوں میں میرے خلاف رکھتے ہیں اور آپ بھی اس کو اچھی طرح جانتے ہیں، ایسی حالت میں قطعاً میرا کوئی رعب سٹاف پر رہ سکتا ہے نہ طلبا پر۔ پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ سلسلہ کے اس کام میں، جو میرے سپرد ہے نقص پیدا نہ ہو تو جاسوس دور فرمائیں اور میری (PRESTIGE) کو دوبارہ قائم کریں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ میرے کام کو آپ خود عمداً خراب کر کے مجھ پر انتظامی رنگ میں گرفت کرنا چاہتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کہ اصل سبب لوگوں کی نظر سے اوجھل رہے اور اس پر پردہ پڑا رہے۔ یہ راہ بھی میں بطور تنزل اختیار کرنے پر راضی ہوں اور وہ بھی محض اس لئے کہ جماعت کو فتنہ سے بچانے کے لئے میری طرف سے کوئی کوتاہی نہ رہے، میں آپ سے آپ کی بدچلنیوں کی وجہ سے الگ

ہو سکتا ہوں لیکن جماعت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جماعت سے علیحدگی ہلاکت کا موجب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور چونکہ دنیا میں کوئی ایسی جماعت نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے عقائد و تعلیم پر قائم ہو۔ بجز اس جماعت کے جس نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا ہوا ہے اس لئے میں دو راہوں سے ایک ہی کو اختیار کر سکتا ہوں یا تو میں جماعت کو آپ کی صحیح حالت سے آگاہ کر کے آپ کو خلافت سے معزول کرا کے نئے خلیفہ کا انتخاب کراؤں اور یہ راہ پُرازخطرات ہے یا جماعت میں آپ کے ساتھ مل کر اس طرح رہوں جس طرح میں نے اوپر بیان کیا ہے اب یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ آپ مجھ سے شقِ اوّل اختیار کروائیں یا دوسری شق اختیار کروانے کی صورت ہو تو اس میں آپ پر یہ فرض ہوگا کہ مجھ پر جو حملے آپ نے کئے ہیں ان کا ازالہ بھی خود ہی کسی مناسب طریق سے کریں میں اس جگہ اس بات کا اضافہ کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ

میں آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مجھے مختلف ذرائع سے یہ علم ہو چکا ہے کہ آپ جنبی ہونے کی حالت میں ہی بعض دفعہ نماز پڑھانے آجاتے ہیں ہاں اگر کسی موقع پر پڑھنی پڑ جائے تو میں فتنہ نہیں ڈالوں گا۔ اس وقت پڑھ لوں گا۔ لیکن علیحدگی میں جا کر اسے دُھرا لوں گا۔

میں اخلاقی مجرم ہوں گا اگر اس تحریر کے ختم کرنے سے قبل سردار مصباح الدین صاحب کے متعلق آپ کی غلط فہمی دور نہ کردوں۔ میں سنتا ہوں کہ آپ ان سے بھی ناراض ہیں اور ان کے ساتھ بھی فخر الدین

صاحب والا معاملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن میں دیانتداری کے ساتھ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بالکل بے قصور ہیں، ان باتوں سے کوسوں دور ہیں، مخلص احمدی ہیں، سلسلہ کا درد ان کے دل میں ہے اور وہ کام کے آدمی ہیں، ان سے اگر کام لیں تو وہ آپ کو اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ کام دے سکتے ہیں اور بہت مفید کام دے سکتے ہیں۔ اگر ان میں آپ کے نزدیک کوئی نقص ہے تو کون سا آدمی ہے، جو نقصوں سے خالی ہوتا ہے، پس ایسے مفید اور مخلص انسانوں کی قدر کریں یہی لوگ وقت پر آپ کے کام آئیں گے،

جو لوگ آج کل آپ کے ارد گرد ہیں اور جو بدقسمتی سے مخلص سمجھ لئے گئے ہیں یہ سخت مفسد اور فتنے ڈلوانے والے لوگ ہیں۔

یہ اتنا نہیں جانتے کہ اخلاص کس بلا کا نام ہے اور جماعت کے اتحاد کی کیا قدر و قیمت ہے۔ ان کو اپنی ذاتی اغراض سے تعلق ہے جب تک وہ پوری ہوتی رہیں گی، وہ سلسلہ کے ساتھ ہیں اور ان کے پورا ہونے میں ادنیٰ سا بھی فرق نظر آیا یا دوسری جگہ سے زیادہ دُنیاوی فوائد مل جائیں تو وہ سلسلہ کو فروخت کر کے اپنی اغراض کو پورا کر لیں گے۔ اس قماش کے لوگ ہیں جو آج کل آپ کے معتمد علیہ بنے ہوتے ہیں، ان میں سے بعض کے متعلق تو مجھے شبہ ہے وہ دل میں پیغامی ہیں اور یہاں محض جماعت میں فتنہ ڈلوانے کے لئے رہتے ہیں اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا رحم کرے اور جماعت کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ی طرح فخر الدین صاحب کے متعلق میں پھر عرض کروں گا کہ اس کے فیصلہ پر نظر ثانی کریں، وہ بھی مخلص اور کام کا آدمی ہے، وہ سلسلہ

کا اور آپ کے اہل بیت کا دیرینہ خادم ہے، ہر شخص اپنی طرز پر خدمت کرتا ہے اس نے بھی اپنی طرز پر کبھی کسی خدمت سے منہ نہیں موڑا۔ اس سے بھی آپ کو غلط طور پر بدظن کیا گیا ہے، اس کے معاملہ میں عجیب بات یہ ہے کہ عبد الرحمٰن برادر احسان علی نے دوران مقدمہ میں کہا تھا کہ میں فخر الدین کو جماعت سے نکلوا کر چھوڑوں گا اور آج وہ بات پوری ہو جاتی ہے۔ آپ حضرت علیؓ اور زبیرؓ کے واقعات کو یاد کریں کس طرح ان کے اندر اتحاد کی سچی تڑپ تھی اور کس طرح انہوں نے عین میدانِ جنگ میں سمجھوتہ کر لیا تھا، لیکن جو لوگ ان کے ارد گرد تھے اور جو اس وقت ان کے معتمد علیہ بنے ہوتے تھے اور بڑے اخلاص کا اظہار کر رہے تھے اور اپنے آپ کو اسلام کے سچے جانثار ظاہر کر رہے تھے انہوں نے اپنی خباثت فطرت کا ثبوت دیتے ہوئے دونوں کو آخر لڑوا دیا اور اسلامی اتحاد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ پس اس وقت بھی بعینہٖ ایسی ہی حالت سامنے ہے۔ مہربانی فرما کر سوچ سمجھ کر قدم رکھیں، ایسا نہ ہو کہ ایک غلط قدم اصل راستہ سے ہزاروں کوس جماعت کو دور لے جائے اور اس وقت ہوش آئے جب کہ واپس مڑنا سخت مشکل ہو چکا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ آپ کو ٹھنڈے دل سے اس تحریر پر غور کرنے کی توفیق دے اور ایسی راہ پر گامزن کرے جس سے فتنوں کا دروازہ نہ کھلے کیونکہ جو دروازہ ایک دفعہ کھلتا ہے وہ بند نہیں ہوا کرتا۔ اے اللہ تو ہمیں فتنوں سے بچا کیونکہ تیرے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ خَیْرُ حَافِظًا۔ اَنْتَ خَیْرُ حَافِظًا۔ اَنْتَ خَیْرُ حَافِظًا۔

میں نے جو کچھ عرض کرنا تھا سچائی اور دیانتداری کے ساتھ سلسلہ

کی اور آپ کی بہتری کو مدِ نظر رکھ کر عرض کر دیا ہے۔ اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کی جو قضا ہوگی وہ جاری ہو کر رہے گی۔ ہم راضی ہیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرے گا، سلسلہ کے لئے بہتر ہی کرے گا۔

وافوض امری الی اللہ واللہ بصیر بالعباد

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام

عبدالرحمٰن مصری

۱۰/۶/۳۷

یہ خط ۱۰ کو لکھا گیا اور گیارہ کو بھیجا گیا۔

مذکورہ بالا خط کا جواب نہ پاکر مصری سنے ۱۴ر جون ۱۹۳۷ء کو بطور یاددہانی مزید ایک خط لکھا۔ اوّل تو پہلا خط اس قدر واضح تھا نیز مصری کے نزدیک ابنِ دجال کا، جو احترام تھا، سب کچھ جان جانے کے باوجود خط میں گستاخی کا پہلو نہیں تھا۔ دوسرے خط میں صرف پہلے خط کے جواب کا تقاضہ تھا، مگر انسان کا ضمیر جب اندر سے اس کے کردار پر ملامت کرتا ہے تو نہ زبان میں گویائی کی طاقت رہتی ہے نہ ہاتھ ساتھ دیتے ہیں۔ تیسرا خط جو ۲۳ رجون ۱۹۳۷ء کو لکھا اس میں قدرے تلخی تھی۔ قارئین یہ خطوط ملاحظہ فرمائیں۔

خط نمبر ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیّدنا۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ‘

میں ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ ابھی تک جناب کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں (PRESTIGE) (وقار) کا خیال اس مخلصانہ اور ہمدردی سے بھری ہوئی نصیحت کو قبول

کرنے میں مانع ہو۔ میں پھر آپ کی خدمت میں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھ پر اعتماد کریں اور یقین کر لیں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے
وہ سلسلہ اور آپ کی ذات دونوں کو بدنامی سے
بچانے کے لئے عرض کیا ہے اور میں دل سے چاہتا
ہوں کہ یہ معاملہ پبلک میں نہ آئے
اور انشاء اللہ یہ بصیغہ رازمی رہے گا!

آپ یہ خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ آپ کے (PRESTIGE) یعنی وقار کو یا آپ کے مقام کو اس سے کوئی صدمہ پہنچے گا۔ اگر آپ ان باتوں سے توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو آپ ہمیں پہلے سے بھی بڑھ کر مخلص پائیں گے۔

یہ بات آپ سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ جماعت کا فرض ہے کہ اپنے اس خلیفہ کے اعمال کی جو خدا کی طرف سے براہ راست مامور نہیں کیا جاتا نگہداشت رکھے اور اگر اُسے شریعت سے منحرف ہوتے دیکھے تو اس کو شریعت کی اطاعت کی طرف لائے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

اِنما انا مثلکم انما انی متبع ولست بمبتدع فان
استقمتُ فتابعونی وان زغت فقومونی
الا وان لی شیطاناً یعترینی فاذا اتانی فاجتنبونی

ترجمہ: میں صرف تمہاری مانند اُمت کا ایک فرد ہوں۔ میں تو مقررہ شریعت کا اتباع کرنے والا ہوں۔ میں اس شریعت میں کوئی نئی چیز داخل نہیں کر سکتا۔ اگر میں سیدھا رہوں تو میری تابعداری کرو۔ اگر میں شریعت کے احکام سے منحرف ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ یہ بھی سُن لو کہ میرا بھی شیطان ہے، جو مجھے آچمٹتا ہے پس جب وہ میرے پاس آئے تو

مجھ سے الگ ہو جاؤ" (زائد عبارت) یہ ترجمہ خط میں نہیں لکھا گیا۔
الفاظ واضح ہیں مجھے آپ کے سامنے کسی قسم کا استدلال کر کے پیش
کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں۔

پس ایسی صورت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم
آپ کے اعمال میں اگر کوئی خلافِ شریعت جز و
دیکھیں تو اس سے آپ کو روکنے کی اپنی پوری کوشش کریں

اب میرے علم میں جب وہ باتیں آچکی ہیں جن کا ذکر میں اپنے پہلے عریضہ میں کر چکا ہوں تو میرا فرض ہے کہ میں آپ کی اصلاح کروں اور اس کے دو ہی طریق ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ میں خود بصیغہ راز آپ سے عرض کروں اور اس پر میں نے عمل کیا ہے۔ دوم۔ اگر آپ توجہ نہ فرمائیں تو پھر جماعت کے سرکردہ اصحاب کے سامنے تمام واقعات بالتفصیل رکھ کر ان سے مشورہ کر دں اور جو تجویز آپ کو ان باتوں سے روکنے کے لئے قرار پائے، اس پر عمل کیا جائے اور اگر وہ بھی ٹڈریں اور توجہ نہ کریں تو پھر ساری جماعت کے سامنے رکھ کر اس کا فیصلہ کراؤں لیکن میری انتہائی کوشش یہی ہو گی کہ دوسروں کو چھوڑ کر اپنی جماعت کے بھی کسی فرد کو اس کا علم نہ ہو۔ صرف میرے اور آپ کے درمیان ہی یہ بات رہے۔ دوسری دو صورتیں انتہائی مایوسی کی حالت میں عمل میں لائی جائیں ورنہ نہیں، لیکن میں نے جیسا کہ پہلے عریضہ میں بھی عرض کیا ہے ان واقعات کا علم صرف مجھ تک ہی محدود نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کو اس کا علم ہے اور انہی میں سے فخر الدین صاحب بھی ہیں۔ ان کو جماعت سے الگ کیا گیا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ان کو علیحدہ محض اسی وجہ سے کیا گیا ہے کہ وہ ان واقعات کا علم رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں اپنے آپ کو بدنامی سے بچانے

کے لئے وہ بھی مجبور رہوں گے کہ پبلک میں کوئی بیان شائع کریں اور مجھے علم ہے کہ ان کا ارادہ تھا اور اسی بنا پر میں نے آپ کو لکھا تھا کہ پبلک میں بات آنے سے قبل آپ ان کی تلافی کر لیں اور کسی مناسب طریقہ سے اس اعلان کو منسوخ کر دیں جس سے آپ کا وقار بھی قائم رہے اور وہ بھی مجبور ہو کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھاتے جس کا واپس لینا مشکل ہو جائے۔ پرسوں اتفاق سے میں بک ڈپو کی طرف گیا اور میں نے دیکھا کہ مظہر اور مولوی فضل دین صاحب وہاں بیٹھے ہیں۔ محمد یوسف بن مولوی قطب الدین صاحب نے مظہر سے پوچھا کہ تمہارے ابا کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ

معافی مانگ رہے ہیں مگر ابھی کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ سن کر مجھے بیحد خوشی ہوئی اور مَیں نے شکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو معافی کی طرف پھیر دیا ہے اور پہلے ارادے سے باز آگیا ہے۔ اس کے لئے یہ ایک موقعہ ہے اب اس سے فائدہ اٹھا لینا چاہیئے اس سے جناب کے وقار کو بھی صدمہ نہیں پہنچے گا اور معاملہ بھی نہایت عمدگی سے طے ہو جائے گا۔

پس میں پھر آپ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور سلسلہ حقہ کی عزت کا واسطہ ڈال کر عرض کرتا ہوں کہ آپ نزاکتِ وقت کو پہچانیں اور سلسلہ کو بدنامی سے بچا لیں اور دشمنوں کو ہنسی کا موقعہ نہ دیں اور فوراً اس کی معافی کا اعلان فرما دیں کیونکہ اب اس نے خود معافی مانگ لی ہے ورنہ بات ہاتھ سے نکل جائے گی اور پھر کچھ نہیں بن سکے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

اس کے پاس مواد بہت زیادہ ہے اور اس کو اس نے استعمال کیا تو مشکلات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہمارے

سامنے آجائے گا جس کی رُد کو رد کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ یہ
ایک سچے ناصح کی نصیحت ہے۔ کاش آپ اس کی طرف پوری
توجہ دیں اور اس کو قبول کر کے جماعت کو فتنہ سے بچالیں۔
اللہ تعالیٰ ہی آپ کے دل کو سیدھا راستہ اختیار کرنے
کی توفیق عطا فرمائے۔

الناصح المشفق

(عبدالرحمن مصری) ۲۷-۶-۱۴

خط نمبر ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سیدنا السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

دو عریضے میں جناب کی خدمت میں قبل ازیں ارسال کر چکا ہوں۔ ان کے بعد مزید غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس معاملہ میں مجھے نرمی نہیں دکھانی چاہیئے کیونکہ اس معاملہ میں نرمی سلسلہ کے ساتھ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات اور حضور کی اولاد کے ساتھ خیانت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بے شمار احسانات کے نیچے ہم دبے ہوئے ہیں۔ میرا نفس مجھے بار بار ملامت کر رہا ہے کہ کیا ان احسانات کا یہی بدلہ ہے کہ ان کی اولاد کو ایک بدی میں مبتلا دیکھ کر اس میں سے انہیں نکالنے کے لئے کوشش نہ کی جائے۔ یہ سلسلہ کے ساتھ بھی خیانت ہے اور وہ اس لئے کہ سلسلہ کے افراد اندر ہی اندر آپ کی یہ حالت دیکھ کر دہریہ ہوتے چلے جا رہے ہے اور ہم اعلانیہ ان

کو روک نہیں سکتے۔ یہ بدی آتنی سُرعت کے ساتھ سرایت کر رہی ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب اس بدی کو بدی نہیں سمجھا جاتا اگر اس رو کو اس وقت نہ روکا جاتے تو خدا جانے کتنی نسلوں تک یہ وبا اسی طرح پھیلتی چلی جاوے گی اور کب اس کا خاتمہ ہوگا۔ اگر ہم علما خاموش رہیں تو یقیناً خدا کے حضور جوابدہ ہوں گے . . . .

. . . .

میں عرض کرتا ہوں کہ

اخذته العزة بالاثم کی حالت آپ پر آنے۔ آپ ایک گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور گناہ سے توبہ کرنے میں عزت ہے، بے عزتی نہیں، پس اگر آپ توبہ کے لئے تیار ہوں تو توبہ کی جو اہم شرائط تمام صوفیا نے لکھی ہے اس پر عمل شروع ہو جانا چاہیئے اور وہ یہ کہ اس بدی کا ماحول بدلا جائے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل ضروری ہے

(۱) آپ کے پاس محرم عورتوں کے سوائے بالعموم عورتیں نہ جائیں ۔

(۲) تمام غیر محرم عورتیں آپ سے پردہ کریں اور یہ آپ ان سے حکماً کروائیں۔ یہ ایک شریعت کا حکم ہے، جس کی پیروی کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے اور قطع نظر اس حالت کے ویسے بھی آپ پر بحیثیت خلیفہ ہونے کے یہ فرض ہے کہ آپ شریعت کے احکام کو نافذ کریں ۔

(۳) تمام وہ لوگ خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں، جو اس کام میں آپ کے معاون بنے ہوئے ہیں ان کو اب رخصت کیا جاوے میں یہ نہیں کہتا کہ آپ فوراً ایسا کریں بے شک حکمتِ عملی سے کام لے کر کچھ عرصہ تک انہیں اپنے سے علیٰحدہ کر دیں۔

(۴) جو سختیاں آپ نے محض اپنے اس عیب کو چھپانے کیلئے بعض صحابہ مسیح موعود پر کی ہوئی ہیں، ان کی تلافی کی جائے، یہ میرے جائز اور واجبی چار مطالبات ہیں۔ تقویٰ دیانت اور انصاف تقاضا کرتے ہیں کہ آپ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور دل کی خوشی کے ساتھ انہیں پورا کریں، ہاں اگر انہیں یا ان کے پورا کرنے کی طرز اور حکمت میں کوئی ترمیم وغیرہ کرنا چاہیں تو مجھ سے زبانی گفتگو کر سکتے ہیں . . . . . .

. . . .

شیخ عبدالرحمٰن مصری

۲۳ - ۶ - ۳۷

فخر الدین ملتانی کا قتل

عبدالرحمٰن مصری کے خطوط نے آذر کے صنم کدہ میں کھلبلی مچا دی۔ ہر بت ایک دوسرے پر مخبری کا شبہ کرنے لگا۔ درون پردہ سنڈاس کی بدبو پھیل چکی تھی، تاہم پردہ اٹھنے کی منتظر تھی نگاہ۔

اگر ابنِ دجال اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا تو ممکن ہے مزید کچھ دیر بُرائی کا طوفان رُک جاتا مگر بُرے دن پوچھ کر نہیں آتے۔

ہنوز بات آگے بڑھ رہی تھی، اس ضمن میں عبدالرحمٰن مصری نے ابنِ دجال کے حامی ڈاکٹر اسماعیل سے بطور گلہ اپنے صاحبزادے کے انکشافات کا ذکر

کیا۔ جواب میں ڈاکٹر اسماعیل نے کہا۔

"مصری صاحب! حضور (بشیر الدین محمود) سلسلہ احمدیہ کا اتنا کام کر رہے ہیں اگر اس دوران تھوڑی بہت تفریح کر بھی لیتے ہیں تو کیا حرج ہے"۔

بادِ سموم میں جیسے جیسے تیزی آتی گئی کملائے ہوئے پھول آپ سے آپ گرتے چلے گئے۔ عبدالرحمٰن مصری کے بعد حکیم فخر الدین ملتانی پر بشیر الدین کا عتاب آنے لگا، حالانکہ یہ غیر نہیں تھا۔ گذرے ہوتے کل اسی باغ کا پھول تھا، مگر اس کے ضائع کرنے میں بھی صیاد کے چلن کا دخل تھا۔ فخر الدین کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے مصری کے ہمنوا ہو کر مصری کے بیٹے نے جو انکشافات کئے تھے اُس کی بنیاد پر مصری نے ابنِ دجال کی جعلی خلافت میں اپنی طرف سے ایک استغاثہ دائر کیا جس پر بشیر الدین پر الزامات کی طویل فہرست درج تھی اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ موجودہ نام نہاد خلیفہ کو اس کی ذمہ داروں سے فی الفور الگ کر دیا جائے۔

مندرجہ بالا مطالبات اشتہار کی صورت میں قادیان کے در و دیوار پر چسپاں کر دیئے گئے، اس کے نیچے فخر الدین ملتانی کے دستخط تھے اور بس۔ اتنے سے جرم پر فخر الدین ملتانی پر کیا گزری، یہ اسی کی زبانی سنیئے۔

"یہ ناکہ بندیاں؟ یہ خلافِ تہذیب و شرافت گالیاں؟ ہمارے نان و نفقہ کی بندش؟ ہمارے بچوں اور عورتوں کو ایذا رسانی، یہ لٹھ بند اور ہاکی اسٹک بند؟ سڑکوں کے مظاہرے یا قتل و غارت کی دھمکیاں؟ ہمارے گھروں اور ہماری ڈاک پر ڈاکہ زنیاں؟ اور ہمارے شیر خوار بچوں کے دودھ بند کرنے؟ اور یہ ٹارچ زنیاں اور دوربین بازیاں کر کے ہماری لڑکیوں اور عورتوں کی بے پردگی کے کمینہ ارتکاب؟ اور طرح طرح کے مقدموں میں پھنسانے کی کوشش کرنا؟ ہمارے قرض داروں کو قرض ادا کرنے سے روکنا اور ہمارے قرض خواہوں کو مقدمہ بازی پر آمادہ کرنا وغیرہ وغیرہ"۔

ہمیں ان پاک ارادوں اور قیام قادیان سے باز نہیں رکھ سکیں گے۔
قادیان خُدا کے مُرسل کا تخت گاہ ہے' ہم اُسے ایک آن کے لئے بھی
ویران نہیں دیکھ سکیں گے ۔" اشتہار ۔

مندرجہ بالا اشتہار کے نیچے ۱۲ر جولائی ۱۹۳۷ء کی تاریخ درج تھی۔

اُن دنوں اِس طرز کے مزید کئی پوسٹر دیکھنے اور سننے میں آئے، جنہوں نے تقدس کی چادر نوچ ڈالی۔ قصرِ ذلالت کے بام ودر میں دراڑیں پڑ گئیں۔ مظلوم ظالم سے انتقام انتقام پکارنے لگے۔ خون سے لتھڑی ہوئی معصوم عصمتوں کی چادروں نے ابنِ دجال کو اپنے گھیراؤ میں لے لیا۔

مصری اور ملتانی کے مشترک مطالبۂ تحقیقات کا اِس قدر شور ہوا کہ قادیان جہنم کدہ بن گیا۔ اس ہنگامہ آرائی سے گھبرا کر بشیر الدین محمود نے ۲۳ر جولائی کو اپنے گوردوارہ (مرزائیوں کی عبادت گا) میں جمعہ کے خطبہ میں اپنے مخالفین کو کھُلم کھلا گالیاں دیں۔ ان پر الزام لگائے، اپنے پالتو غنڈوں کو اشتعال دلایا۔ اس کے جواب میں فخر الدین ملتانی نے کہا ۔

"اسی لئے تو ہم جماعت سے بار بار آزاد کمشن کا مطالبہ کر رہے ہیں
تاکہ ان کے بُرے اور اچھے نتائج مخفی اور ظاہری سامنے آجائیں اور
اس قضیئے کا جلد فیصلہ ہو جائے کہ خاندان فحاشی کا مرکز ہے یا با الفاظِ
دیگر دوسرے لوگ جنہیں مطعون کیا جا رہا ہے ۔"

ابھی ملتانی کے الفاظ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ۷ر اگست ۱۹۳۷ء کو دوپہر کے وقت سرِ عام قصرِ ذلالت کے سامنے فخر الدین ملتانی پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ ان زخموں کی تاب نہ لا کر ۱۳ر اگست ۱۹۳۷ء کو گورداسپور ہسپتال میں انتقال کر گیا۔

فخر الدین ملتانی کا لہو نجس ہونے پر بھی حق کو اُجاگر کرنے میں بڑا معاون ہوا۔ اس خون سے آتش کدۂ نمرود کی آگ اس قدر تیز ہوئی کہ باطل خاکستر ہو کر رہ گیا۔

اور اسی راکھ سے قانون کے لئے قاتل کی تلاش آسان ہوگئی۔

مقتول قصرِ ذلالت کے سامنے گھنٹوں تڑپتا رہا۔ ابھی دجال کا خوف حالات پر اس طرح محیط تھا کہ زخمی کے منہ میں پانی ڈالنے والا کوئی نہیں تھا۔ آخر مولانا عنایت اللہ سمیت احرار کارکنوں نے فخر الدین ملتانی کو سنبھالا دیا۔ پولیس تھانہ میں رپورٹ درج کرائی اور زخمی کو ہسپتال پہنچایا۔

فخر الدین کا قاتل عبدالعزیز (مرزائی) گرفتار کر لیا گیا۔ بقول سیشن جج گورداسپور، مثل مقدمہ شہادتوں کی روشنی کے مطابق مرزا محمود اس قتل میں برابر کا شریک ہے۔

ان دنوں لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ تھا۔ جب اس کے روبرو قاتل کی اپیل پیش ہوئی تو اس نے اپنے خود کاشتہ پودے کو تحفظ دے کر مجرموں کی فہرست سے الگ کر دیا۔ اس طرح مرزا بشیر الدین کیفرِ کردار تک پہنچنے سے بچ گیا۔ اس مقدمہ میں چیف جسٹس کے فیصلہ کے اہم اقتباس ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قریب زمانہ میں ہی فخر الدین قادیانی احمدیوں کے خلیفہ کا پیروکار تھا۔ مقتول اور عبدالرحمٰن مصری کو خلیفہ سے اختلاف کرنے پر جماعت سے خارج کر دیا گیا یا وہ خود علیحدہ ہو گئے؟ انہوں نے ایک نئی انجمن کی بنیاد ڈالی جس کا بڑا مقصد خلیفہ کی مخالفت کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا قیام قادیان میں تھا اور چونکہ قادیان میں زیادہ آبادی متشدد احمدیوں کی تھی اس لیے قدرتی طور پر "آرتھوڈاکس گروپ" (زیرِ زمین اور خفیہ رہ کر دہشت انگیز کارروائیاں کرنے والے گروہ) اور ان کے درمیان جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی جیسا کہ گواہوں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخالف انجمن کے ارکان کا بائیکاٹ کیا جائے اور ان کے گھروں پر پکٹنگ (ناکہ بندی) لگائی جائے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ (خلیفہ کے مخالف) بہت ناخوشگوار حالت میں تھے۔ مقتول نے متعدد اطلاعات مقامی پولیس چوکی میں دیں جو احمدیوں کی ان حرکات سے متعلق تھیں جو اُس کے خلاف کر رہے تھے۔

۲۔ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء کو خلیفہ نے بذاتِ خود مسجد میں ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے عبدالرحمٰن مصری اور اس کے رفقاء پر ایک طویل ذاتی حملہ کیا۔ چنانچہ یہ تقریر یکم اگست کے الفضل میں شائع ہوئی۔

توضیح : (یاد رہے کہ انگریز چیف جسٹس خلیفہ محمود کے قابلِ اعتراض فقرات گول مول کر گیا جنہیں سیشن جج نے نوٹ کیا تھا) یہاں چیف جج مرزا محمود کے وہ فقرات نوٹ کرتا ہے جو کسی قدر خلیفہ کے جرم کو ہلکا کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں :

"لیکن اگر وہ یونہی گندے اعتراضات کرنے پر مُصر رہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ احمدیہ کا تو ذکر ہی کیا ___؟ عصمت بھی ان کے خاندانوں سے رخصت ہو جائے گی اور ان کے خاندان فحش کا مرکز بن جائیں گے۔ اس خطبہ کے جواب میں خصوصاً خلیفہ کے اس بیان کے خلاف یعنی ان کے خاندان فحش کا مرکز بن جائیں گے۔"

فخر الدین نے احتجاج کے طور پر ۵ راگست کو (ایک) اشتہار چسپاں کیا جس کا آخری حصہ درجِ ذیل ہے :

"اسی لیے تو ہم جماعت سے ایک آزاد تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ کر رہے ہیں تاکہ سب حقائق، شہادت اور راز فیصلہ کے لیے اُن کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ وہ فیصلہ کرے کہ کون سا خاندان فحاشی کا مرکز ہے۔"

۳۔ ۶ راگست کی صبح کو اور پھر شام کے وقت اُرتھوڈاکس احمدیہ کے دو اجلاس منعقد ہوئے جن میں سب انسپکٹر لالہ کرم چند کی شہادت کے مطابق مقتول کے خلاف کئی تقاریر ہوئیں۔ اُس دن فخر الدین نے ذیل کی رپورٹ چوکی میں درج کرائی :

"جناب عالی! آج خلیفہ قادیان نے جمعہ کی نماز میں نہایت اشتعال انگیز تقریر کے ذریعہ "جماعت احمدیہ" کو ارکانِ مجلسِ احمدیہ (مقتول پارٹی) کے خلاف مشتعل کیا ہے جس کے نتیجہ میں حد درجہ کا اشتعال پھیلا ہوا ہے اس لیے درخواست کی جاتی ہے کہ اُن کی حفاظت کا فوری طور پر انتظام کیا جائے۔"

۴۔ ۷ راگست کو اپیل کنندہ نے فخر الدین کو قتل کیا۔ جبکہ وہ حکیم عبدالعزیز اور بشیر احمد کے ہمراہ پولیس چوکی جا رہا تھا تاکہ اپنی اور اپنے رفقاء کی حفاظت کے لیے درخواست کرے۔ (۴م)

سیشن کا فیصلہ سزائے موت بحال رکھتے ہوئے عزیز احمد کی اپیل مسترد کرتے ہیں ــــــ اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ "مرزا محمود احمد نے جہاں جہاں مقتول پارٹی کے لیے سزا کا لفظ استعمال کیا ہے اُس سے مراد رُوحانی سزا ہے نہ کہ جسمانی سزا"

عدالت عالیہ نے خلیفہ کے تشدد پر اکسانے والی تقریر کو تسلیم کیا اور اُس کے نتیجہ میں اُس کے ہیرو فدائیوں کے صلاح و مشورہ بھی تسلیم کئے اور مقتول کی قبل از وقت چوکی پولیس میں

اطلاع کو بھی تسلیم کیا جو انہوں نے قتل کی سازش کے متعلق دی تھی۔ کیا ان حالات میں انگریز جج کا فیصلہ حیرت انگیز نہیں ہے؟ اور یہ انصاف کا خون نہیں کہ اس قتل کو صرف "فردِ واحد کا فعل" قرار دے کر اُسی اکیلے کو سزا دی جائے اور بقایا تمام عوامل و واقعات ثابت مشمولہ مِثل سے صرفِ نظر کر کے صرف فردِ واحد کو سزا دے کر تقاضائے انصاف کو پورا خیال کیا جائے اور "اہلِ دانش" کے سامنے اپنے کو عادل تصور کر کے مطمئن ہو جائے اِس سے بڑھ کر اور بے انصافی اور بیہودگی کیا ہو سکتی ہے؟ اور جُرم سے چھٹکارے کے لیے یہ دلیل گھڑی جائے کہ خلیفہ کی تقریر میں جو مشددانہ الفاظ ہیں یا انہیں سزا دینے کا جو تذکرہ ہوا ہے اِس سے مراد "روحانی سزا اور روحانی تشدد" ہے! بھلا ان الفاظ کو روحانی سزا پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ اُس کے نتیجہ میں جسمانی سزا کا ارتکاب عملاً موجود ہے؟ پھر تقریر کے نتیجہ میں جو مشورات اور سازشیں خلیفہ کے سامنے ہو رہی تھیں کیا وہ بھی روحانی سزا ہی تھیں؟ اس کی تمثیل تو یوں ہے کہ "ایک شخص کسی کے ہاتھ میں تلوار دے کر کہتا ہے کہ "فلاں آدمی کو جا کر قتل کر دو" اور وہ اُسے قتل کر دیتا ہے پھر جب باز پُرس ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ "یہ قاتل کا ذاتی فعل ہے اور یہ اُس کی سمجھ کا قصور ہے میں نے اسے کہا تھا کہ اُسے جا کر روحانی طور پر قتل کر دو۔ اُس نے مطلب سمجھنے میں غلطی کی اور جا کر جسمانی طور پر اُسے قتل کر دیا" اگر انصاف کا کچھ پاس ہوتا تو مرزا محمود قاتل کے ہمراہ کٹہرے میں کھڑا ہوتا۔ ہندوستانی جج نے تو اِس لغو اور بیہودہ تاویل کو قبول نہ کیا؟ مگر انگریز نے ایک انتہائی اور بھونڈی تاویل کو قبول کر کے اپنے خود کاشتہ پودے کو ارادہ و حکمِ قتل کی سزا سے بچا لیا! ــــ مزید براں یہ لوگ عوام میں یا جلسوں میں گالیاں نہیں دیتے تھے بلکہ وہ ایک آئینی مطالبہ کر رہے

تھے جو ہر لحاظ سے جائز اور معقول تھا۔ مرزا محمود کی بیعت توڑنے والوں کا سرغنہ شیخ عبدالرحمٰن مصری تھا اور اُسی نے مطالبہ کیا تھا کہ "خلیفہ صاحب ایک آزاد کمیشن مقرر کر دیں تاکہ اُس کمیشن کے سامنے وہ لوگ اُن الزامات کو پیش کریں اور کمیشن کے فیصلہ کے فریقین پابند رہیں۔"

شیخ عبدالرحمٰن مصری کے مطالبہ کے الفاظ یہ ہیں:

"میں جماعت کو یقین دلاتا ہوں کہ جن نقائص کی وجہ سے بیعت سے علیٰحدہ ہُوا ہوں، وہ یقیناً خلیفہ میں موجود ہیں اور اُن کے اثبات کے لیے میرے پاس کافی دلائل موجود ہیں۔"

(بیان شیخ عبدالرحمٰن مصری مندرجہ پیغام صلح ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء)

عبدالرحمٰن مصری کے قتل کی سازش

دجال اور اُس کی امت نے قادیان کے اندر ربع صدی سے مذہبی تقدس کے نام پر جو ڈرامہ شروع کر رکھا تھا مجلس احرار کی جرأت ایمانی اور سیاسی حکمتِ عملی سے اس کا ڈراپ سین ہو چکا تھا۔ قادیان کے پولیس تھانہ سے ہائی کورٹ تک کا ہر اہلکار اس سارے فریب کا ایکسرے کر چکا کہ یہ سب کچھ سُراب ہے۔

عبدالرحمٰن مصری اور فخر الدین ملتانی کی بغاوت نے حقیقت واضح کر دی کہ اس سفید قبر میں جو مردہ ہے وہ بے ایمان ہے۔ جب گورکنوں نے خود ہی مُردے کی اصلیت واضح کر دی تو صراط مستقیم کے مسافروں کا فرض ہو جاتا ہے کہ گندگی کے اس ڈھیر کو ایمان کے راستے سے ہٹا دیں۔

جب مجرم کو پتہ چل جائے کہ اُس کے جُرم کی نشاندہی ہو چکی ہے۔ قانون اور انصاف اُس کی راہ تک رہا ہے، تو پھر وہ ماضی کو بھی مستقبل کے پلے میں گرہ دے کر اپنے گناہوں کے وزن کو برابر کرتا چلا جاتا ہے۔

بشیر الدین محمود کی شہ پا کر نہ کردہ گناہ لوگوں کا جس قدر لہو قادیان کے بازاروں میں بہہ چکا تھا۔ اگر مرزائی مذہب کی انگریز کو ضرورت نہ ہوتی۔ تو یہ لہو اس بستی کی تباہی اور بربادی

کے لیے طوفان نوح تھا لیکن جب وقت کا حاکم اپنے قانون سمیت قاتل کا حامی ہو وہاں خون کا پانی ہو جانا بڑی بات نہیں۔

وہی قاتل، وہی مخبر، وہی حاکم ٹھہرے
اقربا میرے، کریں خون کا دعویٰ کس پر

آئین سے ہٹ کر قادیان میں یہ رواج عام پا چکا تھا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ ورنہ

فخرالدین ملتانی کا قتل رات کے اندھیرے میں نہیں، دن کی روشنی میں ہوا تھا۔ ویرانے میں نہیں قصرِ ذلالت کے عین سامنے۔ سیشن جج اپنے فیصلے میں لکھ رہا ہے کہ:

"ملتانی کا قتل اکیلے آدمی کا کام نہیں۔ شہادتوں کی رُو سے بشیر الدین محمود اس قتل میں برابر کا شریک ہے۔"

مگر جب سیاں بھے کوتوال پھر ڈر کاہے کا ـــــ جہاں اتنے گناہ ہوئے وہاں ایک اور سہی۔ عبدالرحمٰن مصری کے قتل کا منصوبہ کچھ اس طرح طے پایا:

"کوئی بہانہ بنا کر ایک جلوس نکالا جائے اور وہ مصری کے مکان کے سامنے سے گذرے وہاں اس زور کا ہنگامہ اور پتھراؤ کیا جائے کہ اس دوران کچھ آدمی مکان کے اندر داخل ہو کر مصری کو قتل کر دیں۔ اس ہنگامہ آرائی میں یہ قتل قانون کی رُو سے بلوا کہلائے گا اور کوئی خاص آدمی مجرم نہیں ٹھہرایا جا سکے گا۔"

جب سے مرزائیوں کے مابین باہم سر پھٹول کا سلسلہ شروع ہوا قادیان میں احرار کا دفتر مختلف اطلاعات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مرزائی اپنے اندر کی خفیہ خبریں اور مسلمان دکاندار بازار میں گشت کردہ اطلاعات شام کو دفتر پہنچاتے۔ اس طرح دفتر کو مرزائی حلقوں سے یہ خبر ملی کہ مصری کے قتل کا منصوبہ بن چکا ہے اور اس کی صورت یہ ہوگی (جیسے کہ اوپر بتایا گیا ہے) یہ اطلاع پا کر مولانا عنایت اللہ نے اپنے رفقاء کو جمع کر کے مصری کی کوٹھی کے سامنے احرار رضاکاروں کو متعین کر دیا اور پوری کوٹھی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر مرزائیوں نے جلوس کا راستہ تبدیل کر لیا۔ ممکن ہے اس ناکامی پر ابن دجال دوبارہ مصری پر حملہ آور ہو۔ احرار نے مختلف شہروں کے چار چار رضاکار ہفتہ بھر کے لیے مصری کی کوٹھی پر پہرہ کے لیے متعین کر دیئے۔

یہ اپنے اپنے خرچ پر لاہور، امرتسر، بٹالہ، جالندھر سے آتے اور ہفتہ کے بعد واپس چلے جاتے۔ یہ سلسلہ قریباً چار ہفتے جاری رہا۔ آخر ایک موقعہ پا کر مصری کے خاندان کو اُن کی کوٹھی سے دفتر احرار لے آئے۔ بالآخر مصری قادیان چھوڑ کر لاہور آگیا اور لاہوری جماعت میں شامل ہوگیا۔ (گویا کنوئیں سے نکل کر جوہڑ میں جا گرا) اسی طرح فخر الدین ملتانی دم واپسی تک مرزائی رہا جیسے کہ اس کے آخری بیان سے ظاہر ہے۔

"میں احمدی ہوں۔ باللہ میں احمدی ہوں، احمدی ہوں، شہید ہوں،
میرے سینے میں شہادت کا نشان ہے۔"

حالانکہ فخر الدین ملتانی کے والد نے جو مسلمان تھا۔ فخر الدین سے بار بار کہا کہ:

"اب بھی وقت ہے تم توبہ کر لو اور غلام احمد دجال کو چھوڑ دو۔"

مگر اس نے انگلی کے اشارے سے کہا نہیں، نہیں، نہیں۔

اس طرح مرزائی جو اس تعفن سے ناک پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ گو مرزائیت سے تائب نہیں ہوئے لیکن دجالی خاندان سے متنفر ہو گئے۔

ہوسکتا ہے کہ ایسے حالات میں بعض دلوں میں خلفشار پیدا ہو کہ:

"جب مرزائیت اپنے ہاتھوں مر رہی تھی تو احرار نے ان ہاتھوں کو سہارا کیوں دیا۔"

یہ سوال اُن ذہنوں اور دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے جنہیں مرزائیت ایسی خطرناک تحریک سے پوری طرح واقفیت نہ ہو۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ جواب کا طالب ہے۔

قارئین! زیر نظر کتاب کا مطالعہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد غیر ملکی حکمرانوں نے اپنی سلطنت کو استحکام دینے کے لیے جہاں اور بہت سے فتنے اٹھائے وہاں مرزائی تحریک ہندوستان اور بالخصوص اسلام اور مسلمانانِ عالم کے لیے ایسا سنگین پتھر تھا کہ ان کی ضرب کاری سے اسلام کا وجود لہولہان ہو سکتا تھا۔ جہاد اور ختم نبوت، اسلام کی ساری عمارت ان دو بنیادوں پر استوار ہے۔ دجالِ قادیان انہیں دو بنیادوں کو اکھاڑنے کے درپے تھا۔ ان مقاصد کے لیے انگریزی عسکری قوت اور سیاسی حکمت عملی پوری طرح تحریک

مرزائیت کی ہمنوا اور پشت پناہ رہی۔

اگرچہ اس فتنے کو ختم کرنے کا وہی طریق درست اور صحیح تھا جو مسیلمہ کذاب کے فتنے کو ختم کرنے کے لیے حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اختیار کیا تھا۔ حالانکہ مسیلمہ کذاب نبوت کا دعوے دار نہیں تھا جبکہ وہ اس منصب میں اپنے لیے حصہ چاہتا تھا۔ جس پر خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دستِ مبارک کی کھجور کی چھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"مسیلمہ! اگر تم مجھ سے اس چھڑی میں سے بھی حصہ مانگو تو میں تمہیں یہ بھی دینے کو تیار نہیں۔"

مگر دجالِ قادیان تو تمام نبوت ہڑپ کرنی چاہ رہا تھا۔ جیسے کہ وہ کہتا ہے کہ:

منم محمد و احمد کہ مجتبےٰ باشد

مگر سیاہ بختی کہئے کہ برصغیر کا غلام مسلمان اُس حیثیت میں نہیں تھا کہ اس عظیم فتنے کا مقابلہ حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرح کر سکتا۔ گو ایمان کی غیرت اسی کی متقاضی تھی مگر غلام کا دامن اس سے تہی ہوتا ہے۔ اس بے بسی کے باوجود احرار رہنماؤں نے دجالیت کے مرکز میں بیٹھ کر جو آگ سلگائی۔ آج کفر تنکا تنکا ہو کر اس آگ کا ایندھن بنا ہوا ہے۔

پھر دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ فریب زدہ مسلمان اہلبیت سے آشنائی کے بعد قوت گویائی سے محروم تھا۔ آنکھیں تھیں مگر معصیت کی طرف رواں رہا۔ جرأت تھی مگر ایمان سلب ہو چکا تھا۔ احرار نے قادیان پہنچ کر مُردوں کو زندگی کے انداز سکھائے۔ آنکھوں کو بصیرت دی۔ زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔ اُنہیں بولنے کے ڈھنگ سکھائے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مظلوم ظالم کے ظلم کی شکایت کرنے میں بے باک نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ایک مرزائی لڑکی (مقبول اختر) کا خط احرار رہنما مولانا مظہر علی اظہر ایڈووکیٹ کے نام ملاحظہ ہو:

مقبول اختر صاحبہ حکیم قطب الدین آف بدوملہی کی عزیزہ ہیں۔ قادیان میں انہیں مرزا محمود کے گھر رہنا پڑا وہاں جو کچھ انہیں نظر آیا انہوں نے مولانا مظہر علی اظہر کو لکھ دیا اس خط میں بعض الفاظ غلط طور پر لکھے گئے ہیں ہم تصحیح کیے بغیر انہیں بعینہٖ نقل کر رہے ہیں۔

محترم جناب مولوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گذارش احوال یہ ہے کہ میں ۷ سال سے مرزا بشیر الدین محمود احمد کے گھر میں ہوں۔ میں نے جو اپنی آنکھوں سے حالات دیکھے ہیں وہ قلم بند کر رہی ہوں۔ پہلے تو برداشت کرتی رہی مگر اب نہ کر سکی اور میں نے اپنی جان بچانے کے واسطے وہاں سے نکلنا منظور کیا۔ یعنی قادیان میں خلیفہ صاحب نے کوئی لڑکی یا عورت نہیں چھوڑی جو کہ خوبصورت ہیں۔ سخت ہی عیش پسند ہے۔ شراب پینے سے زنا کرنے سے بالکل خدا کا خوف نہیں اور قیامت یاد نہیں۔ اب اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ دفتر میں جو نواں (نوجوان) لڑکے ہیں وہ آتے ہیں اور لڑکیاں اس جگہ پر بلا لیتے ہیں۔ تو آپ بھی اس میں شامل ہوتے ہیں یعنی اس میں اپنی لڑکیاں بھی پیش کرتے ہیں۔ یعنی ناصرہ، قیوم، رشیدہ، امۃ العزیز اور ایک بیوی جس کا نام مریم سیدوں کی لڑکی ہے۔ وہ بھی اس میں شامل ہے۔ اس کے بعد باہر کی لڑکیاں یعنی ڈاکٹر فضل الدین کی لڑکی سلیمہ، مفتی فضل الرحمٰن کی لڑکی، احمد الدین زرگر کی لڑکی، سید منصوری والے کی بہو، استانی میمونہ، چوہدری فتح محمد سیال کی بیوی رقیہ، سید ولی اللہ شاہ کی بیوی، فتح محمد کی لڑکی آمنہ، سید عبدالجلیل کی بیوی رقیہ نورجہاں وہ باہر کی ہے، اپنی مرزا محمود کی بیوی جو عرب کی ہے۔ محمد بی بی بلوچ کی بیوی مولوی سردار جو آج کل استانی ہے۔ عزیزہ بیوی مرزا گل محمد والدہ صلاح الدین اور بہت شامل حال ہیں تو اہلیہ ولی اللہ یا مولوی سردار احمد ہر وقت حاضر خدمت رہتی ہے۔ اُستانی العزیز سراج بی بی ایک لڑکی ہے وہ بھی شامل ہے۔ ایک سیدہ منیرہ جو کہ ولی اللہ کے ماموں کی لڑکی ہے اُس کو تو حمل بھی ہو گیا تھا۔ قادیدا؟ جو آج کل بیوی مرزا مہتاب بیگ دکاندار ہے وہ بھی شامل ہے۔ بلکہ پہلا لڑکا جو ہوا مرزا محمود کا تھا جس کا نام عبدالرشید ہے اب پھر سلیمہ بنت ڈاکٹر فضل الدین

کی لڑکی ہے۔ اس کو بھی بچہ مرزا محمود کا ہونے والا ہُوا۔ تو بہت جلدی اس کی شادی شیخ عبدالرحمٰن مصری کے لڑکے کے ساتھ کر دی تاکہ کوئی بہانہ بنایا جائے یعنی اب مشہور کر دیا ہُوا ہے کہ اس کو بیماری ہے۔ اگر بچہ پیدا ہُوا تو سات ماہ کا ہوگا۔ اس طرح وہی منیرہ اس کو بھی حمل ہو گیا تھا۔ مگر جلدی سے اس کا علاج کر دیا اور

حمل گرا دیا یعنی ڈاکٹر احسان علی کے بھائی کا تھا اور علاج ڈاکٹر احسان علی نے کیا۔ باقی جو قادیان کے بدمعاش لڑکے ہیں۔ وہ خلیفہ صاحب کے ہمراز ہیں۔ اور پوشیدہ دستِ راست ہیں۔ کیونکہ خلیفہ کا راز اور ان بدمعاشوں کا راز ایک ہے۔ مریم جو کہ خلیفہ صاحب کی بیوی ہے وہ سیکرٹری بنی ہوئی ہے اور خلیفہ صاحب کی طرح ایک دوسرے کو ملا دیتی ہے اور خود بھی لڑکوں کے ساتھ بدمعاشی کرتی ہے۔ ایک نذیر لڑکا ہے جو کہ مرزا محمود کی موٹر چلاتا ہے وہ بھی شامل ہے۔ میں نے تو سخت تنگ آ کر قادیان کو خیر باد کہہ دیا ہے اور باقی جو میرے ہم خیال لڑکیاں ہیں وہ بھی سخت تنگ ہیں ہاں سچ مولوی محمد صادق کی بیوی رضیہ وہ بھی شامل ہے اور مولوی رحمت علی کی بیوی اور بیٹی دونوں شامل ہیں۔ مجھے بھی اس میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ مگر میں نے یہ بات نامنظور کی اور باہر چلی آئی۔ میرا خیال یہاں تک کہتا تھا کہ مسلمان کوئی نہیں اور خدا بھی کوئی نہیں ہے کہ میری آنکھیں کیا دیکھتی ہیں مگر ان کو ہوتا کچھ نہیں ہے۔ ایک طرف تو خدا تعالیٰ سخت سے سخت سزا دینے کا حکم دیتا ہے۔ دوسری طرف ان کو کچھ نہیں کہتا۔ یہ کیا معاملہ ہے اس سے تو ہزار درجہ بہتر عیسائی لوگ ہیں میں اپنی جان کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں کہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ حقیقت میں مسلمانوں کے ہم درد (ہمدرد) احرار قوم دنیا میں موجود نہیں تو میں ضرور بضرور عیسائی ہو جاتی اور اپنی جان کو بچا لیتی مگر خدا تعالےٰ بہت قدرت والا ہے۔ میرے دل میں خیال تھا کہ اچانک مجھے ایک آدمی ملا۔ جس نے مجھے حضرت مولوی صاحب (مولانا مظہر علی صاحب اظہر) کی خدمت میں آنے کی تاکید کی اور کہا کہ وہ ضرور تمہاری امداد کریں گے۔ اب میں نہایت ہی عاجزانہ

مجلس احرار یعنی قوم کے ہمدرد کے آگے اپیل کرتی ہوں کہ وہ میری مدد کریں۔ تاکہ جو میری ہم خیال لڑکیاں ہیں ان کو نجات دینے کا کوئی راستہ بنا سکوں۔ میں انشاءاللہ جلدی ہی اس بات کی کوشش کر رہی ہوں۔

میں اب ایک مضمون بنا کر دوں گی قادیان کے حالات پر کیونکہ اب سکول میں رخصت ہو گئی ہے۔ اور مجھے فرصت ملی ہے۔

فقط، مقبول اختر

(مذکورہ خط شفیق مرزا کی کتاب "شمر سدوم" کے ص ۳۹ تا ۴۱ سے ماخذ ہے)

ایک اور خط فسقِ بیعت کے عنوان سے محمد صادق قریشی شبنم بی اے سابق معتقد و صدر نیشنل لیگ انصار احمدیہ کا خط بنام ابن دجال بشیر الدین محمود ایک پمفلٹ کی صورت میں جسے فخرالدین ملتانی آنجہانی کے لڑکے (مظہر ملتانی جو مسلمان ہو چکا تھا) کے واسطے سے دفتر احرار میں پہنچا۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

فسخ بیعت

— بنام —

خلیفہ قادیاں

قریشی محمد صادق صاحب شبنم بی اے

سابق محتسب و پریذیڈنٹ نیشنل لیگ قادیان

و سیکرٹری آل انڈیا نیشنل لیگ لاہور

دفتر انصار احمدیہ

۸۷۔ دیو سماج ہوسٹل سنت نگر لاہور

لمحۂ فکریہ

ایک مذہبی جماعت کا امام جو اپنے آپ کو خصوصیت سے مقدس اصطلاحوں سے بریکیٹ کرتا ہے پھر فضل عمر کے علاوہ سینکڑوں محدثین سے بڑھ کر بھی اس کا دعویٰ ہے لیکن اس کی یہ یاوہ گوئی کہ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور میری دعاؤں کو قبول کرتا ہے وغیرہ وغیرہ سراسر دھوکہ اور لاف زنی ہے ۔ جگہ کی قلت کے پیشِ نظر مختصر دو مثالیں پیش خدمت ہیں تاکہ اس کے دعاؤں کی حقیقت اور مقبولیت کا اندازہ باسانی لگا سکیں یہ کہ اس کی بدعادات و اطوار زنا جیسے قبیحہ فعل کے سیاہ اور بدنما داغ کی وجہ سے اس کی چہیتی بیوی اور اس کا اپنا کیا انجام ہوا۔ اور پھر اپنی ہی وحی مقدس کتاب تذکرہ صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے ۔

کلبٌ یموت علی کلبٍ یعنی وہ کتا ہے اور کتے کی موت مرے گا، کا الہام بھی پورا ہونا لازمی امر تھا۔ پوری تفصیل کے لیے (ملک عزیز الرحمٰن صاحب) حقیقت پسند پارٹی مدن ولا کرشن نگر لاہور سے رسالہ حاصل کریں ۔

• اس کی ایک بیوی جس کا نام مریم ہے (ہمشیرہ ولی اللہ شاہ) جو اپنے طرز طریق سے حسین وجمیل تھی ۔ آتشک جیسی مرض میں مبتلا رہی اور اس کا تمام بدن گل سڑ گیا۔ تمام ظاہری کوششوں کے باوجود کوچ کر گئی ۔ جنازے کے وقت بھی بدبو اور تعفن تھا۔ خدا کی پناہ اس بدبو کو دور کرنے کے لیے قیمتی سے قیمتی عطر استعمال میں لایا گیا۔ لیکن یہ عطر بھی اس بدبو کو مسخر نہ کر سکا۔

• پھر جو زنا کے الزام میں ملوث ہو جس کا چلن سوائے غلاظتوں کے ڈھیروں کے ڈھیر ہوں۔ اور مذہب کا مقدس لبادہ کی آڑ میں زنا پر زنا کیا ہو۔ پھر ایک طویل عرصہ فالج کا شکار رہا ہو ۔ ڈاکٹر ڈوئی سے بھی بدتر حالت میں موت واقع ہوئی ۔ اس عبرتناک انجام سے ہر احمدی بخوبی واقف ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

• جماعت احمدیہ خالصتاً ایک غیر سیاسی جماعت ہے اور اس نے حکومت کے صوبائی یا مرکزی ردو بدل میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی ۔ اور نہ کسی سیاسی معاملہ میں دخل دیا ہے۔ الاماشاءاللہ یہ اصول جماعت کا جزو ایمان ہے کہ قانوناً قائم شدہ حکومت کے ساتھ نہ صرف وفاداری کی جائے بلکہ تعاونوا علی البر والتقویٰ ۔ کے قرآنی اصول کے مطابق اس کی حمایت کی جائے ۔ جماعت کے اس اصول سے تمام دنیا واقف اور گواہ ہے کہ جماعت ہمیشہ اس کی پابند رہی ہے ۔

(الفضل ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۶ء)

مندرجہ بالا حوالہ کی روشنی میں صفحہ ۶ تا ۹ کو بغور ملاحظہ کریں کیا یہ مذہبی جماعت کا کردار ہے ۔ بہر حال نئی نسل کے عوام اور عوامی حکومت کی نشاہی کے لیے خصوصیت سے قابل غور ہے تاکہ ان کی خفیہ سرگرمیاں اور ریشہ دوانیاں اور خطرناک ارادے سے روشناس ہو سکے ۔ بقیہ مزید تفصیل کے ساتھ آئندہ روشنی ڈالی جائے گی ۔

طالب دعا
محمد مظہر الدین ملتانی (فخر الدین کا بیٹا)
معرفت پوسٹ بکس نمبر ۴۸ ، لاہور

نقل چھٹی متعلق فسخ بیعت بنام خلیفہ قادیان ۶۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریمؕ

بخدمت جناب مرزا محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

چونکہ میں نے آپ کی بیعت محض دینی اغراض کی وجہ سے کی تھی اور اس لیے میں آپ کا مرید بن گیا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جانشین ہونے کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کی خدمت کرتے ہیں اور سلسلہ کی عزت وناموس ہر وقت آپ کو مدِ نظر ہے اور کہ آپ عادل صداقت پسند اور غریب اور امیر کو آپ ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور کہ جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت حاصل کی ہے اور مسیح موعود کی نبوت پر ایمان لا کر تن من دھن نثار کر دیا ہے آپ ان کی صحیح طور پر رہنمائی کرتے ہیں، لیکن جس طرح کہ میں ذیل میں ثابت کروں گا۔ میرا ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ آپ میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں بلکہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور والا معاملہ ہے۔ اندرونی طور پر آپ ان محاسن سے بے بہرہ ہیں اور آپ کا فعل ان کے منافی ہے۔ آپ سلسلۂ احمدیہ اور اس کے پاک بانی کے ناموس کو بٹہ لگا رہے ہیں۔ غریبوں کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ شریفوں کو ذلیل کرنے کے درپے ہیں رذیلوں کو سیاہ وسفید کا مالک بنا کر یا ان کے ساتھ ناشائستہ رعایت کر کے درپردہ دوسروں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بھی شرافت اور صداقت کو چھوڑ کر ان کا سا رویہ اختیار کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کے حقوق کو غصب کرتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر میں آپ کی بیعت سے دست بردار ہوتا ہوں تاکہ آپ یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ میں نے

بہانہ بنا لیا ہے میں ذیل میں آپ کی بے انصافی، آپ کے قابلِ اعتراض رویہ، آپ کی دروغ گوئی اور آپ کے درپردہ دشمنانِ سلسلہ احمدیہ و حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو امداد دینے کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر درج کرتا ہوں ۔

۱۔ آپ نے سپرنٹنڈنٹ دفاتر کو کہہ کر مجھ سے صدر انجمن احمدیہ میں ریکارڈ کیپر نظارت امور عامہ کی اسامی کے لیے درخواست دلوائی۔ لیکن بجائے براہِ راست مجھے اس اسامی پر لگانے کے مجھے نیشنل لیگ کا پریذیڈنٹ مقرر کر دیا جو کہ ایک موہوم اور فرضی اسامی تھی اور مجھ پر یہی ظاہر کرتے رہے کہ گویا میں امور عامہ کا ملازم ہوں یہ آپ کی صریح دھوکہ بازی تھی ۔

۲۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے آپ کے ایما سے مجھے احراریوں پر جبکہ وہ شروع شروع میں قبرستان عیدگاہ کے متعلق جھگڑنے لگے تھے قاتلانہ حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ جو کہ بالکل ایک غیر شرعی فعل تھا۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ چوہدری صاحب موصوف نے ایسی ترغیب مجھے دی تھی لیکن مجھے اس کے لیے آمادہ نہ پاکر مزید زور نہ دیا۔ اس وقت میں یہ اُس کی ذاتی حماقت سمجھتا تھا لیکن آپ کے باقی حالات اور خیالات کا اندازہ کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ ممکن نہیں کہ چوہدری صاحب آپ کے مشورہ یا ایما کے بغیر اس قدر دلیرانہ قدم اٹھاتے ۔

۳۔ لاہور میں مجھے سیکرٹری آل انڈیا نیشنل لیگ مقرر کر کے بھیجتے وقت آپ نے جو احکام دئے تھے ان میں سے خاص کر ایک حکم قابل اظہار ہے آپ نے ایک ہزار روپیہ خاص کام کے لیے دیا تھا کہ یہ شیخ بشیر احمد کے حوالہ کر دو اور اس کو کہہ دو کہ اس میں سے مبلغ ایک صد روپیہ فی الفور اختر علی آف زمیندار کے سپرد کر دیں اور بعد میں ان کو جس قدر رقم کی ضرورت ہو دے دیا کریں ۔ اختر علی اور اس کا باپ سلسلہ اور مسیح موعود علیہ السلام کے دشمن ہیں حضور علیہ السلام کو نعوذ باللہ دجال، عیاش، شراب خور وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور

آپ ان کے پروپیگنڈا کے لیے مومنوں سے حاصل کردہ چندہ میں سے زرِ خطیر عنایت کرتے ہیں۔ یہ ہے آپ کی ایمانی غیرت اور مومنانہ شان اللہ پناہ دے۔

- جب لاہور میں (بہ سلسلہ تحریک مسجد شہید گنج) گولی چلی تو جماعت نے احراریوں کے ساتھ گورنمنٹ کے خلاف بھی سخت پروپیگنڈا شروع کیا چنانچہ بیسیوں اشتہارات لکھوائے گئے جن پر غیر احمدیوں کے دستخط کرا کر اور ان کو اس کا معاوضہ دے کر تمام ہندوستان میں شائع کیا جاتا رہا۔
- سید ولی اللہ شاہ صاحب نے لاہور میں گولی چلنے کے متعلق کئی خلاف واقعہ خفیہ مضمون لکھ کر خفیہ طور پر میرے سامنے شائع کرائے۔ جن میں گورنمنٹ کے خلاف اکسایا جاتا رہا اور ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کو اس کام کے لیے لاہور میں مامور کیا ہؤا تھا۔
- سید ولی اللہ شاہ صاحب نے میرے سامنے سید حبیب آف 'سیاست' کے بھائی سید عنایت شاہ کو اخبار کی پالیسی خریدنے کے لیے مبلغ ایک سو روپے کا نوٹ پیشگی دیا تھا حالانکہ تمام دنیا کو معلوم ہے کہ سیاست نے کئی بار احمدیت کے خلاف شرمناک طور پر قدم اٹھایا۔ سیاست کی پالیسی اسی غرض سے خریدی گئی تھی کہ وہ گورنمنٹ کے لیے شہید گنج کے واقعہ کے موقع پر مشکلات پیدا کرے۔ سید حبیب سیاسی قیدی تھا۔ گورنمنٹ کا مجرم تھا۔ آپ نے اس کی اعانت کر کے گویا گورنمنٹ کے خلاف باغیانہ قدم اٹھایا۔
- شہید گنج کے موقع پر ایک طرف تو آپ کے نمائندے لاہور میں پبلک کو گورنمنٹ اور احراریوں کے خلاف جوش دلاتے رہے اور دوسری طرف شیخ بشیر احمد صاحب زرِ کثیر صرف کر کے کانگرسی لیڈروں اور اخبار نویسوں کو اپنے مکان میں مدعو کر کے پروپیگنڈا میں شامل کرتے رہے۔ روپیہ غریب مومنوں اور مفلسوں کا خرچ ہؤا اور فائدہ کانگرس کو ہؤا۔ آپ کے نمائندوں کو اُتو

بنا کر جواہر لعل نہرو کا استقبال کرایا اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خدا نے آپ کو اس شرمناک فعل کا کیسا بدلہ دیا۔

- محتسبی کے زمانہ میں مثلیں دیکھنے سے یہ امر مجھ پر اچھی طرح کھل گیا کہ آپ دکھاوے کے طور پر اس طرح کہتے ہیں کہ جماعت میں کسی ایسے معاملے کا فیصلہ نہیں کیا جاتا جس کی قانون اجازت نہ دیتا ہو مسمات منی بنت سنت سنگھ ٹھاکر وب نومسلم کے ساتھ جن دو آدمیوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کی تحقیقات سابق محتسب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی سے کرائی گئی ۔ انہوں نے تحقیقات کے بعد رپورٹ میں یہ وضاحت سے بیان کیا کہ ان دو آدمیوں نے بھی اس لڑکی کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس سے پیشتر فلاں فلاں نے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا ہے۔ آپ نے ناظر صاحب امور عامہ کو حکم دے کر کہا کہ اس رپورٹ کو دوبارہ لکھوایا جائے اور اس میں سے زنا کا لفظ کاٹ کر یہ لکھ دیا جائے کہ فلاں فلاں کو منی کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا گیا ہے اُس وقت محتسب میں تھا جب ناظر نے مجھے آپ کا حکم سنا دیا تو میں نے کہا جب مثل میں زنا کا لفظ بار بار آتا ہے تو محض رپورٹ سے اِسے نکالنے کی کیا ضرورت ہے تو انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ مثل کو ہم تلف کر سکتے ہیں اس کے علاوہ اغوا، چوری، خودکشی کی کوشش وغیرہ کے مقدمات میں امور عالیہ میں فیصلے ہوتے رہے ہیں جن کی تفصیل وقت پر بتا دی جا سکے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر ضرورت ہوئی۔
- جب مجلس احرار نے مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اُس وقت آل انڈیا نیشنل لیگ کو آپ کا حکم ملا تھا کہ قرب و جوار کی جماعتوں کو آدمی بھیجے جائیں اور ان کو تاکید کر دیں کہ فلاں مضمون کا اعلان جب الفضل میں نکلے تو تم فوراً قادیان میں خود بخود آجاؤ تا کہ گورنمنٹ یہ نہ کہہ سکے کہ مرکز نے ان کو بلوایا ہے ۔
- جب میں لاہور میں آیا تھا تو میں نے آپ کے اخلاق اور آپ کی بیویوں، لڑکیوں اور لڑکوں اور میاں شریف احمد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب اور اُن کے

لڑکوں کے اخلاق کے متعلق بہت سی باتیں سُنی تھیں۔ لیکن خوش اعتقادی کی وجہ سے میں یقین نہیں کرتا تھا۔ آخر جب میں قادیان آیا تو سب سے پہلے غائب سے اُن کے متعلق تحقیق کرنے کی تحریک میرے دل میں ڈالی گئی تو پھر جب میں منتسب ہوا تو آفیشل طور پر بھی میں نے تحقیق کی اور جو جو معلومات مجھے اس بارہ میں ہوئیں وہ میں نے کچھ تو نظارت کی معرفت اور کچھ براہِ راست تحریری طور پہ آپ کو پہنچا دیں مگر آپ نے پرسشنہ جتنی بھی اُن کی پرواہ نہ کی۔ ان معلومات سے بعض کا ذکر میں ذیل میں مجمل طور پر کرتا ہُوں کیونکہ مفصل طور پر میں رپورٹ کر چکا ہوں۔ اور بعض کی رپورٹ کا موقعہ نہیں ملا۔

ا۔ آپ منڈے بازی کرتے ہیں۔
ب۔ آپ نامحرم عورتوں کے ساتھ زنا کرتے ہیں۔
ج۔ آپ اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو دوسروں کے حوالے کرتے ہیں کہ اُن کے ساتھ زنا کریں۔ گویا آپ نے ایک حسن بن صباحی باطنی فرقہ بنایا ہُوا ہے۔
د۔ آپ شراب پیتے ہیں۔
ہ۔ زنا کر کے آپ بغیر نہائے اور وضو کئے بغیر نماز پڑھاتے ہیں۔
و۔ آپ کا لڑکا مبارک زنا کرتا ہے شراب پیتا ہے نماز نہیں پڑھتا۔
ز۔ میاں بشیر احمد صاحب منڈے بازی کرتے ہیں۔
ح۔ میاں بشیر احمد صاحب کے لڑکے منڈے بازی کرتے ہیں نمازیں نہیں پڑھتے۔
ط۔ میاں شریف احمد صاحب منڈے بازی کرتے ہیں نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں۔
ی۔ میں نے ایک رپورٹ میں ثابت کر دیا تھا کہ آپ کی بیوی عزیزہ کا شیخ بشیر احمد کے ساتھ تعلق ہے آپ نے نہ کوئی گواہ کو سزا دی اور نہ ہی اپنی بیوی کو۔ اور نہ ہی شیخ بشیر احمد صاحب کو۔ معاملات بدستور ہیں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

- میں نے رپورٹ مندرجہ (ی) میں یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ آپ کی لڑکیوں امت القیوم اور امت الرشید کا ایک غیر آدمی کے ساتھ تعلق ہے۔

آپ نے شہادت بھی لی لیکن طرفین میں سے کسی کو بھی سزا نہ دی۔ ان تمام واقعات کے میرے پاس مکمل ثبوت ہیں جن کو بروقت پیش کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

- آپ نے مولوی فخر دین صاحب ملتانی کے معاملہ میں پبلک کو زبردست دھوکا دینے کی کوشش کی ہے مثلاً آپ نے چند آدمی کھڑے کر کے اُن کو حلف دلائی کہ وہ بتائیں کہ آیا ان کو فخر الدین کی نگرانی کے لیے کہا گیا تھا یا کہ نہیں۔ آپ نے خود کیوں نہ قسم کھائی اور کہ میں نے کسی کو بھی ان کا جاسوس مقرر نہیں کیا تھا یا نہیں کرایا تھا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جب میں میاں شریف احمد کے دفتر میں کام کرتا تھا۔ اُس وقت سے دفتر خاص سے قاضی اکمل صاحب، مولوی فخر الدین صاحب، سردار مصباح الدین صاحب اور حضرت مولانا مولوی عبد الرحمان صاحب مصری ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق آپ کے پاس خفیہ رپورٹیں تیار ہو کر بھیجی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا۔
- آپ نے مجمع عام میں بیان کیا تھا کہ عبد الرحمٰن برادر احسان علی کے متعلق جب بدظنی پھیلنے لگی تو میں نے کئی بار اس کو باغ میں آنے سے روکا تھا لیکن وہ نہ رکتا تھا یہ کیا راز ہے۔ ایک طرف تو یہ حال کہ آپ کے کہنے سے "جی حضور یئے" دن کو رات اور رات کو دن کہنے کو تیار ہوتے ہیں اور دوسری طرف ایک شخص جس کے متعلق گمان ہے کہ اس کا تعلق آپ کی لڑکیوں کے ساتھ ہے وہ بار بار کہنے سے بھی منع نہیں ہوتا حتیٰ کہ آپ اس کو انور صاحب (انچارج تحریک جدید) سے منع کرواتے ہیں کیا انور صاحب کا حکم آپ کے حکم سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اگر ہوتا ہے تو دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

محمد حسن بی کام کی شہادت بیان میں تو پڑھی مگر الفضل میں شائع نہ کرائی۔ آپ نے اپنے اس بیان کو الفضل میں شائع ہونے سے اس لیے روکا تا کہ لوگوں کے ذہن سے تفصیلات نکل جائیں۔ اور آپ اس میں سے وہ باتیں نکال دیں جن میں آپ پر الزام آتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

محمد اسحٰق صاحب سیالکوٹی نے نیر صاحب کی دروغ گوئی ثابت کی تھی وہ الفضل میں حذف کرادی گئی۔ اسی طرح اس واقعہ کے متعلق نیر صاحب کے حلفیہ بیان میں جو اظہار تھا وہ بھی کاٹ دیا گیا۔ ان واقعات کے علاوہ اور بھی کئی واقعات ہیں جن کو فی الحال میں ظاہر نہیں کرنا چاہتا وقت پر ظاہر کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض آپ نے حضرت مسیح موعود کی بتلائی ہوئی جماعت کو دنیاوی اور روحانی طور پر ایسا سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے جو آسمان پر کبھی بھی معاف نہیں ہوسکتی ان حالات میں آپ کی بیعت میں رہنا اپنے آپ کو دانستہ ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا میں آپ کی بیعت سے علیحدہ ہوکر اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جملہ دعاوی پر میرا ایمان ہے خلافت کا میں قائل ہوں۔ لیکن آپ کی ذات کو جماعت احمدیہ کے لیے مضر دیکھ کر میں آپ کی بیعت سے علیحدہ ہوتا ہوں۔

خاکسار

قریشی محمد صادق شبنم بی اے سابق محتسب
و پریذیڈنٹ نیشنل لیگ قادیان و سیکرٹری
آل انڈیا نیشنل لیگ لاہور مورخہ ۲۷-۸-۳۴

نئی پود کے لیے مشعلِ راہ

؎ عصمت کی تجارت ہوتی ہے تہذیب کے قحبہ خانوں میں
ناموس کے سودے چکتے ہیں تقدیس کے بادہ خانوں میں

(ایک مخلص احمدی شاعر کے قلم سے)

اس تمام کارروائی اور جدوجہد کا تجزیہ کریں تو اس کے پس منظر میں احرار رہنماؤں کی سیاسی حکمت، سوچ اور فکر کی عملی شکل دکھائی دے گی ــــ اس کے مطابق دجالی خاندان

کا قادیان میں دبدبہ، دھاندلی اور وقار کہ،

۱۔ معصوم کنواری لڑکیوں کی چادرِ عصمت تار تار ہونے پر کوئی معترض نہیں تھا۔

۲۔ بے گناہ سرِ عام قتل ہو رہے تھے۔ کوئی شہادت نہ تھی۔

۳۔ نوجوان لڑکوں سے خلافِ وضع فطرت کے واقعات عام ہو رہے اور کرائے جا رہے تھے۔ کوئی شہادت نہ تھی۔

۴۔ شہر بھر کی اقتصادی زندگی کا دارومدار دجالی خاندان کے رحم و کرم پر تھا۔

۵۔ اسلام کے مروجہ اصولوں کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔

۶۔ ختم نبوت کا لیبل، شرابی اور برطانوی ایجنٹ پر لگ رہا تھا۔

۷۔ شرافت سرِ عام نیلام ہو رہی تھی۔

۸۔ دجالی خاندان کے رذیل شرابی اور بدقماش اشخاص کو اصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین کے پاکیزہ ناموں سے پکارا جا رہا تھا۔

۹۔ بدکردار اور زانیہ عورتوں کو امۃ المومنین کا خطاب دیا جا رہا تھا۔

۱۰۔ ابنِ دجال کے پالتو حرام کا رانب کھا کر قادیان کے بازاروں میں شرافت کو بازیچۂ اطفال بنائے ہوئے تھے۔

یہ اندھیر گردی انگریز کے عہد میں ہو رہی تھی اور انگریزی قانون کے چھتر سایہ میں ہو رہی تھی۔ علمائے وقت کا خصوصی گروہ یہ سارا کچھ دیکھتے اور سنتے ہوئے محراب و منبر کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔ مسلمان سرکاری ملازم مصلحت اندیشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ ان حالات میں اگر احرار رہنما آگے بڑھ کر اس طوفان کے سامنے بند نہ باندھتے تو عیسائی اور مرزائیت کے منصوبے برصغیر کی سیاست کے ساتھ اسلام کے ضابطۂ حیات کو مشکوک کر دیتے۔

قادیان میں ۱۹۳۷ء کے آخر تک جو واقعات ہوئے قانون اور انصاف کا تقاضہ تھا کہ بشیر الدین محمود کے خلاف قانون حرکت میں آتا (جبکہ سیشن جج گورداسپور فخر الدین ملتانی کے قتل کے فیصلے میں لکھ چکا تھا کہ یہ قتل اکیلے آدمی کا کام نہیں) اس کے الٹ مجلس احرار کے

مقامی رہنماؤں کے خلاف مقدمات دائر کیئے گئے ۔

- مولانا عنایت اللہ امیر مجلس احرار قادیان پر زیر دفعہ ۱۰۸ مقدمہ قائم کیا گیا اور ان سے ایک سال کی ضمانت لے لی گئی ۔
- مولانا محمد حیات پر زیر دفعہ ۱۵۳ مقدمہ درج کیا گیا اور آپ کو دو ماہ کی سزا دی گئی ۔
- حاجی عبدالرحمٰن میونسپل کمشنر بٹالہ پر زیر دفعہ ۱۵۳ مقدمہ درج کیا گیا اور آپ کو پانچسو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی ۔
- قادیان میں مسلمانوں کی عیدگاہ کے سلسلے میں پانچ مسلمانوں کا چالان ہوا ۔
- قادیان کے مسلمانوں کے قدیمی اور آبائی قبرستان کے سلسلے میں تین مسلمانوں کو زیر دفعہ ۱۰۷ گرفتار کیا گیا ۔

یاد رہے کہ یہ دَور پنجاب میں سر سکندر حیات کی یونینسٹ حکومت کا ہے ۔ اس کی روشنی میں قادیان میں احرار رہنماؤں کے خلاف مقدمات واضح ہیں سکندر حیات اور بشیرالدین محمود کیونکر ہم آہنگ ہوئے ۔ دونوں کے وڈیروں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی ہر ممکن امداد کی ۔ ایک کے باپ نے تموں کے محاذ پر فوجی امداد دے کر اور دوسرے کے باپ نے زخمی اور دم توڑتے انگریزوں کو اپنا خون دے کر اُن کی جانیں بچائیں اور جاگیریں حاصل کیں ۔ ان دونوں غداروں کی اولاد انگریز کی حمایت میں آج پھر ایک محاذ پر کھڑی ہے ۔

دوسری جنگ عظیم کے موقعہ پر سر سکندر حیات بھلا انگریز سے کیونکر الگ رہ سکتا تھا ۔ دوسرے غدار (غلام احمد کی اولاد) ابنِ دجال نے اس موقعہ پر کہا ۔

"بعض لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر انگریزوں اور جرمنوں کے مابین جنگ ہوئی تو اس وقت ہماری جماعت کا رویّہ کیا ہوگا ۔ آیا وہ حکومت برطانیہ کا ساتھ دے گی یا نہیں ؟

میں نے جو بات ان دوستوں سے پرائیویٹ کہی ۔ آج پھر کہتا ہوں اگر جنگ ہوئی تو ہماری (احمدیوں کی جماعت) کامل تائید حکومت برطانیہ کے ساتھ ہوگی ۔

ہم بھرپور طور پر حکومت برطانیہ سے تعاون کریں گے اور پہلے سے زیادہ کریں گے۔"

(الفضل قادیان ۲ فروری ۱۹۳۹ء)

اس طرح غداران غداران کے اتحاد نے حق کا راستہ روکنے کی کئی بار کوشش کی مگر جب دریا اپنے بہاؤ پر ہو تو تنکے اُس کا راستہ نہیں روک سکتے۔

قادیان میں تبلیغی مشن

عسکری نظام میں وہی جرنیل کامیاب وکامران سمجھا جاتا ہے جو دشمن کی فوج میں افراتفری پھیلا کر اُس پر حملہ آور ہو۔ گرم لوہے پر چوٹ پڑنے سے ہی کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ قادیان میں مرزائیت جس بُری طرح ہلاک ہو رہی تھی احرار رہنماؤں نے اس موقع کو غنیمت جان کر شعبہ تبلیغ کے تحت وہاں تعلیمی اور تبلیغی مدرسے قائم کیئے تاکہ آئندہ نسل کو مرزائیت کے بُرے افعال اور اثرات سے محفوظ رکھا جا سکے۔

ادارہ مبلغین کے انچارج مولانا محمد حیات مقرر ہوئے۔ اور اس کی دیکھ بھال مولانا عنایت اللہ کے سپرد ہوئی۔ مولانا لال حسین اختر انہیں دنوں مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے مذہبی اور دنیاوی تعلیم مرزائیوں کے ہاں سے مکمل کی تھی۔ کئی برس مرزائیوں کے مبلغ رہے مگر جیسے ہی وجالی چلن سے آشنا ہوئے تو اسلام کے بہترین مبلغ ثابت ہوئے۔ اسی طرح مولانا عتیق الرحمٰن جب اس جوہڑ سے نکلے تو انہیں شعبہ تبلیغ کا سفیر مقرر کیا گیا۔ اسکول اور دارالمبلغین کی شاخیں قادیان کے مضافات تک پھیل گئیں۔ گردونواح کے مسلمان اپنے بچوں کو اس اسکول میں داخل کراتے۔ اندر خانے مرزائیت سے باغی حلقہ بھی اپنے بچوں کو یہیں بھیجتا۔

مولانا لال حسین اختر، مولانا عبدالکریم مباہلہ، مولانا عتیق الرحمٰن پنجاب کے شہر قصبات اور دیہاتوں کے عوامی اجتماعات میں مرزائیت کی اصلیت سمجھاتے اور اپنے اسلام قبول کرنے کی داستانیں سناتے۔ ان کے ساتھ شعبہ تبلیغ کے مرکزی نائب صدر، چوہدری افضل حق حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور راقم شریک ہوتے اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ شعبہ تبلیغ کا نظام وسیع ہوتا چلا گیا۔ قادیان کے ایک رئیس سید چراغ شاہ نے اپنی اراضی سے ایک وسیع پلاٹ قادیان میں مسلمانوں کی جامعہ مسجد تعمیر کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ اب ایک طرف سکول، دارالمبلغین اور دوسری طرف جامعہ مسجد

کی تعمیر شروع تھی۔ یہ ۱۹۳۹ء کے شروع کا واقعہ ہے۔

تردید مرزائیت کے اجتماعات میں قادیان کانفرنس (۱۹۳۴ء) کی اس قرارداد پر بھی تقریریں ہوئیں۔ جس میں سر ظفر اللہ کو سر فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنانے پر احتجاج کیا گیا تھا کہ:

"سر ظفر اللہ چونکہ مسلمان نہیں اور یہ نشست مسلمانوں کی ہے لہٰذا اسے الگ کر کے کسی مسلمان کو یہ جگہ دی جائے۔"

انہیں دنوں (مارچ ۱۹۳۹ء) دہلی سنٹرل اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ جس میں فنانس بل پر بحث جاری تھی۔ مسٹر محمد علی جناح اس بحث میں شریک تھے۔

سنٹرل اسمبلی کی اس کارروائی کو مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر عاشق حسین بٹالوی اپنی کتاب "ہماری قومی جدوجہد" کے ص۲۶ پر لکھتے ہیں۔

"مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے جناب قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ ۱۹۳۹ء میں آنریبل سر ظفر اللہ کے متعلق مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

میں اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہیئے کہ میں گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں مختلف حلقوں نے اُن کو مبارک باد دی ہیں۔ میں اُن کی تائید کرتا ہوں۔"

نوٹ: قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر انگریزی میں تھی۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

Speaking in the Central Assembly in March, 1939, as Muslim League Party Leader, Quid-i-Azam Mohammed Ali Jinnah praised Sir Mohammed Zafrullah Khan, as follows:

"Before I proceed further, I wish to record my sense of appreciation - and if I may say so, coming from my party - to the Honourable Sir Mohammed Zafrullah Khan, who is a Muslim, and it may be said that I am flattering my own son. But I must endorse fully the congratulations he has received from various quarters."

(Government Report of debate in Central Assembly.
Vol. 3, page 2983, 1939.)

نوٹ: مذہب سے ناواقفیت کی بنا پر ماضی کی کہی گئی یہ بات کہیں مستقبل کے لیے حجت نہ بن جائے اس کی تشریح لازم ہے کہ آنریبل سر محمد ظفر اللہ مسلمان ہے۔

اوّل یہ کہ مسٹر محمد علی جناح ذاتی اور خاندانی طور پر آغا خانی ہیں۔ اُس جماعت کے مذہبی اصول اور اسلام کے ضابطۂ حیات میں بُعد المشرقین ہے۔ علاوہ ازیں مسٹر محمد علی جناح نے اپنی عمر کا اکثر حصہ یورپ میں گزارا انگریزی تعلیم کا مروجہ قانون حاصل کیا جس میں اسلام کا تصور تک نہیں اور ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ بنا بریں مسٹر جناح کا سر ظفر اللہ (مرزائی) کو مسلمان قرار دینا اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک درست نہیں۔

۲۔ قائداعظم کا یہ کہنا کہ مختلف علاقوں سے ظفر اللہ کو مبارک باد دی گئی ہے۔ یہ غلط ہے۔ یہ تار صرف اور صرف مرزائیوں نے دیئے تھے اور اگر کسی مسلمان کا نام اس فہرست میں ہے تو وہ دجالی نبوت کا فریب ہے۔

۳۔ قائداعظم نے اسمبلی میں تقریر کے دوران یہ کہہ کر (بقول عاشق حسین بٹالوی) میں اپنی پارٹی مسلم لیگ کے لیڈر کی حیثیت سے سر ظفر اللہ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں مسلم لیگ کو بھی مشکوک کر دیا۔

۴۔ قائداعظم کا یہ کہنا کہ "گویا میں اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں"۔ یہ بیٹا ایسا ناخلف نکلا کہ اس نے باپ کا جنازہ بھی نہ پڑھا۔ چونکہ مرزائیوں کے نزدیک مسٹر جناح کافر تھا۔ جیسے قادیان مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ:

"جس شخص نے مجھے نہیں مانا وہ کافر ہے اور کنجریوں کی اولاد ہے"

یہ زمانہ مسلم لیگ کے عروج کا نہیں تھا۔ لہٰذا سنٹرل اسمبلی میں قائداعظم کے ارشاد اور مرزائیوں کے برقی پیغامات کا مسلم عوام پر کوئی اثر نہ پڑا۔ البتہ اس پر پنجاب میں مجلس احرار کے خلاف سہ قومی محاذ قائم ہو گیا (مرزائی، یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ) اگرچہ تینوں کے محاذ ہم آہنگ نہیں تھے۔ لیکن احرار کے خلاف ان میں کوئی دراڑ نہیں تھی۔

اُس سال یورپ کے افق پر دوسری جنگِ عظیم کے بادل اس قدر گھرے ہو چکے تھے کہ ان کے برسنے کا ہر گھڑی امکان رہتا تھا۔

مرزائیت کا جنم تو انگریزی کوکھ سے ہُوا تھا۔ یونینسٹ پارٹی کا لیڈر سر سکندر حیات جس کے خون میں انگریز کی بہت ملاوٹ تھی۔ رہی مسلم لیگ تو ہنوز اُس کی کوئی پالیسی نہیں تھی۔ لیکن حریت پسند عناصر کی ہمنوا بھی نہ تھی۔ ان حالات میں یہ گرہ مضبوط تھی۔ اس ہر سہ فوقی اتحاد سے مرزائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ سنٹرل اسمبلی میں مسٹر محمد علی جناح کے ارشاد کو انہوں نے خوب اُچھالا۔ جعلی ناموں سے پوسٹر شائع کئے گئے۔ اسماعیل غزنوی (حکیم نورالدین کا حقیقی نواسہ) نے کرائے پر آوارہ قسم کے نوجوانوں کے نام بڑے بڑے عنوانوں سے شائع کئے جس میں ظفر اللہ کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

مرزائیوں کو ایک اور شکست

ایک عام حکایت ہے کہ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے۔

مسلم لیگ اور یونینسٹ گورنمنٹ کی شہ پر دجالی گروہ نے احرار کے مقابل پنجاب بھر میں سیرت نبوی کے نام پر ہی جلسوں کا اعلان کر دیا۔ اُس سلسلے کا پہلا جلسہ امرتسر میں رکھا گیا۔ بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے گئے۔ راقم ان دنوں امرتسر مجلس احرار کا جنرل سیکرٹری تھا۔ میں نے شہر میں منادی کرا دی کہ کوئی مسلمان مرزائیوں کے جلسہ میں شریک نہ ہو اور اندر خانے کارکنوں اور رضاکاروں کو ہدایت کر دی کہ وہ جلسہ میں جائیں اور شامیانوں سے باہر رہیں۔ نیز اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز لے جائیں جس سے شامیانوں کے رستے کٹ جائیں۔ اور یہ کام ایک ساتھ ہو۔

چونکہ منادی کرا دی گئی تھی کہ کوئی مسلمان جلسہ میں نہ جائے۔ لہٰذا مقامی انتظامیہ مطمئن رہی کہ جلسہ میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ اس لیے پولیس کا بھی کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ ادھر احرار کارکنوں کو پیشتر سے اشارہ دے دیا گیا تھا کہ جلسہ شروع ہوتے ہی ایک ساتھ شامیانوں کے رستے کاٹ دئے جائیں۔

جلسے کا صدر امرتسر کا رئیس اور مسلم لیگ کا صدر تھا۔ ابھی صدر جلسہ نے حضرات کہا ہی تھا

کہ شامیانے اُن پر آن گرے۔ اور مرزائیوں سمیت عوام بھی نیچے دب گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ اوپر سے رضاکاروں نے یہ حرکت کی کہ شامیانوں کے کنارے دبالیے۔ اب ان کے لیے باہر نکلنا دشوار تھا۔ شامیانوں کے اندر دبے ہوئے لوگ باہر نکلنے کی کوشش میں تھے۔ اور باہر سے رضاکاروں نے شامیانے دبا رکھے تھے۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ پولیس آ گئی۔ ہلکا سا لاٹھی چارج ہوا۔ پھر لوگ بڑی مشکل سے باہر نکلے۔

رضاکار باوردی نہیں تھے اور پیشتر سے منادی بھی ہو چکی تھی۔ میں خود بھی موقعہ پر موجود نہیں تھا۔ اس طرح احرار کی آئینی پوزیشن مضبوط تھی۔ انتظامیہ نے یہ ساری ذمہ داری عوام پر ڈال دی۔ دوسرے دن کے اخبار زمیندار نے یہ کارروائی ٹھیک ٹھاک طور پر شائع کی۔ سرخی تھی:

مرزائی بٹیرے اپنے جال میں پھنس گئے۔

مسلمانانِ امرتسر نے مرزائیوں کا جلسہ اُلٹ دیا۔

اس واقعہ کے بعد تو وجالی ٹولے کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ پروگرام کے مطابق کہیں جلسہ منعقد نہ کر سکے۔ اگر کہیں کوشش کی تو امرتسر سے زیادہ بُرا حشر ہوا۔ اس سلسلے میں احرار رضاکار گرفتار ہوئے مقدمات قائم ہوئے۔ مگر کفر کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

برسات کے دنوں چیونٹیوں کے پَر نکل آتے ہیں اور اڑنے لگتی ہیں۔ اس سے یہ بھولی مخلوق اس گمان میں ہوتی ہے کہ وہ شاہین ہے۔ لیکن جیسے ہی ساون کے بادلوں کی ایک جھانبڑ آتی ہے چیونٹیاں بلوں میں گھس جاتی ہیں۔

کبھی کبھار گنے کے کھیتوں میں داخل ہو کر سؤر اُسے روندھنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ روکنے والا کوئی نہیں۔ مگر کسان جب لاٹھیاں لے کر اُسے جہنم واصل کرتا ہے تب اُسے اپنی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔

مسلم لیگ کے لیڈر نے کہہ دیا کہ ظفراللہ مسلمان ہے اور اُس کا بیٹا ہے۔ اس سرٹیفکیٹ سے مرزائیوں کو غلط فہمی ہو گئی کہ واقعی وہ مسلمان ہیں۔ اور قادیان سے نکل کر مسلمانوں کو فریب دینے لگے۔ مگر سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ اور پھر وہیں جا گھسے ......

قادیان سے فرار

پیتل کتنا ہی چمکدار ہو سونا نہیں ہوتا۔ باطل بہر طور باطل ہے ۔ خواہ کسی بہانے حق کے مقابل آئے ۔

مرزائیت دورِ رواں کا عظیم فتنہ تھا۔ غلام ہندوستان میں اُس کے برگ و بار حین طور و اطوار سے پھیلے۔ غلام مسلمانوں کو یہ زہر کسی نہ کسی عنوان سے پلوایا گیا۔ یہاں تک کہ سوچ و فکر کے تمام بالاخانوں پر شاہی مہریں لگا دی گئیں اور مجبور کیا گیا کہ جھوٹ کو سچ کہو، فریب کو دیانت ــــــــــــــــــــــــــــ اس پربھی احرار رہنماؤں نے بُرے کے گھر تک پہنچنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ قادیان کا ماحول دجالی ٹولے نے اپنی حرکتوں سے اپنے لیے نامناسب بنا لیا تھا۔ انہوں نے سمجھا تھا اس خول سے باہر نکل کر کہ شاید یہاں امان ملے گی۔ مگر آگے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے۔

جسے گھر کی چار دیواری میں پناہ حاصل نہ ہو اُسے باہر کون سہارا دیتا ہے۔ اس دربدری سے تنگ آکر مرزائیوں نے قادیان سے فرار ہو کر سندھ میں زمینیں خرید لیں۔ میر پور خاص کے علاقے اپنے لیے منتخب کئے۔ یہاں خاندانوں کے ناموں سے جاگیریں قائم کیں ملیں اور کارخانے لگائے۔ لاکھوں کی یہ زمین کوڑیوں کے بھاؤ ابن دجال (بشیر الدین محمود) نے اپنے عزیز و اقارب کے نام خرید کی۔ اس پر جماعت مرزائیہ میں جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ غریب عوام کے چندے کی رقم سے حاصل شدہ جائیداد ذاتی کیسے ہوئی؟ ــــ خیر.....

ریتلہ علاقہ ہوتے ہوئے معاشی اعتبار سے سندھ کا یہ علاقہ (اُن دنوں) کسی کام کا نہیں تھا۔ مسلمانوں کی حالت بے حد کمزور تھی۔ بدن کا لباس بھی درست نہیں تھا ــ شریعت سے کماحقہ، آشنائی کا سوال تو الگ رہا۔ یہ تھی مرزائیت کی نئی شکار گاہ!

ابنِ دجال کی ذریت نے یہ کام اس قدر عجلانہ اور خفیہ طور پر کیا کہ کان اور آنکھوں تک کو پتہ نہ چل سکا۔ بالآخر مخبروں کے ذریعے خبر ملی کہ دجالی گروہ قادیان سے گندگی کا پٹارہ اُٹھا کر فرار ہو کر سندھ پہنچ گیا ہے۔

اُن دنوں سندھ ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے بعد سیاسیات کے نئے دور سے گزر رہا تھا۔ یہاں کے سیاستدان محمد ایوب کھوڑو، جی ایم سید، شیخ عبدالمجید سندھی،

اپنا آپ سنبھالے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ سر غلام حسین ہدایت اللہ، سر شاہنواز بھٹو، سر عبداللہ ہارون برطانوی کاذ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اول الذکر گروہ کے شیخ عبدالمجید سندھی ذہنا احرار کے نزدیک تھے۔ ان حالات میں احرار سندھ کی سیاست سے بیگانہ تھے۔

احرار رہنماؤں کو جب پتہ چل گیا کہ مرزائیوں نے قادیان سے بھاگ کر سندھ کو اپنا مرکز بنا لیا ہے تو وہ سندھ میں اُن کے تعاقب کی سوچنے لگے۔ کئی دنوں کی سوچ پر بھی ناکام رہے۔ اول تو یہی معلوم نہ ہو سکا کہ سندھ کے کس ضلع یا علاقہ کو مرکز بنایا گیا۔ انہیں دنوں اچانک لاہور کے دفتر میں ایک شخص چوہدری افضل حق سے ملنے آیا شکل اور لباس سے یہ لوہارا کام کا مستری معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے رازدارانہ انداز میں اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ (متن)

چودھری صاحب! میں سندھ سے آیا ہوں۔ یہاں مرزائیوں نے آجکل اپنا مرکز بنا رکھا ہے۔ یہ میر پور خاص کے اضلاع ہیں۔ یہاں کے مسلمان ہر لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ دین کی بھی سمجھ نہیں۔ مرزائی انہیں اپنی ملوں اور کارخانوں میں بطور مزدور بھرتی کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مرزا غلام احمد کے نبی ہونے کی تبلیغ کرتے ہیں یہ جاہل لوگ مزدوری کے لالچ میں مرزائیت قبول کرتے جا رہے ہیں۔ یہاں ہر روز کوئی نہ کوئی مرزائی مبلغ آتا رہتا ہے۔ کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

(آنے والا) چودھری صاحب! میں آپ کا نام تک نہیں جانتا۔ میں مرزائیوں کی مل میں ملازم ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ آپ کی جماعت کا کوئی کارکن اگر وہاں جانا چاہے تو میں وہاں تک کا کرایہ دے سکتا ہوں اور اُن کی رہنمائی کر سکتا ہوں۔

اس پر چودھری صاحب نے مولانا عبدالغفار غزنوی اور مجھے (راقم کو) امرتسر سے بلوا کر آنے والے کے ہمراہ سندھ روانہ کر دیا۔ رات حیدر آباد اسٹیشن پر گذاری۔ دوسری صبح دس بجے یہاں سے چھوٹی لائن پر گاڑی چلتی ہے۔ ہمارا مخبر یہاں ہم سے الگ

ہو کر دوسرے ڈبے میں جا بیٹھا۔ قریباً گیارہ بجے دوپہر ہم میرپور خاص پہنچے۔ یہاں سے تھوڑی دُور تک پیدل چلنا پڑا۔ آگے ایک میدان میں معمولی سائے کے نیچے لوگ جمع تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مرزائیوں کا بڑا مبلغ اللہ دتہ جالندھری اور مسلمانوں کی طرف سے مولانا عبداللہ معمار امرتسری کے درمیان مناظرہ ہو رہا ہے۔ اس پر ہم دونوں مجمع کے درمیان سے اسٹیج پر پہنچے۔ ہمیں دیکھ کر مولانا عبداللہ معمار بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے ہمارا تعارف کرایا۔ ہمارا نام سن کر اللہ دتہ جالندھری پر تو اوس پڑ گئی اور وہ پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں اسٹیج سے اعلان ہوا کہ:

"مناظرے کی دوسری نشست نمازِ ظہر کے بعد ہوگی۔ احرار لیڈر اس میں شامل ہونگے۔"

اسی موقع پر مناظرہ کی شرائط بھی طے پاگئیں۔ جن میں کذبِ مرزا شرط اول تھی۔

احرار کا نام سن کر لوگ کافی جمع ہوگئے۔ مناظرہ شروع ہوتے ہی مولانا عبدالغفار غزنوی نے دجال قادیان مرزا غلام احمد کا یہ شعر پڑھا۔

کرمِ خاکی ہوں پیارے، نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی آر

اس شعر کی تشریح میں مولانا نے کہا۔

"تمہارا نبی اپنے شعر میں اقرار کرتا ہے کہ وہ مٹی کا کیڑا ہے اور بندے کا پتر بھی نہیں۔ اور آدمی کی نفرت کی جگہ ہے۔"

اللہ دتہ صاحب! آدمی کی نفرت کی جگہ دو ہوتی ہیں۔ ایک پیشاب کرنے کی اور دوسری رفع حاجت کی۔ پتہ نہیں دونوں میں سے تمہارا نبی کیا ہے۔

پھر وہ (غلام احمد) کہتا ہے کہ وہ بندے کا پتر بھی نہیں۔

جب وہ انسان ہی نہیں تو بات ختم ہوگئی۔

اس پر مرزائی مبلغ فوراً بول اٹھا۔

مولانا! یہ انکساری ہے۔ باقی رہی الزامات کی بات تو ہم اسو سال سے

پیغمبروں پر لگتے چلے آرہے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں۔
اِس پر مولانا عبدالغفار غزنوی نے کہا۔

بکواس بند کرو۔ غلام احمد شرابی اور زانی تھا۔ وہ لاہور ای پلومر کی دکان سے شراب منگوا کر پیتا تھا۔ تم ایسے ذلیل آدمی کو پیغمبر کہتے ہو۔ شرم نہیں آتی۔ ابھی تو کل کی بات ہے تمہارے سامنے عبدالرحمٰن مصری کے لڑکے سے تمہارے نبی کا بیٹا بشیر الدین برائی کرتا رہا اور کرواتا رہا ہے۔

مولانا قرآن ہاتھ میں لے کر:

اللہ دتہ! یہ قرآن ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ۔ قادیان میں ایسا جھگڑا نہیں چلتا رہا۔

اس پر اللہ دتہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ مگر مولانا نے کہا" بیٹھ جاؤ۔ ابھی میرا وقت ختم نہیں ہوا۔
مولانا عبدالغفار نے ایسی اشتعال انگیز تقریر کی کہ مجمع نعرہ تکبیر سے گونج اُٹھا۔ جذبات میں سندھی اور پنجابی مزدور اللہ دتہ کی پٹائی کرنے کو تیار ہو گئے اور اُسے اسٹیج سے نیچے اتار دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی تمام کتابیں وہیں چھوڑ کر اپنے حواریوں کی پناہ میں چلا گیا۔ مگر مشتعل ہجوم اُسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔
مختصر یہ کہ بڑی مشکل سے اُس کی جان بچی۔ اس طرح یہ مناظرہ تو ختم ہو گیا۔ مگر ہمارے ساتھ کیا ہوا یہ کہانی دلچسپ ہے۔

ہمارا میزبان تو حیدرآباد سے ہی غائب ہو گیا تھا۔ خیر۔۔۔ جلسہ سے فارغ ہو کر کچھ دیر تو اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی پوچھنے آئے۔ مگر نہ کسی نے آنا تھا نہ آیا۔ آخر ہم قریب کی ایک ویران سی مسجد میں چلے گئے۔ مغرب کی نماز تک کوئی نہ آیا۔ عشا بھی ہو چکی۔ رات آئی مگر کھانا چھوڑ کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ ایسے حالات میں قدرِ خطرہ بھی محسوس ہونے لگا۔ پھر نیند کہاں آئے۔

دن بھر کا فاقہ، رات یونہی گذرنے لگی، رات کا تیسرا پہر تھا کہ ایک آدمی اپنے گرد چادر لپیٹے خاموشی سے ہمارے پاس آیا۔

"حضرات! یہ دو روٹیاں ہیں۔ ایک میں اپنے لیے رکھتا ہوں اور ایک آپ کھالیں۔ دوسری بات یہ کہ اس وقت میرے پاس آٹھ آنے ہیں یہ آپ رکھیں اور یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ اگر آپ کا یہاں کوئی ہمدرد نہیں بھی تو اپنی ملازمت سے ڈر کر بات نہیں کرے گا۔ ممکن ہے آپ کو نقصان پہنچے۔"

یہ کہہ کر وہ جلدی سے چلا گیا۔ ہم رات کے اندھیرے میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ فجر کی اذان تک میرپور خاص پہنچ گئے۔ جامعہ مسجد میں نماز پڑھی۔ امام صاحب کو ساری کہانی سُنادی۔ انھوں نے پہلے تو ناشتہ کرایا۔ پھر کہا:

"یہاں مرزائیوں نے اپنی ریاستیں قائم کرلی ہیں۔ مزدور پیشہ غریب اُن کے اثر میں ہیں۔ آپ اگر جانے سے پہلے مجھے مل لیتے تو بہتر ہوتا۔ خیر ــــ جو ہوا اچھا ہوا۔ آپ حضرات کی آمد سے مرزائیوں کے خلاف بغاوت کا کچھ اثر تو ہوگا۔"

انھوں نے ہمیں حیدرآباد تک کا ٹکٹ لے دیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنی گھڑی فروخت کی اور امرتسر پہنچے۔

دیکھنے میں ہمارا یہ سفر بیکار معلوم ہوگا، اور کسی حد تک یہ بھی درست، لیکن نہیں اس سے ایک تو دجالی گروہ کے نئے مرکز کا پتہ چل گیا۔ دوسرا مرزائیوں کے خلاف جو ہلکا سا چھڑکاؤ ہوا ہے۔ آج نہیں تو کل اس کی نمی محسوس ہوگی۔

واپسی پر اپنی کارگزاری کی رپورٹ چودھری صاحب کو دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔

تاج الدین بسمل

دشمن طاقتور ہو تو اُس کے خلاف جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ زور کی بارش بیج سمیت زمین کو بھی نقصان دیتی ہے۔

مرزائیت مذہب کے نام پر پروان چڑھی۔ مگر سندھ میں مذہب سے ناواقفیت اور غربت اس کے لیے کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ قادیان میں احرار کے لیے اگر ایک محاذ تھا تو سندھ میں دو محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ اول اسلامی تعلیم ضروری اور اہم ہے۔ نیز جہالت اور افلاس بھی ایمان کے دشمن ہیں۔ ان کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے۔

قادیان میں مولانا عنایت اللہ کی طرح سندھ میں کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ایمان کی پختگی کے ساتھ کفر کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ کئی مہینوں کی جستجو کے بعد ضلع گجرات موضع کڑیاں والا سے مولانا تاج الدین بسمل مل گئے۔ یہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ گھریلو زندگی میں زمیندارانہ ذہن تھا۔ جب انہیں اس ذمہ داری کے لیے کہا گیا تو بہت خوش ہوئے۔ جماعت نے انہیں ان کی ثواب دید پر چھوڑ دیا کہ وہ سندھ میں مرزائیت کے خلاف جو مقام اور ضلع چاہیں پسند کریں۔ چنانچہ نواب شاہ سے بیس بائیس میل اس طرف "پڈعیدن" کا علاقہ انہیں پسند آیا۔ یہاں زمین خریدی دینی مدرسہ قائم کیا۔ جامعہ مسجد بنائی اور اس کا نام احرار نگر رکھا۔

یہیں دم واپسی تک مولانا تاج الدین بسمل کفر سے جنگ آزما رہے۔ خصوصاً مرزائیت کی تردید کا محاذ اُن کے سپرد تھا۔ یہ ذمہ داری انہوں نے آخر دم تک نبھائی۔ آخر (عیدالفطر کے دن) ۸ مئی ۱۹۸۹ء کو انہیں اسی جگہ شہید کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

بسمل کا قاتل کون ہے؟ اس کا جواب حکومت سندھ کے پاس ہے۔

دوسری طرف ڈگری (تھرپارکر کے قریب) میں حافظ محمد شفیع کا انتخاب ہوا۔ یہ شخص ڈگری میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا مہتمم تھا۔ تاریخ تو ذہن میں نہیں مگر اسی سن کا ذکر ہے۔ راقم کو اُن کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر میں نے مدرسہ کے مہتمم کو اس علاقہ میں مرزائیوں کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔

جیسے کہ اوپر عرض کیا گیا کہ مرزائیوں نے میرپور خاص سے آگے کنری جیمس آباد اور ڈگری کے اضلاع میں اس خاموشی سے اپنی ریاستیں قائم کیں کہ علاقے کا مسلمان اس فتنہ سے قطعاً بے خبر رہا۔ حافظ محمد شفیع کو جب اس سے آگاہ کیا گیا تو خاصے حیران ہوئے۔ حالانکہ وہ کافی برسوں سے یہاں رہ رہے تھے۔ اس پر انہوں نے اپنے مدرسہ کے منشور میں تردید مرزائیت کو شامل کر لیا۔ شعبہ تبلیغ مجلس احرار نے انہیں اپنا لٹریچر بھیجنا شروع کر دیا۔

اس طرح پڈعیدن سے ڈگری تک اس باطل گروہ کا گھیراؤ شروع ہو گیا۔

ریاست چنبہ میں مرزائیت کی ذلت

۱۹۳۹ء کے دم توڑتے دنوں ذکر ہے مولانا مظہر علی اظہر اور راقم ایک جلسہ میں شرکت کے لیے ڈلہوزی گئے وہاں ایک آدمی ملنے آیا اور کہنے لگا:

"میرا نام غلام محمد ہے میں ریاست چنبہ کا رہنے والا ہوں۔ آجکل لاہور میں ملازمت کر رہا ہوں۔ ریاست چنبہ میں ان دنوں مرزائی وہاں کے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب کبھی بشیر الدین محمود یہاں آتا ہے۔ تو چونکہ دریائے جہلم پر رستے کا پل ہے۔ لہٰذا مسلمان اُسے پالکی میں بٹھا کر دریا پار کراتے ہیں۔

آپ کی جماعت اس فرقہ باطلہ کا تعاقب کر رہی ہے لہٰذا آپ اس طرف توجہ دیں پیشتر ازیں میں مولانا محمد بخش مسلم اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی سے مل چکا ہوں۔ مگر ان کے مطالبات کا میں متحمل نہیں۔ میری تنخواہ ایک سو روپے ماہوار ہے۔ یہ ہیں وہاں کے حالات جس سے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب آپ جیسے مناسب سمجھیں۔"

اجنبی کی گفتگو پر ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مولانا مظہر علی نے مجھ سے پوچھا۔

"کیوں بھئی جانباز! کیا رائے ہے؟"

"مولانا! چلو چلیں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

اس وقت صبح کے سات بجے تھے۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر چلنے لگے تو اجنبی نے کہا:

"ٹھہریئے! میں سفر کے لیے گھوڑے کرائے پر لے آؤں۔"

بھائی! سفر کتنا ہے؟ ــــ کوئی پندرہ میل۔

تو بس ٹھیک ہے۔ ہم پیدل چلیں گے۔

غلام محمد نے حیرت سے کہا۔ پیدل؟ ــــ جی ہاں پیدل ــــ ٹھیک آٹھ بجے ہم ڈلہوزی سے چل پڑے۔

پہاڑی راستے کو موسمِ بہار نے اس قدر سجا رکھا تھا کہ ارضِ بہشت کا گمان ہونے لگتا کہیں آبشاریں بہہ رہی تھیں اُن کے شور سے یوں لگتا جیسے یہ ملہار گا رہی ہوں۔ کہیں کہیں پہاڑی دوشیزائیں حسنِ بے حجاب کئے بھیڑ بکریاں چراتی دکھائی دیں۔ بعض موڑ سانپ کی طرح بل کھاتے ہمارا راستہ کاٹ رہے تھے۔ پہاڑوں کی بلندیوں پر خود رو پھول دیکھ کر محسوس ہوتا تھا جیسے یہ ہمارے لیے گلدستے لیے کھڑے ہیں۔ کئی جگہ آئیں جہاں ساون کے برستے بادلوں نے سماں باندھ رکھا تھا۔ اس رنگ و بو سے گذرتے ہوئے ہم مغرب کے قریب دریائے جہلم پر باندھے ہوئے رسّے کے پل سے گزر کر ریاست میں داخل ہوئے۔ شام کے دھندلکے رات کے خوف سے دم توڑ رہے تھے کہ ہم میزبان کی رہائش گاہ پر پہنچے۔

پہاڑی طرزِ تعمیر کے مکان کی آرائش سے صاحبِ مکان کے حالات کا اندازہ ہو رہا تھا۔ تکلف کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ مکان سے باہر کا نظارہ بھی دیدنی تھا۔ پہاڑوں کی نشیب و فراز پر رات کے چراغوں نے دیپ مالا سجا رکھی تھی۔

دن بھر کی تھکان نے اجازت نہ دی کہ ریاست سے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ سادہ مگر بے تکلف کھانا کھا کر ایسے بے خبر سوئے کہ مؤذن پکارتا ہی رہ گیا" اصلوٰۃ خیر من النوم" اس پر غصہ تو آیا کہ کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا۔ مگر اس کی آواز کو خفیفت جان کر چپ ہو گئے۔ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر میزبان سے دریافت کرنا چاہا کہ یہاں پر مرزائیوں کا طریقِ کار کیا ہے۔" پہلے بازار سے ناشتہ لے آئیں پھر عرض کروں گا۔ جانباز صاحب! آپ میرے ساتھ چلیں کچھ باتیں راستے میں ہو جائیں گی" میزبان نے دو چار سیکنڈ میں یہ سارا کچھ کہہ دیا۔ اور مجھے ساتھ لے کر چل پڑا۔ مولانا مظہر علی اظہر نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور سو گئے۔

اب اس تمہید کا اصل سنئے۔

ع کہانی مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

راستے میں میزبان نے ڈلموزی والی گفتگو ذرا تفصیل سے سُنائی کہ یہاں مسلمانوں کی کوئی تنظیم نہیں۔ انجمن اسلامیہ ہے مگر اس کا صدر مرزائی ہے۔ آج تک کوئی عالمِ دین یہاں نہیں آیا جو مرزائی اور مسلمانوں کے درمیان تفریق بتا سکتا۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ آپ لوگ

یہاں آئے ہیں۔ راجہ ہندو ہے اور آبادی بھی زیادہ غیر مسلم ہے۔ وہ یہ بیان کر رہا تھا اور میں حدودِ اربعہ دیکھ رہا تھا۔ ایک گول چوک کے اردگرد دکانیں اور سامنے کی طرف راجہ کا محل تھا۔ اتنے میں میزبان نے کہا "لیجئے ناشتہ کی دکان آگئی" بہت بھیڑ تھی۔ ہم ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ اس بھیڑ میں کھڑے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میزبان نے کہا "یہ ہے مرزائیوں کا لیڈر، اس کا نام غلام نبی ہے"

قریباً ساڑھے چھ فٹ قد، فربہ جسم، امب چوسی مرزائی ٹائپ داڑھی۔ ممکن ہے یہ بھی ناشتہ لینے آیا ہو۔ اُسے دیکھتے ہی میرے تیور چڑھ گئے۔ اور میں اس کے گلے پڑنے کا بہانہ تلاش کرنے لگا۔

جوانی دیوانی ہوتی ہے جبکہ مقصد کی راہ پر گامزن ہو تو یہ شراب دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ اُن دنوں اپنے اندر بھی اسی شراب کی سی مستی تھی کہ جس کے سامنے آدمیت کے تمام راستے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر نبی کے دشمن کے سامنے۔

"ہم بہت دیر سے کھڑے ہیں۔ اگر آپ پہلے ہمیں فارغ کر دیتے" میں نے حلوائی سے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں بابو صاحب! آپ سے پہلے یہ آئے ہیں" (مرزائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) حالانکہ وہ ہمارے بعد آیا تھا۔ مگر مرزائی گروہ کا لیڈر تھا۔ اور لوگ اُسے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لیے دکاندار نے اُسے ہم پر ترجیح دی۔

"نہیں یار! پہلے تو ہم آئے ہیں"

دکاندار: خیر۔۔۔۔ سودا پہلے انہیں ملے گا۔

دکاندار کا یہ کہنا تھا کہ اپنا پارہ انتہائی درجے پر پہنچ گیا۔ میں نے مرزائی لیڈر کو براہِ راست گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اُس کی ذات کو نہیں بلکہ مرزا غلام احمد اور بشیرالدین محمود کو ٹھیٹھ پنجابی زبان میں۔ ماں بہن بیٹی کی ایک ساتھ کوئی ہزار گالی دے ڈالیں۔ اور ساتھ ہی کہا۔

"میں نے تیرے جھوٹے اور کذاب نبی اور تیرے مرزائی خلیفے کو بے نکت

گالیاں دی ہیں۔ تو میرے لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ایک گالی دے کر دیکھ۔ تو تیرا سر نہ پھوڑ دوں۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے حلوائی کی دکان سے کھرپہ اٹھا لیا۔ یہ ہنگامہ سن کر لوگ بھی جمع ہو گئے۔ میں نے مرزا غلام احمد اور بشیر الدین محمود کو پھر گالیاں دینا شروع کر دیں۔ ہجوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ سے تو غازی علم الدین بہتر نکلا جو خاتم الانبیاء کی توہین برداشت نہ کر سکا۔ آپ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو سر پر چڑھائے ہوئے ہیں۔"

ضمیر مجرم اور ایمان پر کفر قابض ہو تو آدمی بزدل ہو جاتا ہے۔ مرزائی لیڈر میرے سے ہزار گنا طاقتور اور ماحول بھی اُس کا ہمنوا تھا۔ میں مسافر ہونے کے علاوہ اکیلا تھا میرا میزبان ایک طرف کھڑا کانپ رہا تھا۔ اتنے میں دکاندار نے کہا۔

"پھڑ اوئے مُنڈیا اپنا ناشتہ۔ تے چل ٹُر دا ہو۔ توں کی یلا ایں۔"

ہجوم میرا منہ تکتا رہا اور میں ناشتے کا سامان لے کر ڈیرے پر آیا تو میزبان نے مولانا مظہر علی کو ساری کہانی سُنا دی۔ مولانا کہہ رہے تھے۔

"بھئی احرار ہے نا۔ اور جانباز بھی۔ خیر کوئی بات نہیں اللہ وارث ہے۔"

رات کے جلسے کی منادی کا پروگرام بنایا۔ حلوائی کی دکان کے برابر بساتی کی دکان تھی۔ منادی کا سامان وہیں تھا۔ مگر دکاندار غیر حاضر تھا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر تلاش کیا۔ اتنے میں ایک راہ گیر نے پوچھا "کیا بات ہے؟" میں نے مدعا کہا، تو وہ بولا "صبح تم نے جس جوش کا مظاہرہ کیا اس سے ڈر کر دکاندار غائب ہو گیا ہے۔" کافی دیر انتظار کے بعد مایوس لوٹنے لگا تو چند قدم پر ایک تنور والے نے ہمیں روک کر پوچھا "کیا بات ہے؟" — راقم "احرار کے دو لیڈر یہاں آئے ہوئے ہیں وہ مرزائیوں کے خلاف یہاں جلسہ کرنا چاہتے ہیں مگر منادی کا سامان نہیں مل رہا۔"

"کون صاحب آئے ہیں؟" میں نے نام بتائے۔ "اچھا، اچھا۔ میں انہیں جانتا ہوں۔ میں سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں۔ یہاں مرزائیوں کی اکثریت ہے۔ جلسہ مشکل سے ہوگا۔

خیر.... منادی ہو جائے گی۔ آپ جائیں۔"

سہ پہر کے بعد دکان سے فارغ ہو کر وہ ایک ایک کے کان میں جلسہ کی اطلاع دیتا گیا۔ تھی تو جامع مسجد، مگر بہت ہی مختصر، تاہم رات مجمع کافی ہو گیا۔ میزبان کے بھتیجے نے قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ میں نے نظم شروع کی۔ ابھی مصرعہ اٹھایا ہی تھا کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور گالیاں دیتے ہوئے کہا، تم کہاں سے آئے ہو، ریاست کا امن خراب کرنے۔ سلامتی چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ ورنہ تمہاری لاشیں دریا میں پھینک دی جائیں گی۔

بڑی کوشش کی کہ کچھ کہہ سکیں۔ مولانا مظہر علی اٹھے۔ انہیں بھی بدتمیزی سے بٹھا دیا گیا۔ بہر حال جلسہ نہ ہو سکا۔

احرار کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ خیر.... اس کا افسوس رہا اور رات بھر رہا۔ دوسری صبح واپسی کے لیے میزبان ہمیں پوچھے بغیر دو گھوڑے کرائے پر لے آیا۔ دریا کے اُس پار پہنچ کر سوار ہونا تھا۔ چند قدم چل کر پہاڑ کی اوٹ سے دیکھا تو لٹھ بند مرزائی کھڑے نظر آئے۔ اس لمحے ابلیس نے دل کو دہشت زدہ کرنا چاہا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ لیکن ایمان اور عزم نے کہا کچھ نہیں ہوگا۔ آیت الکرسی پڑھ کر چلتے جاؤ۔ یہ اللہ کا کلام تھا اس سے دشمن سے دفاع لازمی تھا۔ مگر بظاہر یہ ہوا کہ جیسے میں نے لٹھ بند مرزائی دیکھے اپنے میزبان سے بلند آواز میں کہا۔

غلام محمد! کل میں نے آپ کو اپنا ریوالور درست کرنے کو کہا تھا۔ ٹھیک ہو گیا ہے؟

غلام محمد: (میری بات سمجھ کر) جی ہاں۔ آپ کے بہانے میں نے بھی اپنا پستول مرمت کر لیا ہے۔ اس کی لبلبی ذرا ڈھیلی تھی۔

میں: میرا ریوالور ۳۲ بور کا ہے اور جرمنی کا ہے۔

غلام محمد: میرا درے کا ہے۔ میں نے گزشتہ سال ایک پٹھان سے خریدا تھا۔

غلام محمد: جی دونوں لوڈ ہیں۔
یہ باتیں ہم بلند آواز میں کرتے ہوئے مرزائیوں کے قریب سے اس طرح گذر گئے جیسے انہیں دیکھا ہی نہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس سوئی تک نہ تھی۔ مگر پستول اور ریوالور کا سن کر وہ خوف کھا گئے۔ اگر ان کے دلوں میں کفر نہ ہوتا تو ممکن ہے ہماری زندگی کے یہ آخری لمحات ہوتے مولانا مظہر علی ہماری گفتگو پر مسکراتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔

خالق اور مخلوق کی سوچ کا مقام اپنا اپنا ہے۔ انسان ذرا سی خفت پر بوجھل ہو کر آنسو بہانے لگتا ہے۔ اس کے پس منظر میں اس کی کامیابی کا کتنا راز ہے اسے وہ نہیں دیکھ سکتا۔ یہ صرف خالقِ کائنات ہی جانتا ہے۔

جس عزم سے ہم ریاست چنبہ گئے تھے اور وہاں جو کچھ ہوا۔ اس کا ایک پہلو تو حلوائی کی دکان پر میری بدکلامی ہے۔ کیونکہ خالقِ کائنات کا حکم ہے۔

لا اکراہ فی الدین

بلاشبہ مجھے اپنی بدکلامی پر ندامت ہے۔ لیکن دوسری طرف ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتومؓ نے ایک گستاخ رسول کو قتل کر دیا۔ جب اس کی اطلاع مسجد نبوی میں سرکارِ دو عالم (صلعم) تک پہنچی۔ تو فرمایا عبداللہ بن ام مکتوم نے ٹھیک کیا ہے۔
اسی پر حضرت صدیقِ اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عمل کرتے ہوئے مسیلمہ کذاب کو قتل کرایا۔

ان واقعات سے میری ندامت کے آنسو دھل گئے۔ کیونکہ رواں حالات میں گستاخِ رسول کی یہی سزا ممکن تھی۔ دوسری قابلِ ذکر بات جلسہ کی ناکامی ہے۔ بظاہر یہ رنج دیر تک رہا۔ لیکن جیسے ہی (بلاتشبیہ) صلح حدیبیہ کا واقعہ ذہن میں آیا۔ اس سے سب کچھ بھول گیا اور نتیجہ رضائے الٰہی پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ کارروائی اسی کے محبوبِ حقیقی اور مخبرِ صادق کے دشمن کے خلاف ہی تو تھی۔

اس واقعہ کو ہوئے تقریباً دو ماہ گذرے کہ ایک دن بازار میں سرِ راہ غلام محمد سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ اور وہ بڑے تپاک سے ملے۔ اور مبارکباد دیتے ہوئے کہا:

"جانباز بھئی! آپ کی گالیاں بہت کام آئیں۔ ہُوا یہ کہ میں تو آپ کے ساتھ ڈلہوزی اور پھر لاہور واپس آ گیا تھا۔ ایک ہفتہ بعد میرا بھتیجا حافظ زبیر لاہور آیا تو اس نے سُنایا کہ آپ کی واپسی کے بعد چنبہ کے چند معززین، جن میں کچھ تعلیم یافتہ مرزائی بھی تھے، نے ایک اجلاس بُلایا جس میں مرزائی جماعت کے لیڈر (جسے آپ نے گالیاں دی تھیں) کو خاص طور پر طلب کیا گیا تھا۔

غلام نبی! تمہیں یہاں جماعت احمدیہ کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ گذشتہ دنوں سرِعام حلوائی کی دکان پر جو واقعہ پیش آیا۔ اُس کے متعلق تیرا کیا جواب ہے؟

(مرزائی لیڈر آنسو بہاتے ہوئے) میرے پاس اُس کا کوئی جواب نہیں میں شرمسار ہوں۔

دوسرا سوال:۔ کئی برسوں سے تیرے سمجھانے اور بتانے پر یہاں کے مسلمانوں نے احمدیت کو قبول کیا۔ اُس کے بانی کو پیغمبروں کا درجہ دیا۔ اس کے اصولوں کی پیروی کی۔ اس کے بیٹے کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ مگر پرسوں ایک اجنبی نوجوان نے بانیٔ احمدیت کو نام لے کر جس طرح کی گندی اور فحش گالیاں دیں۔ اور تو خاموشی سے سُنتا رہا۔ نیز اُس نے تمہیں چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ میں نے تیرے جھوٹے اور کذاب نبی کو گندی گالیاں دی ہیں۔ تو میرے لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ایک گالی دے کر دیکھ۔ میں تیرا پیٹ پھاڑ دوں گا۔۔۔ تجھے اس پر کوئی غیرت آئی؟

تیسرا سوال:۔ آئندہ تیرا کیا ارادہ ہے؟

جواب:۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ آپ میری جگہ کوئی دوسرا آدمی مقرر کر لیں۔

عوام:۔ ٹھیک ہے۔ اپنے ساتھ جھوٹی نبوت کو بھی اُٹھا کر لے جا۔ ہم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ تیرے نزدیک اگر غلام احمد سچا نبی ہوتا تو تیری غیرت ضرور جوش میں آتی۔ یہی دلیل غلام احمد کے جھوٹا ہونے کی ہے۔

اس کے بعد سب نے ازسرِ نو کلمہ پڑھا اور اس طرح چنبہ ریاست سے مرزائیت ختم ہو گئی۔"

مرزائی فوجیوں کا قتل دوسری جنگِ عظیم کے موقعہ پر مجلسِ احرار اور آزادی پسند عوام نے انگریزی فوج میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر غدارانِ وطن نے آگے بڑھ کر اپنی وفاؤں کے گیت گائے۔ جیسے کہ خان صاحب حفیظ جالندھری گاؤں گاؤں پھر کر گاتے رہے۔

؎ میں تو چھورے کو بھرتی کرا آئی رے

خاص کر مرزائیوں کی اُچھل کود، اُن دنوں بہت زیادہ رہی۔ ایک طرف تو اُن کے جنم داتا پر جرمن نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ اُس کی مدد کرنا اِن کے مذہب میں داخل تھا۔ ان کا وڈیرہ دجالِ عظیم (مرزا غلام احمد) کہتا ہے۔

"میں ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضٰی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی "تاریخ رئیسِ پنجاب" میں ہے۔ اور انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر انگریز کو مدد دی تھی۔ یعنی پچاس سوار گھوڑے باہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکارِ انگریز کی مدد میں دئیے گئے۔ ان خدمات کی وجہ سے چھٹیاتِ خوشنودی احکام اس کو ملی تھیں"۔

(اشتہار واجب الاظہار ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء)

ایسے میں جب انگریزوں پر آفت آئی تو اُس کی روحانی اولاد کیونکر چین سے رہ سکتی تھی۔ بنابریں مرزائی دھڑا دھڑ فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

دجالی گروہ کا فوج میں جانے کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ فوج میں عام سپاہی سادہ لوح دیہاتی ہوتے ہیں۔ انہیں اسلام کے حقیقی اصولوں سے آشنائی بہت کم ہوتی ہے۔ اس میدان میں انہیں مرزائی بنا لینا آسان ہوتا ہے بلکہ بہت ہی آسان۔

اِن دنوں احرار رہنما ضلع گجرات میں فوجی بھرتی کے خلاف تقریریں کر رہے تھے۔ کیونکہ

انگریز کو یہاں سے بہتر اور ارزاں فوجی کھیپ اور کہیں سے میسر نہ تھی۔

حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری خاندانی طور پر اسی ضلع کے وسنیک تھے۔ اسی بنا پر جماعت نے یہ اضلاع شاہ جی کو سونپ رکھے تھے۔

شاہ جی ڈاکٹر عبدالقادر ڈینٹل سرجن کے ہاں گجرات میں مقیم تھے۔ نمازِ فجر کے بعد حسبِ عادت چائے پر بیٹھے تھے کہ ایک فوجی نے سلام عرض کرتے ہوئے کہا:

"شاہ جی! فوج میں مرزائیوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ روزانہ بیسیوں دیہاتی فوجیوں سے مرزائیت کے فارم پر انگوٹھے یا دستخط کرا کے انہیں مرزائی بنایا جا رہا ہے۔ خدا کے لیے اس طرف توجہ کریں۔"

یہ مولانا گلشیر خان (رحمۃ اللہ علیہ) کے کوئی عزیز تھے جو فوج میں کسی اونچے رینک کے آفیسر تھے۔ بعض محاذوں کی انہوں نے نشاندہی کی۔ جہاں سٹور کمادلنا ڑ رہے تھے۔

یہ سن کر شاہ جی کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جلدی سے مولانا غلام محمد کو بلایا۔ یہ ان دنوں گجرات میں مجلس احرار کے صدر تھے۔ اور فوراً ہی جماعت کے آئینی مشیر خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ کو لائلپور (فیصل آباد) سے بلوانے کے لیے مقامی جماعت کے سالار چودھری محمد سرور کو بھیج دیا۔

شام تک وہ آن پہنچے۔

ڈاکٹر عبدالقادر، خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ اور مولانا غلام محمد کے مشورے پر طے پایا کہ فی الحال .... محاذ پر توجہ دی جائے۔ اگر یہاں قابو پا لیا گیا تو باقی درست ہو جائیں گے۔ مگر یہ کام کس کے سپرد کیا جائے؟ اس کے لیے راز داری ہونے کے ساتھ مرزائیت سے پوری طرح واقف ہونا بھی لازمی ہے۔

چنانچہ مولانا غلام محمد ایک نوجوان مولوی کو شاہ جی کے پاس لائے۔ یہ تھے مولانا محمد شریف (جو آگے چل کر مولانا محمد شریف احرار کے نام سے ملک بھر میں معروف ہوئے) دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ علوم شریعت کے علاوہ مرزائیت پر خاص عبور تھا۔ شاہ جی انہیں ایک طرف تنہائی میں لے گئے اور قرآن کریم کی قسم دلا کر انہیں کہا:

"دیکھو برخوردار! میں تمہارے ذمہ ایک اہم کام لگا رہا ہوں اگر تم اپنے کو اس کام کے اہل سمجھو تو قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھاؤ کہ یہ راز افشاں نہیں ہوگا۔ اور اگر تم اس معاملے میں کامیاب ہو گئے (انشاء اللہ) تو دادِ حشر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود ربِ اکبر سے تمہیں جنت کی ضمانت لے کر دیں گے۔"

مولانا محمد شریف: (آبدیدہ ہو کر) شاہ جی! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ جو کام آپ میرے سپرد کریں گے۔ میں کروں گا۔ اور اس راستے میں کوہِ گراں بھی اگر آجائیں تو عبور کروں گا۔

مولانا محمد شریف طالب علمی کے عہد میں شاہ جی کی تقریروں سے متاثر تھے۔ سبق اور مدرسہ سے غیر حاضر رہ کر شاہ جی کے جلسے سننے جایا کرتے تھے۔ اس طرح کی تربیت میں جوان ہوئے تھے۔ انگریز کے خلاف بغاوت اور مرزائیت سے نفرت اُن کے جسم اور روح کی غذا بن چکی تھی۔

شاہ جی نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے مولانا سے کہا:

"میری اطلاع ہے کہ فوج میں بعض مرزائی آفیسر عام فوجی سپاہیوں کو مرزائی بنا رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ فوج میں بطور خطیب بھرتی ہو کر مسئلہ ختم نبوت واضح کریں۔ تاکہ اُن لوگوں کے ایمان محفوظ رہیں۔"

اِس پر مولانا بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ مولانا گلشیر کے عزیز کی کوشش سے مسلمان فوجی یونٹوں میں نماز پڑھانے کے لیے مولانا محمد شریف کو بھرتی کرا دیا گیا۔

آدمی سمجھدار تھے۔ بات سمجھ گئے۔ ابتداء میں کچھ مشکلات آئیں۔ لیکن بہت جلد پتہ چل گیا کہ کانٹے کہاں کہاں بکھرے ہوئے ہیں۔ نیز اب تک کس قدر پھول اُن کی چبھن سے زخمی ہو چکے ہیں۔ مولانا نے زخم کریدنے کی بجائے کانٹوں کی تلاش شروع کر دی۔

ارادہ نیک ہو تو پہاڑ پانی پانی ہو کر پاؤں دھونے لگتے ہیں۔ مولانا نے اپنے کام کی ابتداء ڈیرہ دون سے کی اور برما کے محاذ تک اندر خانے نہایت خاموشی سے کچھ نوجوان

تیار کئے جنہیں پہلے اسلام پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آخر میں دجال قادیان کے جھوٹے دعووں سے واقفیت کرائی ۔ جب یہ کھیپ تیار ہو چکی۔ پھر انہیں شہادت کے درجات سمجھائے ۔ انگریزی فوج میں فرقہ واری کی گنجائش نہیں ہوتی ۔ وہاں صرف فوجی احکام کی تعمیل ہوتی ہے اور بس ۔۔۔ اس کے باوجود مولانا نے مختلف یونٹوں میں اُن ہاتھوں کی نشاندہی کر لی ۔ جو باغِ نبوت کے پھول توڑ کر کذابِ قادیان کے گریبان میں ٹانک رہے تھے ۔ اس نے پندرہ نوجوان ایسے تیار کئے جنہوں نے گستاخ رسول کے ہاتھ کاٹ ڈالے جو پرچم ختم نبوت کو اکھاڑ رہے تھے ۔

آخر ایک محاذ سے جب مرزائی آفیسروں کی لاشیں کیمپ میں آئیں تو یہ راز کھل گیا ۔ وہ اس طرح کہ مولانا سے انگریز کمانڈر نے مرزائیوں کی نماز جنازہ کے لیے کہا لیکن مولانا کا جواب تھا:

"نماز جنازہ مسلمان کی پڑھائی جاتی ہے ۔ اور یہ مرزائی تھے ۔ اسلام مجھے ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہیں دیتا ۔"

بیشتر مختلف جگہوں سے مرزائی فوجی آفیسروں کے قتل کی اطلاعات آ چکی تھیں ۔ اس سے انگریز آفیسر پریشان تھے کہ یہ کیا ہے ۔ فوج میں کوئی بیماری نہیں اور نہ ہی دشمن سے آمنا سامنا ہے ۔ پھر یہ اموات کیوں اور کیسی ؟

جیسے ہی مولانا نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کیا تو انگریز کو شبہ ہوا کہ ہو نہ ہو یہ تمام شرارت اسی مولوی کی ہے ۔ اس پر مولانا محمد شریف کو گرفتار کر لیا گیا ۔ ابتدائی کارروائی میں دھمکی ، پیار اور عہدے کا لالچ دیا گیا ۔ تاکہ کسی طرح یہ ذمہ داری قبول کریں ۔ کہ مرزائی آفیسروں کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے ۔ لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا ۔ اگر کہا تو صرف یہ کہا کہ :

" مقتول میرے مذہبی عقیدہ اسلام کے خلاف تھے ۔ نیز میں نہ صرف مسلمان ہوں بلکہ مذہبی ذمہ داریوں کا امانت دار بھی ہوں ۔ جو کہ خدا تعالےٰ کے بعد حکومت نے فوج میں رہتے ہوئے مجھے سونپ رکھی ہیں ۔

مقتول چونکہ میرے نزدیک مسلمان نہیں تھے ۔ بنابریں اُن کی نماز جنازہ پڑھانے

سے انکار کی یہی وجہ ہے ۔"

اس پر مولانا کا کورٹ مارشل ہُوا اور فوجی عدالت میں ان پر قتل کا مقدمہ قائم کیا گیا۔

"تمہارے ساتھ اور کون لوگ اس قتل میں شریک ہیں ۔"

اس سوال کے جواب میں مولانا پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ تپتی دھوپ میں پھر کٹوائے گئے بندوق کے کُندے مار مار کر بدن لہولہان کر دیا گیا۔ مگر

جن کا عشق صادق ہو وہ کب فریاد کرتے ہیں
لبوں پر مہر خاموشی ، دلوں میں یاد کرتے ہیں

نہ تو مقتولین کے قتل کی ذمہ داری قبول کی اور نہ ہی اُن جوانوں کے نام اور پتے بتائے۔ جنہوں نے مختلف محاذوں پر مرزائی آفیسروں کو قتل کیا تھا۔ یہ جوان بدستور فوج میں اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر متعین رہے۔ لیکن مولانا کو مارشل لاء کے تحت تین سال قید سخت کی سزا دے کر جبل پور جیل بھیج دیا گیا۔

اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ فوج میں مرزائی آفیسروں کو آئندہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ کسی مسلمان فوجی جوان کو کفر کی تبلیغ کر سکیں ــــ ایک عالم دین کی ایمانی جرأت سے نبوت باطلہ کو اس موڑ پر بہت بڑی شکست ہوئی۔

اس واقعہ پر سہ برس گذر چکے تھے کہ لاہور مرکزی دفتر میں اچانک نہایت بوسیدہ لباس میں ایک شخص آیا۔

"میں شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہُوں ــــ

شاہ جی: کہو بھائی! کیا حکم ہے۔

علیحدگی میں عرض کروں گا۔"

شاہ جی اجنبی کو الگ کمرے میں لے گئے۔

ہاں بھائی! اب کہو۔

اجنبی: شاہ جی! آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میرا نام محمد شریف ہے۔ آج سے تین برس پیشتر آپ نے گجرات میں میرے ذمہ ایک کام لگایا تھا۔ الحمدللہ، میں

اُس میں کامیاب و کامران رہا ہُوں۔ جس کے جرم میں انگریز کی فوجی عدالت نے مجھے تین سال قید سخت کی سزا دی۔۔۔۔۔ مولانا آگے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شاہ جی نے اُنہیں اپنے آنسوؤں کی چادر میں لپیٹ لیا۔ مگر کسی کو خبر تک نہ ہونے دی کہ یہ کون ہے۔ اگر کسی نے اصرار کیا تو کہا، یہ میرا بیٹا ہے۔ اُسی وقت بازار سے کپڑا منگوا کر سلوایا گیا اور گجرات مولانا غلام محمد کو اطلاع کر دی کہ مولانا محمد شریف رہا ہو کر گجرات پہنچ رہے ہیں۔ اسٹیشن پر ان کا استقبال کریں۔

مولانا محمد شریف نے شاہ جی کو مختصر تفصیل میں بتایا کہ:

"بندرہ نوجوان تھے جن میں بریلوی مکتبۂ فکر اور فقہ جعفریہ کے ماننے والے بھی تھے۔ انہوں نے فوجی آئین کے مطابق نشانہ بازی کے میدان میں دشمنانِ رسول کے حواریوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔"

مولانا محمد شریف احرار

چودھری فتح دین کے گھر سہنہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب اُن دنوں پنجاب کے جیل خانوں میں چیف وارڈر تھے۔ مولانا کی عمر چھ ماہ تھی کہ ان کی والدۂ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور اُن کی پرورش کی ذمہ داری اُن کی خالہ نے سنبھال لی۔ ابتدائی تعلیم یہیں مکمل کی۔ پھر انّی شریف ضلع گجرات میں دین کی باقی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ دیوبند چلے گئے۔ جہاں رہ کر آپ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے دین کا باقی کورس مکمل کیا۔ ابھی فارغ ہو کر گجرات پہنچے ہی تھے کہ شاہ جی نے انہیں دبوچ لیا۔ یہ ۱۹۴۱ء کا ذکر ہے۔ اور پھر قدرت نے اُن سے عظیم کام لیا۔

مولانا محمد شریف احرار

دیوانے سے فرزانگی کا کام

امرتسر میں کٹڑہ جیمل سنگھ کا شمار معروف ترین کاروباری بازاروں میں تھا۔ ہال بازار کی طرف سے اگر اس میں داخل ہوں تو شروع میں ٹھٹیاروں کی دکانیں تھیں۔ یہ تانبے کے برتن بناتے ان میں کچھ تو آغا خانی عقیدے سے متعلق تھے اور کچھ دجالی ٹولہ تھا۔ اول الذکر اپنے کام میں مصروف رہتے۔ لیکن دجالی گروہ پنجاب کے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے کاروباری لوگوں میں کذاب قادیان کا کسی نہ کسی طریق پر پروپیگنڈہ کرتے۔ اشتہارات، پمفلٹ اور آس پاس کے دکانداروں میں اپنی گندگی پھیلانا اُن کا روزمرّہ کا کام تھا۔

انتہائی مصروفیت کے باعث اس طرف کچھ توجہ نہ کی گئی۔ ایک روز مجھے اطلاع ملی کہ چراغ تلے اندھیرے کے مصداق، آپ کو پتہ نہیں کہ یہ بازار دجالیت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یعنی مسگر تمام دن دجالِ قادیان کی تبلیغ میں رہتے ہیں۔ اس طرف فوراً توجہ کی جائے۔

آس پاس دکانداروں نے بھی تصدیق کی اور ان میں کچھ تو متاثر بھی پائے گئے۔

ذاتی طور پر انہیں اس حرکت سے منع کرنا غیر مناسب سمجھا۔ دو ایک مرتبہ ایسا کیا تو

جواب ملا۔

"اپنے مذہب کی تبلیغ ہمارا حق ہے"۔

جن پر مرزائیت کا رنگ چڑھ چکا تھا انھوں نے بھی تائید کی کہ تبلیغ کا ہر کسی کو حق ہے۔

؎ چلو اچھا ہُوا کام آگئی دیوانگی اُن کی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

کٹڑہ جہل سنگھ میں سبحان نام کا ایک پاگل اپنے جواں سال بیٹے کو کندھوں پر اٹھائے دن بھر بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر کاٹتا رہتا تھا۔ ساتھ ہی گالیاں بھی بکتا رہتا تھا۔ بازار والوں کے لیے یہ ایک اچھا خاصا مشغلہ تھا۔ اپنے کسی مخالف کو گالی دلوانی ہو تو چپکے سے سبحان کے کان میں کہہ دیا جائے۔

"سبحان تیری ماں نوں فلاں یوں کرے"۔

پھر کیا تھا۔ سبحان شروع ہو جاتا کہ "سبحان خود فلاں دی ماں نوں یوں کرے"۔ اتنے میں کسی اور نے آکر دوسرے کا نام لے دیا۔ سبحان اُسی کو شروع ہو گیا۔

یہ دیکھ کر مجھے بھی سوجھی۔ اور میں نے راہ چلتے سبحان کے کان میں کہا۔

"سبحان تیری ماں نوں مرزا غلام احمد.........."

اس پر سبحان خان کے دماغ کا خراب پُرزہ صحیح راستے پر چلنے لگا۔ یعنی حسبِ عادت سبحان شروع ہو گیا ——

"سبحان آپ مرزا غلام احمد دی ماں نوں ایسا ایسا کرے"۔

"سبحان آپ مرزا غلام احمد دی ماں نوں ایسا ایسا کرے"۔

میں تھوڑے فاصلے پر ساتھ ساتھ چلتا رہتا۔ سبحان اپنے وظیفے میں ذرا نرم ہوئیں برابر پہنچ کر پھر کان میں کہہ دوں۔

"سبحان تیری ماں نوں مرزا غلام احمد ایسا ایسا کرے"۔

سبحان جواب میں پھر تیز ہو جاتا۔

یہ عمل مسلسل ایک ہفتہ جاری رہا۔ اس دوران مرزائیوں کو شبہ ہُوا کہ یہ میری شرارت

ہے۔ ایک دن اس پر آمنے سامنے جھگڑا بھی ہوا۔ مگر پاگل کو کون سمجھائے۔ میرے دیکھا دیکھی راہگیروں نے بھی سبحان کے پاس سے گذرتے ہوئے اُس کے کان میں کہنا شروع کر دیا۔

"سبحان تیری ماں نوں مرزا غلام احمد ......"

اور سبحان شروع ہو جاتا۔

بالآخر مسگر (مرزائی) اس بازار سے دکان چھوڑ کر چلے گئے۔

؎ چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی ان کی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء تک مجلسِ احرار اور مرزائیت

میدانِ کارزار میں حکومتیں جب آمنے سامنے آتی ہیں۔ تو اُن کے دستور میں اپنے وقار کی حفاظت، سلطنت میں توسیع یا کاروباری مارکیٹوں پر قبضہ ہوتا ہے۔

سیاسی جماعتیں جب حکومت سے اُلجھتی ہیں تو اُن کے ہاں بھی اقتدار کا حصول کارفرما ہوتا ہے۔ ایسی لڑائیاں کبھی قلم سے اور گاہ تلوار سے خون کے دریا بہا کر لڑی جاتی ہیں۔ مآل کار دونوں حیثیتوں سے شخصی وقار جنم لیتا ہے۔ پھر اس کے پروان چڑھنے اور اختتام کے درمیان تک کا فاصلہ کس قدر انسانی لاشوں سے گزر کر طے کرنا پڑتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس سے تہی نہیں۔

یہ بات واضح تھی کہ مجلسِ احرار کے مؤقف میں برصغیر سے انگریز کی سیادت اور سیاست کا خاتمہ تھا۔ لیکن جیسے ہی انہیں دجالی تحریک کا پتہ چلا کہ یہ آزادی کے راستے میں رکاوٹ ہے اور اس کے مقاصد میں اسلام اور داعیٔ اسلام کی عبائے حیات سمیٹ کر ایسی محفل آراستہ کرنا مقصود ہے جس میں فسق و فجور کے لوازمات کو اسلام کا نام دے کر اسلام کی مرکزیت ختم کرنا ہے تو جذبۂ آزادی کے ساتھ ایمان نے آگے بڑھ کر احرار کا رُخ موڑ دیا۔ کہ اس دیوار کو گرائے بغیر تم اپنے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کائنات کے آخری نشان تک تاریخ شاہد رہے گی کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھوں نے مسیلمہ کذّاب کو ختم کیا تھا، کے بعد یہ سعادت احرار رہنماؤں کو حاصل ہے کہ دجالِ قادیان مرزا غلام احمد کی تحریک کو محض ایمان کے جذبۂ ایثار سے اس بُری طرح ختم کیا کہ اب یہ تحریک انسانیت کے لیے ایک گالی بن کر رہ گئی ہے۔

آج اس لاش کی سرانڈھ سے زمانہ ناک پر ہاتھ رکھ کر گذرتا ہے۔

ابتداء میں اگرچہ مدعی نبوت (مرزا غلام احمد قادیانی) کا علاج وہی تھا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر حضرت وحشی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسیلمہ کذاب کا کیا۔ مگر غیر ملکی حکومت برصغیر کے مسلمانوں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ آئینِ افرنگ میں ان کے لیے قطعاً گنجائش نہیں تھی کہ وہ ہاتھ اُٹھا سکتے۔ ورنہ علاج وہی درست تھا۔ دوسرے درجے پر اُس دَور کے فقیہہ فقہ اسلامیہ سے واقفیت کے باوجود حدیث نبوی صلعم

" انا خاتم النبیین لا نبی بعدی "

کا مفہوم کیوں نہ سمجھ سکے ہ گے مدعی نبوت سے مناظرے اور بحثیں کرنے جس نے غلام مسلمانوں کو حقیقت سے دُور کر دیا کہ وہ کفر کی زنجیر کو صراطِ مستقیم سمجھ بیٹھا۔

ان ناموافق حالات میں خالقِ کائنات نے رہنمایانِ احرار سے ایسا کام لیا کہ آج دجالِ قادیان اور اُس کی ذریّت گندگی کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں۔

مرزائیت کا نیا رُخ سانپ چاہے مرچکا ہو پھر بھی اس خیال سے کہ اگر کسی کتے نے کھا لیا تو پاگل ہو کر لوگوں کو کاٹتا پھرے گا۔ اس لیے زمین میں گڑھا کھود کر اسے دبا دینا چاہیئے۔

یہ چیتا منافق قسم کا جانور ہے۔ وہ ہمیشہ چھپ کر حملہ کرتا ہے۔ اس کے برعکس شیر اپنے دشمن پر سامنے سے وار کرتا ہے۔

مجلس احرار نے ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء تک دجالی گروہ سے جس انداز میں لڑائی لڑی۔ صاف ستھری اور سامنے آکر لڑی۔ انجام کار مرزائیت ذلت اور رسوائی کے جوہڑ میں جا گری اور جب اس سے باہر نکلی تو لباس سمیت اس کی ظاہری ہیئت بدل چکی تھی۔ ہر مرزائی

اپنے دجال کی پیروی میں سر پر پگڑی باندھتا تھا۔ اب سر پر ٹوپی رکھنے لگا۔ پہلے مرزائی کی پہچان اس کی امب چوسی داڑھی سے ہو جاتی تھی۔ یعنی صرف ٹھوڑی پر چار بال ہوتے تھے۔ مگر احرار نے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ ہر مرزائی کے منہ پر پوری داڑھی نظر آنے لگی۔ یہ نیا منافقانہ فریب تھا۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں پہنچ کر دجالی گروہ کا ڈرامہ جس کا ہدایت کار انگریز تھا، ختم ہو گیا۔

قمار خانہ میں ہارا ہوا جواری ماں بہن اور بیٹی کی آبرو تک داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ابن دجال اپنی بساط پر مات کھا کر اب نئے طور و اطوار سے سامنے آیا۔ یہ ۱۹۴۰ء کا سال تھا۔ اب اس نے اپنے مستقبل کے لیے سیاسی میدان کا انتخاب کیا۔ اس کی بنیاد اگرچہ وہ ۱۹۳۷ء میں رکھ چکا تھا۔ یعنی جیسے ہی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ وائسرائے ہند نے کانگرس کے رہنما مہاتما گاندھی سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے تو مرزائیوں نے بھی اپنے پر پرزے نکالے۔

"۴ر اکتوبر (۱۹۳۷ء) کو آل انڈیا نیشنل لیگ کے نام پر مرزائیوں نے لاہور میں جلوس نکالا۔ مرزائی رضاکاروں نے خاکی وردی پہن رکھی تھی۔ بعض کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں اور بعض کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ یہ جلوس لاہور کے معروف بازاروں سے گذرنے کی بجائے اپنے حلقے تک رہا۔ جلوس کے اختتام پر ابنِ دجال نے آل انڈیا کانگریس کو وزارتیں قبول کرنے پر مبارک باد دی۔"

(کاروانِ احرار جلد ۳)

(روزنامہ انقلاب لاہور ۶ر اکتوبر ۱۹۳۷ء)

اس واقعہ سے یقین ہوتا ہے کہ دجالی ٹولہ سانپ کی طرح کینچلی بدل کر سامنے آ رہا ہے۔ اپنے مشن میں احرار کے ہاتھوں شکست کے بعد بظاہر انگریز اور یونینسٹ حکومت کو فوجی امداد کا یقین دلایا جا رہا تھا مگر اندر خانے فرقان بٹالین کے نام پر فوجی تنظیم قائم کی جا رہی تھی۔ شاید اسی بنا پر بشیر الدین محمود نے ۲۷ر دسمبر (۱۹۳۷ء) کو قادیان کے سالانہ اجلاس میں اعلان کیا تھا کہ:

"ہم نہ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور نہ کانگریس کے ساتھ۔ مسلم لیگ میں احمدی اُس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک انہیں یہ یقین نہ دلایا جائے کہ اُن پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح کانگریس بھی ہم کو یقین دلائے کہ ہماری تبلیغ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔"

(کاروانِ احرار جلد ۳

روزنامہ انقلاب لاہور ۲۹ دسمبر ۱۹۳۷ء)

اس پر بھی نہ تو مسلم لیگ نے انہیں منہ لگایا اور نہ کانگریس نے کوئی پرواہ کی۔ ہیجڑہ اگر مردانہ لباس پہن لے تو وہ مرد نہیں بن جاتا۔ (مصنف)....خیر....

..یہی فرقان بٹالین آگے چل کر سر ظفر اللہ جو ان دنوں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر تھا اور سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب کے ایماء پر دوسری جنگِ عظیم میں انگریز کی فوج میں بھرتی ہو کر جرمن اور جاپان کے خلاف لڑتی رہی۔ اسی فرقان بٹالین کے فوجی اختتامِ جنگ پر بڑے بڑے فوجی عہدوں پر متعین تھے۔[۱]

دجالِ اعظم کا دستورِ اساسی

زندگی میں ہر شے اپنا ایک دستور رکھتی ہے خواہ اُس کا تعلق بُرائی سے ہو یا اچھائی سے۔ اگر خدا کے پیامبر انسانی زندگی کے لیے ضابطۂ حیات اور دستور العمل لے کر آئے تو ابلیس بُرائی کے راستے وا کرنے پر آمادہ چلا آرہا ہے۔

دجالِ اعظم مرزا غلام احمد اسی جنس میں شمار ہوتا ہے جس نے شیطانی قوتوں کے کہے میں آکر ملتِ اسلامیہ میں انتشار و افتراق کا بیج بویا۔ جیسے کہ وہ اپنے دستورِ اساسی میں لکھتا ہے۔

مرزا غلام احمد اپنے کو نبی کہتا ہے اور صرف نبی ہی نہیں بلکہ اس کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ

۱۔ مصنف کی کتاب "جانباز پاکٹ بک" میں ان مرزائی فوجی افسران کے نام درج کئے جاچکے ہیں۔ تاہم زیرِ نظر کتاب کے دوسرے حصے میں ضرورت کے وقت دوبارہ درج کئے جائیں گے۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ اس وحی الٰہی میں خدا تعالیٰ نے میرا نام محمد رکھا ہے اور رسول بھی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ مصنف مرزا غلام احمد)

●

"میں نے اپنے تئیں خدا کے طور پر دیکھا ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں وہی ہوں اور میں نے آسمان کو تخلیق کیا ہے۔"

(آئینہ کمالات صفحہ ۵۶۴، مرزا غلام احمد قادیانی)

●

"مبارک ہے وہ جس نے مجھے پہچانا، میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں، اور میں اُس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بد قسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے۔ کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔"

(کشتیٔ نوح صفحہ ۵۶، طبع اول قادیان ۱۹۰۲ء)

●

"پس مسیح موعود (مرزا غلام احمد) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ہاں! اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔"

(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۵۸ مصنفہ مرزا بشیر احمد ایڈیشن اول)

●

"دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں داؤد ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔"

(تتمہ حقیقت الوحی، مرزا غلام احمد صفحہ ۸۴)

●

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے، حالانکہ مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔"
(مکتوب مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء)

●

"سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"
(دافع البلاء کلاں تختی صا، تختی خورد ص۲۳، انجام آتھم ص۶۲)

●

"خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔"
(ایک غلطی کا ازالہ ص۱)

●

"ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔"
(اخبار۔ بدر ۱۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

●

"جو شخص مجھ پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔"
(حقیقۃ الوحی ص۱۶۳ از مرزا غلام احمد قادیانی)

●

(ابنِ دجال کہتا ہے) "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

●

"حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) نے فرمایا ہے کہ اُن کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور، اُن کا خدا اور ہے اور ہمارا اور،

ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور اسی طرح اُن سے ہر بات میں اختلاف ہے۔"
(اخبار الفضل ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء تقریر بنام طلباء (طلباء کو نصائح)

●

مکّہ اور مدینہ کی توہین

"حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بڑا زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو بار بار یہاں نہ آئے مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے۔ پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا آخر ماؤں کا دُودھ بھی سُوکھ جایا کرتا ہے کیا مکّہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دُودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔"
(مرزا بشیر الدین محمود احمد مندرجہ حقیقت الرؤیا ص۴۶)

●

"قرآن شریف میں تین شہروں کا ذکر ہے یعنی مکہ اور مدینہ اور قادیان کا۔"
(خطبہ الہامیہ ص۲۰ حاشیہ)

●

حضرت امام حسینؓ کی توہین

دافع البلاء میں ص۱۳ پر مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:

"میں امام حسینؓ سے برتر ہوں۔"

"مجھ میں اور تمہارے حسین میں بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔" (اعجاز احمدی ص۶۹)

" اور میں خدا کا کشتہ ہوں اور تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے۔ (اعجاز احمدی ص۸۱)

●

کربلائیست سیر ہر آنم ؛ صد حسین است در گریبانم

"میری سیر ہر وقت کربلا میں ہے، میرے گریبان میں سو احسین پڑے ہیں۔"
(نزول المسیح ص۹۹ مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

مُسلمانوں سے شادی بیاہ کی ممانعت

"حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی، غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے اس کی تعمیل کرنا بھی ہر احمدی کا فرض ہے۔"
(برکاتِ خلافت، مجموعہ تقاریر محمود ص۲۵)

●

مُسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے کی ممانعت

فتاویٰ احمدیہ جلد اول ص۱۸ پر مرزا غلام احمد کہتا ہے:
"اُن لوگوں کے پیچھے نماز مت پڑھو جو مجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔"

●

مُسلمانوں کی توہین

"کل مسلمانوں نے مجھے قبول کر لیا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کر لی ہے مگر کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔"
(آئینہ کمالات ص۵۴۷)

●

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی توہین

"حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔"
(ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ ص۹ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

●

"غیر احمدی مسلمانوں کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں حتیٰ کہ غیر احمدی کے معصوم بچے

کا بھی نہیں۔"

(انوارِ خلافت ص۹۳ مصنفہ مرزا محمود نیز "الفضل" مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء)

●

"ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالےٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔"

(انوارِ خلافت ص۹۰ مصنفہ مرزا محمود ابن مرزا قادیان)

●

قرآن مجید کی توہین "قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے۔"

(ازالۂ اوہام ص۲۸، ۲۹)

●

یہ تو تھا دجالِ اعظم۔ اب سُنئے ابنِ دجال کی:

"یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے۔ اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔"

(اخبار "الفضل" قادیان ۱۷ جولائی ۱۹۲۴ء)

●

ابنِ دجال نے دجالِ اعظم (مرزا غلام احمد) کے مذکورہ بالا بنیادی اصول جن کا تعلق اُس کے مذہب باطلہ سے تھا مسلمانوں سے چھپائے رکھے۔ اس طرح اپنی دجالی تحریک کو اسلام قرار دے کر اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن احرار رہنما جیسے ہی بُرے کے گھر تک پہنچے اور اندر جھانک کر دیکھا تو تعفن اور سڑاندھ سے دماغ پھٹنے لگا۔ اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے۔

یہ دجالوں کا ٹولہ ہے۔ یہ ہیں ابلیس کے ساتھی۔ غرض چندے سے ہے
ان کو، حرام آئے حلال آئے۔

جب گھر کے اندر سے ہمنوائی اُٹھ جائے تو برادری سے پہلے اہلِ محلہ اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔

قادیان کے اندر کی بغاوت نے جعلی تقدس کو بڑی بُری طرح پامال کیا کہ فریب ننگا ہو کر دجالی قصرِ خلافت کے سامنے ناچنے لگا۔ اب کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہا تھا۔ ہر چیز آئینے کی طرح نظر آچکی تھی۔ حق اور باطل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ابن دجال کے اندر کا کُفر جاگ اٹھا تھا۔ مذہب کی گاڑی جن لائنوں پر رواں تھی وہ ٹوٹ چکی تھیں۔ چنانچہ اب کُھلم کُھلا سامنے آکر اس نے مرزائیت اور مسلمانوں کے درمیان کی لکیر کو واضح کر دیا۔ اس کی ابتداء ابن دجال نے اپنے ضلع گورداسپور کے گرد و نواح کے گاؤں اور دیہات سے کی۔ اس لیے ایک نقشہ جو نہایت خفیہ طور پر مرتب کر کے قادیانیوں کے اپنے حلقہ میں تقسیم کیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نقشہ

مندرجہ بالا نقشہ کی ایک ایک لکیر غور سے دیکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ مرزائی تحریک کے محرکین نے ۱۹۴۰ء میں خود بھی غیر مسلم ہونے کا اعتراف کر لیا تھا۔ گو اس سے پیشتر ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے کاغذات میں (دجال اعظم) مرزا غلام احمد قادیانی نے خود لکھوایا کہ:

"میری جماعت مسلمانوں سے الگ فرقہ ہے۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء ص ۹)

اسلام کی صدیاں پیشتر یہ فیصلہ دے چکا تھا۔ مگر کفر بزعم خویش اپنے کو پانچوں سواروں میں شمار کرتا رہا۔ لیکن گھوڑے سے گدھے کا کیا رشتہ۔

۱۹۳۴ء میں احرار کانفرنس قادیان میں حکومت سے جو مطالبات کیئے۔ چھ سالہ جدوجہد کے بعد اُن میں ایک مطالبہ تھا کہ:

"مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ جبکہ

مرزائیوں نے اپنے خفیہ نقشے کے ذریعے اسے خود تسلیم کر لیا۔ اور کیوں نہ کرتے
.......لگی چھٹنے تو نیا زلگی بٹنے۔"

مرزائیت عدالت کے کٹھرے میں

مقررہ موسم میں خواہ بارش نہ بھی ہو کسان ہمت نہیں ہارتا۔ خشک زمین پر ہل چلاتا ہے، بیج بکھیرتا ہے۔ تب بارش کی آس لگائے آسمان کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔

ع رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد

اس پر بھی ہنوز کچھ لوگ تھے جو ایمان اور کفر کی لڑائی کو محض مذاق یا سیاسی سٹنٹ سمجھ رہے تھے۔ فطرتِ خداوندی کبھی کبھار آگ کے آلاؤ سے پانی کا چشمہ جاری کر کے طوفان نوح کا تماشہ کرتی ہے۔

مرزائیت کے سپر انداز ہوتے کی خبر جب اہلِ ایمان تک پہنچی تو اُن کے دلوں میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ معالج کو خوشی ہوتی ہے جب مریض کے جسم کے پھوڑے کا گندہ مواد خارج ہو اور وہ صحت یاب ہو جائے۔ مرزائیت اسلام کے پاک جسم پر ناسُور کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ الحمدللہ کہ ہلکے سے آپریشن سے یہ بدبودار مواد اسلام کے جسم سے خارج ہو گیا۔

۱۹۴۰ء کا سال دوسری جنگِ عظیم کا شروع سال تھا۔ احرار رہنما اس جنگ کو اقوام یورپ کی جنگ سمجھتے ہوئے اس سے لاتعلقی کا اعلان کر چکے تھے۔ اس جُرم میں حکومت نے انہیں ان کے کارکنوں سمیت گرفتار کر کے جیل خانوں میں ڈال دیا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر رجعت پسند قوتوں کے ساتھ مرزائیوں کی رسّیاں بھی کھُل گئیں۔ اس طرح چھ سال تک دجالی ٹولہ اپنی ناپاک حرکات میں آزاد رہا۔

۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے سال بھی سیاسی اعتبار سے برصغیر کے لیے سکون اور امن کے سال نہیں کہے جا سکتے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش کے باعث مذہبی جماعتوں کو محض جذباتی نعروں سے مجرم قرار دے کر عوام کا رُخ اُن سے پھیر دیا گیا۔ یہی سال ہیں جن میں اسلام دشمن طاقتوں کو از سرِ نو سر اٹھانے کے مواقع فراہم کیے گئے۔

اور یہ یونینسٹ پارٹی کی معیت میں انگریز آقاؤں کا حق نمک ادا کرتا رہا تھا۔
شیر جنگل چھوڑ جائے تو لومڑی کو آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جس طرح چاہے جنگل میں اودھم مچائے ۱۹۴۶ء میں جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ کے ایٹم بموں نے جنگِ عظیم کا خاتمہ کر دیا۔

مرزائی ہندو گٹھ جوڑ

زمانہ اپنی سیاسی اور معاشی ضرورت کو ساتھ لے کر آتا ہے۔ انسانی خواہشات کے ساتھ موسموں کے طور و اطوار بدلتے رہتے ہیں۔ ایسے میں اقتدار کی طنابیں جن ہاتھوں میں ہوں وہ اپنے گرد و پیش کے سانچے اپنے ہاتھوں سے ڈھال لیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں باشعور قومیں اپنے مستقبل کے چراغ روشن کرتی ہیں۔ یہی موڑ ہے جہاں سے ہندو نے مسلمان اور مرزائی کشمکش کو اپنے سیاسی مستقبل کے لیے مفید جان کر اپنا ہاتھ مرزائی کی طرف بڑھایا۔
سیاست کی بساط پر انگریز کے بعد ہندو دوسرا کھلاڑی ہے۔ جو چال چلنے سے پہلے دیر تک سوچتا ہے۔
۱۹۳۴ء میں مجلسِ احرار نے حکومت سے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ یہیں سے ہندو سیاستدان میں مرزائی کو اپنے ترازو میں وزن کرنے کی سوچ پیدا ہوئی۔ جس پر ۲۲ اپریل ۱۹۳۵ء کو لاہور کے اخبار "بندے ماترم" میں ڈاکٹر شنکر داس مہرہ کا ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں وہ کہتا ہے:

"سب سے اہم سوال جو اس وقت ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ کبھی ان کے ساتھ سودے معاہدے پیکیٹ کئے جاتے ہیں کبھی لالچ دے کر ساتھ ملانے کی کوشش کی جاتی ہے کبھی ان کے مذہبی معاملات کو سیاسیات کا جزو بنا کر پولیٹیکل اتحاد کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کئے بیٹھے ہیں اور وہ دن رات عرب ہی کے گن گاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو عرب کا

نام دے دیں۔

اس تاریکی اور مایوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں اور محبان وطن کو ایک ہی امید کی شعاع دکھائی دیتی ہے اور وہ آشنائی جھلک احمدیوں کی تحریک ہے۔ جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کرنے لگیں گے اور آخر میں محب ہند اور قوم پرست بن جائیں گے مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلام ازم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ آؤ ہم احمدیہ تحریک کا قومی نگاہ سے مطالعہ کریں۔

پنجاب کی سرزمین میں ایک شخص مرزا غلام احمد اٹھتا ہے اور مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اے مسلمانو! خدا نے قرآن میں جس نبی کے آنے کا ذکر کیا ہے وہ میں ہوں اور مجھ پر ایمان لاؤ میرے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ اگر نہیں آؤ گے تو خدا تمہیں قیامت کے روز نہیں بخشے گا اور تم دوزخی ہو جاؤ گے۔ میں مرزا صاحب کے اس اعلان کی صداقت یا بطاعت پر بحث نہ کرتے ہوئے صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ مرزائی کے مسلمان بننے سے مسلمان میں کیا تبدیلی ہوتی ہے۔ ایک مرزائی کا عقیدہ ہے کہ:

۱۔ خدا سمے سمے پر لوگوں کی رہنمائی کے لیے ایک انسان پیدا کرتا ہے جو اس وقت کا نبی ہوتا ہے۔

۲۔ خدا نے عرب کے لوگوں میں ان کی اخلاقی گراوٹ کے زمانہ میں حضرت محمد (صلعم) کو نبی بنا کر بھیجا۔

۳۔ حضرت محمد (صلعم) کے بعد خدا کو ایک نبی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اس نے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔

میرے قوم پرست بھائی سوال کریں گے کہ ان عقیدوں سے ہندوستانی قوم پرستی کا کیا تعلق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہونے پر اس کی شردھا اور عقیدت رام، کرشن، وید، گیتا اور رامائن سے اُٹھ کر قرآن اور عرب کی بھومی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اس کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں جہاں اُس کی خلافت پہلے عرب اور ترکستان میں تھی اب وہ خلافت قادیان میں آجاتی ہے اور مکہ مدینہ اس کے لیے روائتی مقامات مقدسہ رہ جاتے ہیں۔

ایک احمدی چاہے عرب، ترکستان، ایران یا دنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھا ہو وہ روحانی تسکین کے لیے قادیان کی طرف منہ کرتا ہے۔ قادیان کی سرزمین اس کے لیے سرزمین نجات ہے۔ اور اس میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے۔ ہر احمدی کے دل میں ہندوستان کے لیے پریم ہوگا کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہے۔ مرزا صاحب بھی ہندوستانی تھے۔ اور اب جتنے خلیفے اس فرقہ کی رہبری کر رہے ہیں۔ وہ سب ہندوستانی ہیں۔

اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب مرزائی قرآن کو الہامی کتاب مانتے ہیں تو وہ اسلام سے الگ کیسے ہوئے؟

اس کا جواب سکھوں کی موجودہ ہندوؤں سے علیحدگی گرو گرنتھ صاحب میں رام کشن، اندر وشنو سب ہندو دیوی دیوتاؤں کا ذکر آتا ہے مگر کیا سکھوں نے رام، کرشن کی مورتیوں کا کھنڈن نہیں کیا؟ گوردواروں سے رامائن اور گیتا کا پاٹھ نہیں اُٹھایا۔ کیا سکھ اب ہندو کہلانے سے انکار نہیں کرتے؟

اسی طرح وہ زمانہ دُور نہیں جب کہ احمدی برملا یہ کہیں گے کہ صاحب ہم محمدی مسلمان نہیں ہم تو احمدی مسلمان ہیں۔ کوئی ان سے سوال کرے گا کہ کیا تم حضرت محمد (صلعم) کی نبوت کو مانتے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم حضرت محمدؐ، عیسیٰؑ، رام، کرشن سب کو اپنے اپنے وقت کا نبی تصور کرتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ

ہم ہندو، عیسائی یا محمدی ہو گئے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ مسلمان احمدی تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ہی عربی تہذیب اور اسلام کی دشمن ہے۔ خلافت تحریک میں بھی احمدیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ خلافت کو بجائے ترکی یا عرب میں قائم کرنے کے قادیان میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات عام مسلمانوں کے لیے جو ہر وقت پان اسلام ازم و پان عربی سنگھٹن کے خواب دیکھتے ہیں۔ کتنی ہی مایوس کُن ہو مگر ایک قوم پرست (ہندو) کے لیے باعث مسرت ہے۔"

(اخبار بندے ماترم ۲۲ر اپریل ۱۹۳۵ء)

مذکورہ بالا مضمون ایک تحریک تھی جس نے آگے چل کر مرزائیت کو ہندو سے ہم آہنگ کیا۔ اس مضمون کا شائع ہونا تھا کہ ہندو مہاسبھا نے اس کی تائید میں مرزائیت کے حق میں بولنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ایک بنگالی ہندو نے اس طرف توجہ کی۔ یہ بنگال کی مسلم اکثریت سے الرجک تھا۔

۶ر مارچ ۱۹۳۸ء کو مرزائیوں کا ایک اجتماع کلکتہ البرٹ ہال میں سنت کمار رائے میئر کلکتہ کارپوریشن کی صدارت میں ہوا۔ جس میں تقریر کرتے ہوئے سر چندر بوس نے کہا:

"فی الحقیقت جماعت احمدیہ کی تعلیم اپنی نوعیت میں دورِ حاضرہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جماعت احمدیہ کے لوگ اس کے بانی کو دل سے ایک سچا شرعی نبی مانتے ہیں۔"

(اخبار الفضل ۲۳ر مارچ ۱۹۳۸ء)

انہیں دنوں پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک بیان شائع ہوا۔ بظاہر اس کا رُخ علامہ اقبال کے بیان کی طرف تھا۔ جو انہوں نے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ قرار دینے میں دیا تھا۔ مگر حقیقت میں یہ ڈاکٹر شنکر داس کی تائید میں تھا۔ اس سے پیشتر ڈاکٹر اقبال نے قادیانیت کے متعلق اپنے بیان کی وضاحت میں کہا تھا:

"میں خیال کرتا ہوں کہ قادیانیت کے متعلق میں نے جو بیان دیا جدید اصول

کے مطابق صرف ایک مذہبی عقیدے کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس سے پنڈت جواہر لعل اور قادیانی دونوں پریشان ہیں۔ غالباً اُس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف وجوہ کی بنا پر اپنے دل میں مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی وحدت کے امکانات کو بالخصوص ہندوستان میں پسند نہیں کرتے۔

قادیانی بھی مسلمانانِ ہند کی سیاسی بیداری سے گھبرائے ہوئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند کا سیاسی وقار بڑھ جانے سے اُن کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ کہ رسولِ عربی (صلعم) کی دسترس سے قطع برید کر کے ہندوستانی نبی کے لیے ایک جدید اُمت تیار کریں۔ حیرت کی بات ہے کہ میری اِس کوشش سے کہ مسلمانانِ ہند کو یہ بتاؤں کہ ہندوستان کی تاریخ میں وہ اس وقت جس دور سے گذر رہے ہیں۔ اس میں ان کی اندرونی یک جہتی کس قدر ضروری ہے۔ ان کے افتراق پر انتشار انگیز فوائد سے محترز رہنا لازمی ہے۔ جو اسلامی تحریکوں کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں پنڈت جواہر لعل نہرو کو موقع ملا کہ وہ اس قسم کی تحریکوں سے ہمدردی فرمائیں۔"

("اسلام اور احمدیت" رسالہ "اسلام" لاہور ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء)

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابنِ دجال (بشیر الدین) اس سے پیشتر ۱۲ جولائی ۱۹۲۲ء کو اپنی ڈائری میں تسلیم کر چکا ہے کہ:

"ہندو اہلِ کتاب ہیں اور سکھ بھی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کا ہی بگڑا ہوا فرقہ ہیں۔"

ہندو اِس قسم کی حرکات سے مرزائیوں کو سیاست کے بازار میں لا کر سستے بھاؤ خریدنا چاہتا تھا۔ یہ دن تھے جب اقوامِ ہند کے عروج و زوال کا انحصار ووٹوں کی تعداد پر آن ٹھہرا تھا۔

؎ جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

دوسری طرف برطانوی حکومت کے وقار کا سورج ڈوب رہا تھا۔ یہ دوسری بڑی

لڑائی میں فاتح ہونے پر بھی اپنا نصیبہ ہار چکی تھی۔ اقتصادی اور معاشی حالات میں اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ امریکہ تک نے منہ موڑ لیا تھا۔ ان حالات میں مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق برطانیہ نے برصغیر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

یونینسٹ پارٹی سے وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل تک سر ظفر اللہ کی وساطت سے دجالی ٹولہ اندرونی واقعات سے پوری طرح واقف تھا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ انگریز اپنی صف لپیٹ رہا ہے۔ اور جانے سے پیشتر کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش سے فائدہ اُٹھا کر برصغیر کو تقسیم کرنے کا تانا بانا بُن رہا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر دجال ابنِ دجال بشیر الدین محمود نے ایک نجی محفل میں اپنا الہام بیان کیا جسے مرزائیوں کے اخبار الفضل نے ۵ راپریل ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں اس طرح درج کیا ہے:

"ابتداء میں حضور نے اپنا ایک رویا بیان فرمایا جس میں ذکر تھا کہ گاندھی جی آئے ہیں اور حضور کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں۔ اور ذرا سی دیر لیٹ کر اُٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کر دی۔ دوران گفتگو حضور نے گاندھی جی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے اچھی زبان اردو ہے گاندھی جی نے بھی اس کی تصدیق کی۔ پھر حضور نے فرمایا دوسرے نمبر پر پنجابی ہے تارا سنگھ کی زبان۔ گاندھی جی نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور ہاں کہا۔ اس کے بعد رویا میں نظارا بدل گیا۔ اور حضور گاندھی جی کے کہنے پر عورتوں میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ مگر وہ بہت تھوڑی آئی ہوئی تھیں اس لیے حضور نے تقریر نہیں فرمائی۔

اس رویا کی تعبیر میں حضور نے فرمایا کہ موجودہ فسادات کے متعلق ہے۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو مسلم تعلقات اس حد تک نہیں پہنچے کہ صلح نہ ہو سکتی ہو۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ جلد کوئی صورت نکل آئے۔

آگے چل کر آپ نے اپنا ایک اور الہام ظاہر کیا۔ ہندوستان جیسی مضبوط بیس جس قوم کو مل جائے اس کی کامیابی میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اللہ تعالےٰ کی مشیت ہے کہ اُس نے احمدیت کے لیے اتنی وسیع بیس مہیا کی ہے۔

پتہ لگتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو ایک سٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت کا جُوا ڈالنا چاہتا ہے۔ اس کی ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہندو مسلم سوال اُٹھ جائے۔ اور ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں تا کہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں۔ بے شک یہ کام بہت مشکل ہے۔ مگر اس کے نتائج بہت شاندار ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں تا کہ احمدیت اس وسیع بیس پر ترقی کرے اس رویا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ لیکن عارضی طور پر افتراق ہو۔ مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ جلد متحد ہو جائیں۔ بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان رہے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔

(الفضل ۵ر اپریل ۱۹۴۷ء)

اسی سلسلہ کی ایک اور الہامی کڑی۔

"میں نے دیکھا کہ ایک جگہ میرا بستر اچھایا جانے والا ہے اور کسی شخص نے آکے کہا کہ گاندھی جی آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی شرط یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر سوئیں گے پہلے تو مجھے یہ سن کر کچھ نفرت سی ہوئی۔ پھر میں نے سوچا اگر اس طرح صلح ہوتی ہو تو کیا حرج ہے۔ میں نے کہا اچھا منظور ہے۔ چنانچہ وہ آگئے وہ بھی ایک بستر پر لیٹ گئے اور میں بھی لیٹ گیا۔ گاندھی جی کا جسم کچھ موٹا سا معلوم ہوتا ہے۔ اُن کے جسم پر بھی کپڑا ہے۔ اُن کی عادت کے خلاف ایک منٹ یا ڈیڑھ منٹ ہی گذرا ہو گا کہ وہ اُٹھ بیٹھے۔ اس رویا کی تعبیر یہ ہے کہ دونوں ملکوں کی عارضی جدائی جلد ختم ہو جائے گی۔"

(الفضل ۱۲ر اپریل ۱۹۴۷ء)

علم و عرفان کی ایک نجی مجلس میں مرزا بشیر الدین محمود کہتا ہے۔

"میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا دیکھنا چاہتی ہے لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے

یہ اور بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر اگر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں۔"

(اخبار الفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)

۱۹۴۷ء کا سال اور مرزائیوں کی پاکستان میں آمد

اقوام ہند کی تاریخ میں باعتبارِ انسانیت یہ سال بدترین شمار ہوتا ہے۔ انگریز اپنے اندرونی حالات و معاملات کے تحت برصغیر کو قریباً پونے تین سو سال کے بعد بادلِ نخواستہ چھوڑ کر جا رہا تھا۔ جانے سے پیشتر ایسے حالات پیدا کر دئے کہ صدیوں کی قرابتداری اور ہمسائیگی خون کے دریاؤں میں تیرتی نظر آئی انسان انسانیت کے لباس سے مادرئی ابلیس کے ساتھ رقص کرنے لگا تھا۔ انگریز کی سیاسی حکمتِ عملی نے امن وسکون کی راہوں میں وہ کانٹے بکھیرے کہ بادِ صبا بھی لہو لہان ہو کر رہ گئی۔

اس منحوس سال کے وسط میں قادیان کی سیاہ مٹی دریائے بیاس سے اڑ کر چناب کے کنارے آن لگی۔

ربوہ کا قیام

دجالِ اعظم غلام احمد کی انگریز وفاداری کا تقاضہ تھا کہ وہ اس غدار ٹولے کو ہمراہ لے جاتا لیکن پاکستان میں بطور مخبر ابھی اس گروہ کی انگریز کو ضرورت تھی۔

پاکستان کی بنیاد کے وقت بانیانِ پاکستان کی طرف سے جو سیاسی کوتاہیاں ہوئیں کہ انہوں نے پاکستان کی ہر کلیدی آسامی پر انگریز آفیسروں پر اعتبار کر لیا۔

سر فرانسس موڈی کا بطور گورنر پنجاب تقرر بھی اسی کوتاہی کی کڑی ہے۔ یہی وہ انگریز گورنر ہے جس نے اپنی روحانی اولاد کو پاکستان میں قیام کے لیے چنیوٹ سے قریباً تین میل پرے دریائے چناب کے کنارے پاکستان کی قیمتی زمین کوڑیوں کے بھاؤ دے کر برطانوی جاسوسوں کا اڈا ربوہ کے نام سے قائم کر دیا۔

دریا اور پہاڑوں کے درمیان ربوہ کا قیام فوجی اعتبار سے پاکستان کے لیے کس قدر

خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔غیر فوجی ممکن ہے اس کا اندازہ نہ کرسکتا ہو لیکن فوجی نکتہ نظر سے اس کا محل وقوع بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں ابنِ دجال نے اس کا نام ربوہ رکھ کر قرآن حکیم کا تمسخر اڑایا۔ رب اکبر قرآن حکیم کی سورۃ المومنون میں فرماتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ٥

ترجمہ: اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا اور اس کی ماں ایک نشانی اور ان کو ٹھکانہ دیا ایک ٹیلے پر جہاں ٹھہراؤ تھا اور پانی نتھرا۔

ابن دجال نے دجال اعظم کے اس استدلال سے کہ:

"دو برس تک صفتِ مریم میں میں نے پرورش پائی۔ پھر مریم کی طرح مسیح کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ آخر کئی مہینوں کے بعد جو دس مہینوں سے زائد نہیں، بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طرح میں ابنِ مریم بن گیا۔ یعنی مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے وہ دردِ زہ مجھے تنا کھجور کی طرف لے آئی۔"

(کشتی نوح صفحہ ۴۷ مصنف مرزا غلام احمد دجال اعظم)

دجال اعظم کے بعد ابن دجال نے مذکورہ واقعہ سے مذہب کو دوسرا بڑا فریب دیا۔

قادیان کیوں چھوڑا؟

جب ڈاکٹر شنکر داس یہ کہتا ہے کہ:

"جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے۔ وہ قادیان کو مکہ سمجھنے لگیں گے۔"

دوسری طرف ابنِ دجال کہتا ہے:

"ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان ہو۔ اللہ تعالٰے سارے ہندوستان کو ایک اسٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالٰے کی ہی مشیت ہے تو اس نے احمدیت کے لیے اتنی وسیع بیس مہیا کی۔"

اب دجال اعظم کے پوتے مرزا طاہر کی سُنئے۔ اُس نے بیالیس برس کے بعد گذشتہ

دنوں روزنامہ جنگ لندن کے نامہ نگار کو جو بیان دیا اُس میں کہتا ہے:

"جماعتیں وہی زندہ ہوا کرتی ہیں جو قربانیاں دے کر آگے آتی ہیں۔
ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں جو فرق پڑا ہے وہ یہی ہے کہ کانگریس
نے لمبا عرصہ قربانیاں دی تھیں اور مسلمانوں نے ایک جذباتی جوش میں آکر
ایک دم ایسا اظہار کیا کہ پاکستان وجود میں آگیا۔ اس کے پیچھے تاریخ
نہیں، کوئی قربانی نہیں، تو اس طرح وہ نظریہ بلبلے کی طرح پھٹ بھی گیا۔"

ڈاکٹر شنکرداس کا بیان ابنِ دجال کے نام نہاد الہام اور دجالِ اعظم کے پونے کا بیالیس[۴۲] برس بعد بیان۔ یہ سب درست ہے تو پھر قادیان کیوں چھوڑا؟ یہ سوال اپنی جگہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہندو سے زیادہ مرزائیوں کو انگریز کی وفاداری زیادہ عزیز ہے۔ اس لیے انگریز کو اس غدار ٹولے کی زیادہ ضرورت تھی۔

محاذِ کشمیر اور مرزائی

دجال ہر جگہ دجل کرتا ہے خواہ دنیاوی مسئلہ ہو یا دینی۔ دجالِ اعظم غلام احمد نے اپنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا لیبل بھی لگا رکھا تھا۔ اس کے لیے وہ دلیل دیتا ہے کہ:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور اُن کی قبر سرینگر (کشمیر کے)
محلہ بانیاں میں ہے۔"

اس بنیاد پر مرزائیوں کے لیے کشمیر حاصل کرنا نہایت اہم اور ضروری تھا۔ جیسے کہ اوپر کہا گیا کہ پاکستان کی بنیاد کے ساتھ ہی اس نوزائیدہ مملکت کے اہم فوجی عہدے انگریز آفیسروں کے حوالے کرنا بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ ماضی قریب کی تاریخ کئی جگہ اس کی نشاندہی کر چکی ہے۔

نوٹ: ۱۹۳۱ء میں بھی مرزائیوں نے انگریز کی سیاسی اغراض کے بہانے کشمیر پر قابض ہونے کی کوشش کی تھی۔ اُس وقت اگر احرار اس کے ارادے میں حائل نہ ہو جاتے تو کشمیر کا مسلمان اپنا ایمان ضائع کر چکا تھا۔ قارئین کاروانِ احرار کی پہلی جلد میں اس کی تفصیل ملاحظہ کر چکے ہیں۔

افواجِ پاکستان کے انگریز کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے بانیٔ پاکستان کے حکم پر کشمیر کے محاذ پر نہ صرف فوج بھیجنے سے انکار کر دیا بلکہ اِس کی اطلاع بھارت میں لارڈ مونٹ بیٹن کو کر دی کہ پاکستان کشمیر پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اِس اطلاع کے فوراً بعد بھارت نے کشمیر میں اپنی فوج اتار دی۔ دوسری طرف شمال مغربی سرحد کے قبائل کشمیر پر چڑھ دوڑے (انھوں نے وہاں پہنچ کر جو کچھ کیا تاریخ کا یہ باب بھی بڑا گھناؤنا ہے) انہیں دنوں مرزائیوں کو موقع ملا انہوں نے اپنی فرقان بٹالین کشمیر کے محاذ پر بھیج دی۔ بظاہر یہ پاکستان کی امداد کے لیے گئی تھی۔ مگر اس کے پس منظر میں دجالی گروہ کے دو مقاصد پوشیدہ تھے۔

اوّل جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں آچکا ہے۔ دوسرا مقصد اِس محاذ پر بھارت کی فوجی امداد تھی۔ اِس دوران افواجِ پاکستان میجر جنرل اکبر کی کمان میں کشمیر کے محاذ پر پہنچ چکی تھی۔ یہ دیکھ کر دجالی گروہ نے فرقان بٹالین کا پاکستانی فوج میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ بیشتر اس محاذ پر فرقان بٹالین کا انچارج سرینگر کا معروف مرزائی غلام نبی گلکار تھا۔

افواجِ پاکستان کے بھولے اور سادہ لوح آفیسروں نے مرزائیوں کے اِس فریب کو دیانت اور خلوص سمجھ کر قبول کر لیا۔ چنانچہ ہر روز کے عسکری مشوروں میں فرقان بٹالین برابر شریک ہونا شروع ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افواجِ پاکستان اگلے روز جس محاذ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرتی۔ اُس کی اطلاع بیشتر سے بھارتی فوج کو مل چکی ہوتی۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اِن دنوں انگریز لداخ کے راستے سوویت روس کا ہندوستان پر حملے کا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اس اعتبار سے وہ بھی کسی نہ کسی طرح کشمیر پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ ویسے تو آئینی طور پر پاکستان کشمیر کا کیس سر ظفر اللہ کو اپنا وکیل مقرر کرکے باؤنڈری کمیشن[1] میں ہار چکا تھا۔

جبکہ ابن دجال یہ بات کھلم کھلا کہہ چکا ہے کہ:

"ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے"

۱۔ باؤنڈری کمیشن کی پوری کاروائی کاروانِ احرار کی ساتویں یا آٹھویں جلد میں ملاحظہ کریں۔

اس اعتبار سے سر ظفر اللہ کے لیے لازم تھا کہ وہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے مرزائی وکیل کو قادیان کے مقدمہ میں گورداسپور کی مردم شماری میں مسلمان کو مرزائیوں سے الگ پیش کرے۔ یہ غلطی مسلم لیگ کی تھی کہ اُس نے سر ظفر اللہ کو اپنا وکیل مقرر کر کے کشمیر ضائع کر لیا۔

قادیانیوں کے ناپاک ارادے

پاکستان ہنوز ابتدائی سال میں تھا۔ حکومت کا دفتری نظام بھی درست نہیں تھا۔ مہاجرین کے قافلے قطار باندھے چلے آرہے تھے۔ اندرونِ خانہ پاکستان کی قوتِ حاکمہ بھی باہم دست و گریبان تھی۔ ایسے میں بھی قادیانی وطن دشمنی سے باز نہ رہے۔ چنانچہ ان دنوں ابن دجال بشیر الدین محمود کا خطبہ ملاحظہ ہو۔

"بلوچستان میں تو صرف پانچ لاکھ انسان بستے ہیں۔ اس میں بڑی مشکل سے دو تین ہزار احمدی ہیں۔ اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے۔ اس مقصد کے لیے بفضلِ تعالیٰ جماعت احمدیہ نے فرقان بٹالین علیحدہ بنالی ہے۔"

(الفضل ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء)

اُنہیں دنوں مرزائیوں کے ہر گھر میں حسبِ ذیل عبارت کا کیلنڈر آویزاں تھا۔

"میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے قادیان کو احمدی جماعت کا مرکز مقرر فرمایا ہے میں اس حکم کو پورا کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہوں گا۔ اور اس مقصد کو کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔ اور اپنی بیوی بچوں کو اگر خدا کی مشیت یہی ہے تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اس بات کے لیے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے حصول پر ہر چھوٹی بڑی قربانی کے لیے تیار رہیں۔

اے خدا! مجھے اس عہد پر قائم رہنے اور اسے پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔"

(محمد حیات تاثیر اخبار الفضل ۲۶ مئی ۱۹۴۸ء)

مندرجہ بالا خیالات اور ارادے کے ساتھ قادیان میں تقسیم برصغیر کے بعد پہلے جلسے کی

روداد ملاحظہ ہو۔ جسے بھارت کے مختلف اخبارات نے شائع کیا۔

اخبار ٹائمز بمبئ : قادیان ۳۰ر دسمبر۔ احمدیوں کا سہ روزہ سالانہ جلسہ آج ختم ہوگیا۔ اس میں تقریر کرتے ہوئے شیخ بشیر احمد بیرسٹر جو لاہور سے تشریف لائے اور جو وفد کے لیڈر بھنے نے کہا۔

پاکستان کی حکومت جو اسلامی تحریک کا نتیجہ ہے مرزائیوں کی حفاظت سے قاصر رہی۔ وہاں تین مرزائی قتل ہو چکے ہیں اس کے بالمقابل ہندوستان کی حکومت نے بے دین ہونے کے باوجود ہر مذہب کے پیرو اور بالخصوص مرزائیوں کی حفاظت کا خاطر خواہ سامان مہیا کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں ہمیں ہر قسم کا امن میسر ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں ہندوستان کی حکومت کو اللہ کی نعمت قرار دیا۔ اور اعلان کیا کہ ہم اس حکومت کے وفادار رہیں گے۔

اخبار ہندے ماترم : قادیان ۲۷ دسمبر کل یہاں احمدیوں کا سالانہ سہ روزہ جلسہ شروع ہوگیا جس میں پاکستان سے آمدہ ۹۷ آدمیوں اور ہند کے مختلف حصوں کے ۵۲ احمدیوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی بھاری تعداد میں شریک ہوئے جلسہ میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں ہند سرکار سے درخواست کی گئی کہ قادیان میں موجودہ احمدیوں کی وہ تمام جائدادیں واپس کر دی جائیں۔ جو نکاسی قرار دی جاچکی ہیں کیونکہ قادیانی بھارت کے وفادار رہیں۔

ایک اور قرارداد میں پنجاب اور ہند کی حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ قادیان کی زیارت کے لیے سہولتیں دی جائیں۔ نیز چونکہ انہیں بھارت کی مٹی سے اتنی محبت ہے۔ اس لیے پاکستان میں مقیم احمدیوں میں جو شخص مرجائے۔ اُس کی لاش قادیان میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے۔

اخبار الفضل ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء : اوّل تو قادیان جماعت احمدیہ کا مرکز ہے جس کی شاخیں ساری دنیا پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے محدود احمدیوں کو قادیان کو مجبوراً چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ واپس یہاں آکر رہنے

کے لیے بے قرار ہیں۔

اجیت دہلی: قادیان ۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر قادیان کا سہ روزہ سالانہ جلسہ کامیابی سے ختم ہو گیا ہے۔ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ لاہور نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود دوسری مصروفیتوں کے باعث جلسے کے لیے کوئی پیغام نہ لکھ سکے۔ لیکن وہ ہمیں الوداع کہنے آئے تھے۔ اور انہوں نے یہ پیغام دیا کہ پاکستان کے قادیانی قادیان آنے کے لیے بے تاب ہیں اور وہ دن دور نہیں جب دنیا میں خدا کی حکومت ہو گی اور شیطان کا دور ختم ہو جائے گا۔

شیخ محبوب الٰہی قرقانی جو کہ اسیؔ سال کے بزرگ ہیں اور حیدر آباد سے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ:

"ہمارے نبی کا حکم ہے کہ وقت کی حکومت کی وفاداری کرو اور یہ حکم ہمارے لیے قدرتی حکم ہے قادیانی ہندوستان کی حکومت کے اتنے ہی وفادار ہیں۔ جتنا کوئی دوسرا آج تک قادیانیوں نے حکومت کے خلاف شورش یا بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا۔"

مولوی شریف احمد نے ہندو مسلم اتحاد پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"قادیانی فرقہ کے بانی نے ۱۹۰۸ء میں سالانہ جلسے کے لیے جو تقریر تیار کر رکھی تھی۔ اور وہ جلسے سے پہلے ہی وفات پا جانے کی وجہ سے نہ کر سکے۔ اس میں انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے یہ فارمولا پیش کیا کہ ہندو اور سکھ حضرت محمدؐ کا احترام کریں اور مسلمان گاؤکشی بند کر دیں۔ اگر کوئی فرقہ اس سمجھوتہ کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ تین لاکھ روپیہ ہرجانہ دوسرے فریق کو ادا کرے۔"

مرزائی فوجی آفیسر ہندو مہا سبھا کے صدر ڈاکٹر شنکر داس کا بیان، قادیان کے پہلے جلسے کی روداد، ربوہ کے محل وقوع، اور ابنِ دجال کے بیانات کے ساتھ مرزائی فوجی آفیسران کی مندرجہ ذیل فہرست دیکھیں جو ۱۹۴۰ء میں خود مرزائیوں نے

شائع کی اور یہی وہ فہرست ہے جو دجالی گروہ کے وکیل مرزا بشیر احمد نے سر ظفر اللہ کی وساطت سے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کی۔

۱۔ بریگیڈیئر نذیر احمد ملک (میجر جنرل)
۲۔ کرنل بی۔ ڈی احمد (بریگیڈیئر)
۳۔ محمد عطاء اللہ کرنل (بریگیڈیئر)
۴۔ کرنل احیاء الدین (میجر جنرل)
۵۔ لیفٹیننٹ کرنل منظور احمد (بریگیڈیئر)
۶۔ میجر اختر حسین ملک
۷۔ میجر حبیب اللہ
۸۔ میجر داؤد احمد مرزا (بریگیڈیئر)
۹۔ میجر شریف باجوہ
۱۰۔ میجر شمیم احمد
۱۱۔ ڈاکٹر سراج الحق
۱۲۔ میجر ظہور الحسن
۱۳۔ میجر عبد الحق ملک
۱۴۔ میجر غلام احمد آئی۔ ایم۔ ایس
۱۵۔ میجر فیروز الدین
۱۶۔ میجر قاضی محمد احمد آئی۔ ایم۔ ایس
۱۷۔ میجر محمد اشرف
۱۸۔ میجر محمد رمضان
۱۹۔ میجر عطاء اللہ آئی۔ ایم۔ ایس
۲۰۔ کیپٹن اقبال احمد شمیم
۲۱۔ کیپٹن افتخار احمد جنجوعہ
۲۲۔ کیپٹن احمد خان
۲۳۔ کیپٹن عزیز احمد چوہدری
۲۴۔ کیپٹن سید افتخار حسین
۲۵۔ کیپٹن احمد خان ایاز
۲۶۔ کیپٹن اختر محمود آئی۔ ایم۔ ایس
۲۷۔ کیپٹن آفتاب احمد
۲۸۔ کیپٹن احمد محی الدین
۲۹۔ کیپٹن مرزا احمد بیگ
۳۰۔ کیپٹن بشیر احمد بھاگووال
۳۱۔ کیپٹن بشیر احمد آف ڈلمیال
۳۲۔ میجر سلطان محمود خان ملک
۳۳۔ کیپٹن بشیر احمد بٹ
۳۴۔ کیپٹن بدر الدین آئی۔ اے۔ ایم سی
۳۵۔ کیپٹن بشیر احمد
۳۶۔ کیپٹن بشیر احمد چوہدری
۳۷۔ کیپٹن بشیر احمد
۳۸۔ کیپٹن بشیر احمد شیخ آف بھیرہ
۳۹۔ کیپٹن حبیب احمد
۴۰۔ کیپٹن خورشید احمد
۴۱۔ کیپٹن حمید احمد کلیم
۴۲۔ کیپٹن شیر محمد خان او۔ بی۔ آئی
۴۳۔ کیپٹن ظہیر الحق
۴۴۔ کیپٹن سید ضیاء الحسن
۴۵۔ کیپٹن غلام احمد چوہدری
۴۶۔ کیپٹن عزیز اللہ چوہدری
۴۷۔ کیپٹن عبد الحمید
۴۸۔ کیپٹن عبد العلی ملک
۴۹۔ کیپٹن عطاء اللہ چوہدری
۵۰۔ کیپٹن عمر حیات خان
۵۱۔ کیپٹن غلام محمد کھوکھر
۵۲۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد حق آئی۔ ایم۔ ایس
۵۳۔ کیپٹن ڈاکٹر عبد العزیز بشیری
۵۴۔ ڈاکٹر عمر دین
۵۵۔ کیپٹن عطاء اللہ
۵۶۔ کیپٹن عنایت اللہ۔
۵۷۔ کیپٹن گل اکبر شاہ
۵۸۔ کیپٹن ایف۔ یو خان
۵۹۔ کیپٹن محمد یوسف
۶۰۔ کیپٹن ظفر اللہ خان
۶۱۔ کیپٹن محمد طفیل
۶۲۔ کیپٹن محمد مسعود احمد
۶۳۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد شریف

۶۳۔ کیپٹن محمد عبداللہ باجوہ
۶۴۔ کیپٹن محمد حیات کسرانی
۶۵۔ کیپٹن محمود احمد بہاولپور
۶۶۔ کیپٹن محمد صادق ملک
۶۷۔ کیپٹن محمد اسماعیل
۶۸۔ کیپٹن محمد عمر مہر
۶۹۔ کیپٹن مرزا محمد شفیع
۷۰۔ کیپٹن محمود احمد
۷۱۔ کیپٹن محمد عبدالرحمٰن
۷۲۔ کیپٹن محمد شریف احمد
۷۳۔ کیپٹن منظور احمد
۷۴۔ کیپٹن محمد اسلم
۷۵۔ کیپٹن چوہدری نصراللہ خان
۷۶۔ کیپٹن نورالدین آئی۔ایم۔ایس
۷۷۔ کیپٹن حیامت اللہ خان
۷۸۔ کیپٹن نظام الدین
۷۹۔ کیپٹن نذیر احمد
۸۰۔ کیپٹن شیخ نواب دین
۸۱۔ کیپٹن محمد اقبال
۸۲۔ کیپٹن محمد نذیر
۸۳۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد شاہ
۸۴۔ کیپٹن منیر احمد خالد
۸۵۔ کیپٹن محمد علی ملک
۸۶۔ کیپٹن محمد محسن
۸۷۔ کیپٹن محمد خان آئی۔اے۔ایو سی
۸۸۔ کیپٹن محمد محسن
۸۹۔ کیپٹن ایس۔ایم احمد، ممتاز احمد سید
۹۰۔ کیپٹن محمد ابراہیم
۹۱۔ کیپٹن محمد امین درانی
۹۲۔ کیپٹن وقیع الزمان
۹۳۔ کیپٹن وہاب الدین
۹۴۔ کیپٹن خورشید احمد چشتی
۹۵۔ لفٹیننٹ اقبال احمد
۹۶۔ لفٹیننٹ ابوالخیر باجوہ
۹۷۔ لفٹیننٹ آفتاب احمد
۹۸۔ لفٹیننٹ انور احمد
۹۹۔ لفٹیننٹ اکرام اللہ
۱۰۰۔ لفٹیننٹ بشیر احمد طلب پوری
۱۰۱۔ لفٹیننٹ او۔پی۔آر کرد
۱۰۲۔ لفٹیننٹ سید بشیر احمد
۱۰۳۔ لفٹیننٹ حمیداللہ چوہدری
۱۰۴۔ لفٹیننٹ رحمت اللہ باجوہ
۱۰۵۔ لفٹیننٹ سید سعید حسن
۱۰۶۔ لفٹیننٹ ستار بخش ملک
۱۰۷۔ لفٹیننٹ مرزا شریف احمد
۱۰۸۔ لفٹیننٹ سید احمد آئی۔اے۔ایم۔سی
۱۰۹۔ لفٹیننٹ صاحب الدین
۱۱۰۔ لفٹیننٹ صبح صادق
۱۱۱۔ لفٹیننٹ ڈاکٹر ظفر اقبال
۱۱۲۔ لفٹیننٹ عزیز احمد چوہدری
۱۱۳۔ لفٹیننٹ عارف زمان
۱۱۴۔ لفٹیننٹ عبدالغنی
۱۱۵۔ لفٹیننٹ عزیز الرحمٰن
۱۱۶۔ لفٹیننٹ عبداللطیف مرزا
۱۱۷۔ لفٹیننٹ عبدالکریم
۱۱۸۔ لفٹیننٹ قاضی عطاء الرحمٰن
۱۱۹۔ لفٹیننٹ عبدالحی خان
۱۲۰۔ لفٹیننٹ غلام محمد اقبال
۱۲۱۔ لفٹیننٹ سید عبدالحمید
۱۲۲۔ لفٹیننٹ عبدالمنان
۱۲۳۔ لفٹیننٹ عبدالحفیظ
۱۲۴۔ لفٹیننٹ عبدالرحمٰن
۱۲۵۔ لفٹیننٹ گل حسن
۱۲۶۔ لفٹیننٹ کمال مصطفٰے
۱۲۷۔ لفٹیننٹ محمد یوسف خان
۱۲۸۔ لفٹیننٹ محمد نواز
۱۲۹۔ لفٹیننٹ قاضی منظور الحق
۱۳۰۔ میجر کیپٹن سید مقبول احمد
۱۳۱۔ میجر کیپٹن محمد احمد ڈار

۱۳۲۔ میجر کیپٹن محمد صفدر باجوہ
۱۳۳۔ میجر کیپٹن مبارک احمد
۱۳۴۔ میجر کیپٹن سید محمود احمد
۱۳۵۔ لفٹیننٹ مختار احمد
۱۳۶۔ لفٹیننٹ ممتاز احمد
۱۳۷۔ لفٹیننٹ ایم ایس صادق
۱۳۸۔ لفٹیننٹ سید مسعود احمد
۱۳۹۔ لفٹیننٹ منظور حسن
۱۴۰۔ لفٹیننٹ مظفر احمد
۱۴۱۔ لفٹیننٹ محمد عبد الرحمٰن
۱۴۲۔ سیکنڈ لفٹیننٹ اعجاز احمد
۱۴۳۔ سیکنڈ لفٹیننٹ بشیر احمد
۱۴۴۔ سیکنڈ لفٹیننٹ خان ہمایوں مرزا
۱۴۵۔ سیکنڈ لفٹیننٹ خلیل الرحمٰن
۱۴۶۔ سیکنڈ لفٹیننٹ طالب حسین
۱۴۷۔ سیکنڈ لفٹیننٹ فیروز خان
۱۴۸۔ لفٹیننٹ عبد السلام
۱۴۹۔ فلائیٹ لفٹیننٹ ظفر احمد ملک
۱۵۰۔ فلائیٹ لفٹیننٹ عبد المنان خان
۱۵۱۔ فلائیٹ لفٹیننٹ عبد الحی
۱۵۲۔ فلائیٹ لفٹیننٹ ایم ایم لطیف
۱۵۳۔ فلائیٹ لفٹیننٹ ایم این اختر (ونگ کمانڈر)
۱۵۴۔ فلائیٹ لفٹیننٹ حمید اللہ بھٹی
۱۵۵۔ انور ملک فلائنگ آفیسر
۱۵۶۔ صلاح الدین فتح فلائنگ آفیسر (ونگ کمانڈر)
۱۵۷۔ میجر کیپٹن ایم اے سید
۱۵۸۔ میجر کیپٹن محمد یوسف شاہ
۱۵۹۔ میجر کیپٹن نذیر احمد
۱۶۰۔ لفٹیننٹ سید نصر احمد شاہ
۱۶۱۔ لفٹیننٹ چوہدری نصیر احمد
۱۶۲۔ لفٹیننٹ نصر اللہ خان
۱۶۳۔ لفٹیننٹ محمد یعقوب
۱۶۴۔ لفٹیننٹ محمد اسلم چوہدری
۱۶۵۔ لفٹیننٹ محمد اسحٰق
۱۶۶۔ لفٹیننٹ نوابزادہ محمد ہاشم
۱۶۷۔ لفٹیننٹ منصور احمد
۱۶۸۔ لفٹیننٹ ممتاز احمد آف گجرات
۱۶۹۔ محمد سید فلائنگ آفیسر
۱۷۰۔ غلام علی فلائنگ آفیسر
۱۷۱۔ ظفر احمد چوہدری فلائنگ آفیسر (ونگ کمانڈر)
۱۷۲۔ ایم ایم احمد فلائنگ آفیسر
۱۷۳۔ منصور احمد فلائنگ آفیسر
۱۷۴۔ سعید اللہ خاں فلائنگ آفیسر
۱۷۵۔ لفٹیننٹ نواب علی فلائنگ آفیسر
۱۷۶۔ محمود شفقت کیپٹن
۱۷۷۔ عصمت اللہ خان کیپٹن

ان میں قادیانی افسروں کے متعلق کچھ مفصل لکھا جائے۔ چونکہ یہ خالص فوجی معاملہ ہے اس لیے ہم اس پر اپنی رائے کا حق محفوظ رکھتے ہوئے صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ یہ وہ فہرست ہے جو کہ ۱۹۴۷ء میں مرزائیوں نے شائع کر کے خود باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کی تھی۔

یہ تعداد اُس زمانے کی ہے جب انگریز فوج میں کسی گروہ کو مجتمع ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اُس زمانے میں جب قادیانی افسروں کا یہ عالم تھا تو اس کے بعد حالات کی برہمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے اس فہرست کو جس قدر بڑھا لیا ہوگا۔ قارئین اب اس کا اندازہ خود ہی کر سکتے ہیں۔

(اخبار آزاد لاہور۔ ۹ مئی ۱۹۵۰ء)

قارئین زنجیر کی تمام کڑیوں کو ایک ساتھ جوڑ کر دیکھیں کہیں مملکت خداداد پاکستان کفر کے گھیراؤ میں تو نہیں؟

دفاعِ وطن، تحفظ ختم نبوّت اور احرار

اسلام کے نام پر حاصل کردہ ملک کے اندر غیر مسلم ریاست کی نیو اٹھائی جا رہی تھی۔ دشمن پوری طرح لیس ہو کر سامنے آ رہا تھا۔ بھارت اور انگریز کی جاسوسی کے تمام ذرائع مکمل ہو چکے تھے۔ یہ سب کچھ مذہب باطلہ کے نام پر ہو رہا تھا۔ مگر قوت حاکمہ جس کی طنابیں اُس وقت مسلم لیگ کے ہاتھ میں تھیں۔ باہم اقتدار کے جھگڑوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ بانیٔ پاکستان کی موت کے بعد اُن کے گریبانوں کی دھجیاں خزاں کے پتوں کی طرح اُڑ رہی تھیں۔ احساسِ وطن اور مستقبل کی ذمہ داریوں سے بے نیاز یہ لوگ ایسے راستے پر گامزن تھے۔ جو نوزائیدہ مملکت کے لیے سراسر تباہی کا راستہ تھا۔ ہندو، انگریز اور مرزائی منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

پاکستان جو گرانقدر قربانیوں کے مول حاصل ہوا تھا۔ کوڑیوں کے بھاؤ جا رہا تھا۔ یہ حالات تھے کہ احرار رہنماؤں نے اپنی تاریخ کے آئینے میں اپنے کو دیکھا ـــــ حضرت

شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ سے جنگ پلاسی تک ـــ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے تحریک ریشمی رومال تک ـــ تحریک خلافت سے جلیانوالہ باغ اور قصہ خوانی پشاور تک ـــ پھر بنگال کے انقلاب پسندوں اور اشفاق اللہ جیسے شہیدوں کی لاشوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکتے دیکھا تو شہیدانِ وطن کی اَن گنت بے گوروکفن لاشیں آزادیٔ وطن کی راہ میں بکھری پڑی تھیں ۔ لیکن تن آسان لوگ اِس ساری داستان کو صرف سات سال کے دامن میں گرہ دے کر مسلمان شہیدانِ حریت کے پاک اور صاف لہو کو گنگا وجمنا کے پانیوں میں بہا کر اُن کے رنگ و روغن ضائع کر رہے تھے ۔

بے شک اُن اوراقِ پارینہ کو پھاڑ کر پھینک دو مگر اُن دس لاکھ مسلمانوں کی لاشیں تو برباد نہ کرو جو حصولِ پاکستان کے راستے میں شہید ہو چکے ہیں ۔ اُن پچاس ہزار معصوم عصمتوں کا خیال کرو جو تمہارے جذباتی نعرے پر سب کچھ قربان کر چکی ہیں ۔

مسلم لیگ کے جاگیردار ، حکمران تو بن گئے مگر ظفیرؔ کے بادشاہ کی طرح حقیقت سے اُن کا دامن تہی رہا ۔ اگر صحیح معنوں میں یہ اپنا منصب سنبھال سکتے تو پچاس برس تک اِن کا سنگھاسن قائم رہتا ۔ مگر ضمیر کے غبارے سے ہوا نکل جائے تو آدمی کو اپنی پہچان بھی نہیں رہتی ۔

رواں حالات میں احرار کے سامنے وطن عزیز کی بقاء و عظمت مقصود تھی ۔ ملک کو آزاد کرانے میں ان کے آباؤ اجداد نیز اولاد تک کی ہڈیاں اِس عمارت کے استوار کرنے میں صرف ہو چکی تھیں ۔ مگر اقتدار پسندوں کے لیل ونہار میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دے رہی تھی ۔ ڈوبنے والا بعض اوقات بچانے والے کو بھی لے ڈوبتا ہے ۔

ع ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

چنانچہ ۱۲، ۱۳، ۱۴ جنوری ۱۹۴۹ء کو لاہور دہلی دروازہ کے اجتماع میں احرار رہنماؤں نے اعلان کر دیا کہ :

"مجلسِ احرار اب مذہبی اور اخلاقی کاموں میں سرگرم عمل رہے گی مسئلہ ختمِ نبوت اِس کا بنیادی مسئلہ ہے ۔ سیاست اب ہماری منزل نہیں ۔ مسلم لیگ جانے اور اس کا کام ۔"

؎ بُلبُل نے آشیانہ چمن سے اُٹھالیا
اپنی بلا سے بُوم رہے یا ہُما بسے

احرار کا فیصلہ سر ظفر اللہ کا وجود جسے بانیٔ پاکستان نے وزیر خارجہ مقرر کیا۔ بذاتِ خود متنازعہ فی تھا۔ باؤنڈری کمشن کے مقدمہ میں جو زخم ظفر اللہ کی وجہ سے پاکستان کو لگ چکا تھا اُس کا مرہم بھی ملنا دشوار تھا۔ اس کے باوجود اُسے پاکستان کی بیرونی ذمہ داری سونپ دینا ملک سے وفا کے منافی تھا۔

یہی موڑ ہے جہاں احرار رہنماؤں نے مسئلہ ختم نبوت کے ساتھ پاکستان کی سالمیت اور بقاء کے لیے سوچنا شروع کیا۔

جس ماں کی کوکھ سے بچے نے جنم لیا ہو اُس کے دُکھ سُکھ کا احساس بھی اُسی کو ہو سکتا ہے۔ درخت کے ثمر آور ہونے تک باغبان جن موسموں کے سرد گرم جھونکوں سے گذرتا ہے۔ اُس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے۔ بہار کے دِنوں تو زاغ و زغن بھی شاخِ گل پر گھونسلے بنا لیتے ہیں۔

احرار رہنما اُسی مے خانۂ حریت کے رسیا تھے جن کی دیواریں خونِ شہدائے وطن سے استوار ہوئی تھیں۔ وہ ان دیواروں کو گرتے یا ان میں دراڑ آتے دیکھ کر کیونکر خاموش رہ سکتے تھے۔ پھر پاکستان کے حصول میں مصائب و آلام کی داستان تو اس قدر المناک ہے کہ دہرائی نہیں جا سکتی۔ اسے وہی لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں۔ جو خون کے دریاؤں میں تیر کر اس پار پہنچے۔ جسے بنا بنایا گھر مل گیا ہو وہ معمار کی محنت اور مزدور کے خون پسینے کا اندازہ کیسے کرے گا۔ جو اس عمارت کو آخری منزل تک پہنچانے میں صرف ہُوا۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان کے وارث بننے والے تن آسان لوگ گھر میں داخل ہوتے ہی باہم دست و گریبان ہونے لگے۔ پرائے مال پر وہ کرگسوں کی طرح جھپٹے اور ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے لگے۔ ایسے میں چوروں کو موقع مل گیا کہ وہ اندر خانے اس گھر کو ویران کر دیں۔

احرار رہنماؤں کی دُور رس نگاہوں نے بھانپا کہ مسلمان کا قیمتی اور آخری اثاثۂ حیات جس پر اسلام کا بورڈ لگا ہُوا ہے۔ قذاق لوٹ کر نہ لے جائیں۔ مندرجہ بالا فیصلہ کیا۔

احرار رہنما عزم میں ناقابلِ شکست تھے۔ دفاع ختم نبوت اگر ایمان کا جزو ہے تو دفاع وطن بھی ایمان کا حصہ ہے۔

مجلس تحفظِ ختم نبوت کا قیام

احرار قیام پاکستان کے قریباً دو برس بعد تک حکمرانوں کا منہ تکتے رہے۔ جس ذاتِ گرامی کے نام پر ملک حاصل کیا گیا ہے۔ اُس کی نبوت کے تحفظ کا کوئی قانون نہیں بنا۔ اُلٹا مرزائیت کو فروغ دینے کے طریق وضع کیے گئے۔ اگر مرزائیت پنجاب تک محدود تھی تو وزارتِ خارجہ ظفر اللہ کے حوالے ہونے پر اُسے بیرون ملک کے تمام سفارت خانوں تک پہنچا دیا گیا۔ اس کی وساطت سے کفریہ لٹریچر یورپ، ایشیا اور افریقہ تک پہنچا۔ ہزار چیخ و پکار کی مگر:

ع مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

مولانا محمد علی جالندھری

بالآخر مجلس تحفظِ ختم نبوت کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے پہلے صدر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مقرر ہوئے اور ناظم اعلیٰ مولانا محمد علی جالندھری۔

دجالی گروہ کی بیخ کنی کے لیے شعبہ تبلیغ قائم کر دیا گیا جس کے انچارج مولانا محمد حیات مقرر ہوئے۔

مولانا محمد حیات

محاذ آرائی احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ شہر، قصبات اور دیہاتوں میں دفاعِ ختم نبوت کے محاذ پر عوام کو دجالی گروہ کی وطن دشمن سرگرمیوں سے شب و روز آگاہ کرنے لگے۔ کانفرنسیں، جلسے، عوامی جلوسوں نے سارے پنجاب کو محیط کر لیا۔ مسئلہ ختم نبوت کو نئی جلا ملی۔ مرزائیت کے خلاف چاروں طرف سے طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی الگ مرزائیت کا گندہ اور خلافِ اسلام لٹریچر کا ٹرنک اُٹھائے سرکاری دفاتر میں پہنچ کر افسران کو اس گروہ کی اندرونی کیفیت بہم پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی اُن دنوں کی تقریروں میں خاص قسم کے جذبات تھے۔ کلمہ طیبہ کے ساتھ شاہ جی نے علماء اور عوام کو تاکیداً کہا کہ:

"وہ آئندہ سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ لا نبی بعدی ضرور کہا کریں"۔

چنانچہ یہ قول زبان زدِ عوام ہو کر محراب و منبر تک آن پہنچا۔ مساجد کے خطباء حضرات

نے شاہ جی کے اس ارشاد کی پوری تعمیل کی۔

ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پنجاب کی یہ آواز شمال مغربی صوبہ سرحد اور ہری پور ہزارہ کے پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی صحراؤں تک پہنچی۔ مفتیٔ سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلزئی (پشاور) مولانا غلام غوث ہزاروی اور حکیم عبدالسلام ہزاروی نیز ان کے رفقاء قافلۂ ختم نبوت کا ہراول دستہ بن کر سامنے آ گئے۔ یہی آگ صوبۂ یو پی میں سلگنے لگی۔ جمعیتہ علمائے ہند نے اس آگ کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے مذہبی نقطۂ نظر سے تحریک کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

قادیان کانفرنس ۱۹۳۴ء میں جو مطالبہ کیا کہ:

"مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دیا جائے"۔

نیز اس کے سربراہ سرظفر اللہ کو بھی وزارت خارجہ سے فوراً الگ کیا جائے۔

ان عوامی اجتماعات میں دہرایا جانے لگا۔ یہ مطالبات مسلمانانِ ہند کی آواز بن کر ابھرے۔ غرض اِک آگ تھی چاروں طرف لگی ہوئی۔

دجالی گروہ احرار کی سرگرمیوں سے کیونکہ غافل اور بے خبر رہ سکتا تھا۔ اندرون اور بیرون ملک کے ہر محکمے میں اس کی سی آئی ڈی پوری طرح مسلط تھی۔ دشمن کے کتنے احرار کے قدموں کی بُو سونگھتے پھرتے۔

دشمن چاہے کمزور کیوں نہ ہو اُسے کمزور سمجھنا بڑی حماقت ہے۔

مرزائی تنہا کوئی شے نہیں تھے۔ نہ گنتی کے حساب سے نہ قومیت کے اعتبار سے۔ فقط غیر ملکی ہوائیں ان تنکوں کو اڑائے پھرتی تھیں۔ یقین تھا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد اسلام کے بحرِ بیکراں میں یہ خس و خاشاک بہہ جائیں گے۔ لیکن

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

انگریز کے لیے تو بہر طور لازم تھا کہ وہ اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت کرے۔ مگر پاکستان کی قوتِ حاکمہ فوج سمیت دجالی سُروں میں راگ الاپنے لگی۔

امورِ سلطنت سے ناآشنا حاکمانِ وقت کی موجودگی میں ابن دجال بشیرالدین محمود نے

۳ جنوری ۱۹۵۲ء کو ربوہ میں اپنی تقریر میں مرزائی فوجی افسران کو تلقین کرتے ہوئے کہا۔

"احمدیت کے مخالف عنقریب مرزا صاحب (غلام احمد) یا اُن کے کسی جانشین کے سامنے مجرم کی طرح کھڑے ہوں گے"۔

۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء کے ہفت روزہ "الفضل" نے بشیرالدین محمود کا ایک بیان شائع کیا کہ،

"فوجی محکموں کی طرح گورنمنٹ کے دوسرے محکموں میں بھی احمدی حضرات بھرتی ہونے کی کوشش کریں تاکہ تبلیغی سرگرمیوں کو تقویت ملے"۔

۱۷ جنوری کو ایک اور بیان شائع ہوا جس میں تمام مرزائی افسران و دیگر مرزائیوں کو حکم دیا گیا کہ:

"ایسے حالات پیدا کر دیں کہ ۱۹۵۲ء گذرنے سے پہلے پہلے دشمن احمدیت کی آغوش میں گرنے پر مجبور ہو جائیں"۔

اہم انکشاف

مسلمان اور مرزائیوں کے درمیان کئی برس سے آئینی لڑائی شروع تھی اس دوران کوئی موڑ ایسا نہیں آیا کہ اس لڑائی کا رُخ کسی دوسری طرف ہو۔ لیکن شیطانی قوتیں گلاب کے پھولوں میں زہر بھرنے سے باز نہیں رہتیں۔

۲۴ مارچ ۱۹۵۲ء کو سرگودھا میں احرار کانفرنس تھی۔ اس میں شرکت کے لیے حضرت امیر شریعت یہاں پہنچے۔ ۲۴ اور ۲۵ مارچ کی درمیانی شب ایک شخص اوورکوٹ پہنے سیاہ چشمہ لگائے، چہرے کے باقی خدوخال کوٹ کے کالر میں چھپائے شاہ جی سے ملنے آیا۔ اس پُراسرار شخص کا تقاضا تھا کہ وہ صرف شاہ جی سے تنہا ملنا چاہتا ہے۔ نگہداروں نے شاہ جی کی اجازت سے اُسے اندر جانے دیا۔ نو وارد نے شاہ جی کے سامنے باادب بیٹھتے ہی احتیاطاً خفیہ انداز میں دائیں بائیں دیکھ کر کہا۔

"شاہ جی! آپ میرا نام اور پتہ نہ پوچھیں۔ میں آپ کو ایک عظیم خطرہ سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔

کل کراچی میں سر ظفر اللہ اور راجہ غضنفر علی (شیعہ) کے درمیان یہ طے پایا کہ پاکستان قومی اسمبلی میں ایک مسودہ قانون مشترک طور پر پیش کریں کہ پاکستان میں

مسلمانوں کے کسی فرقے کو کافر نہ کہا جائے ''۔

اتنا کہہ کر وہ جلدی سے اُٹھ کر چلا گیا۔ یہ اطلاع پا کر شاہ جی نے باقی رات کرد ٹوں میں گزاری۔ صبح بغیر جماعتی مشورہ کے احرار رضا کاروں کو حکم دیا کہ آج دوپہر سر ظفر اللہ کا جنازہ نکال دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس عمل سے مرزائیت کے خلاف تحریک بھڑک اُٹھی۔ پنجاب کے تمام شہروں میں ظفر اللہ کا جنازہ نکالا گیا۔

یہ اجنبی کون تھا؟ کہاں سے آیا؟ اس کے مقاصد کیا تھے؟ راجہ غضنفر علی اور ظفر اللہ کے مابین واقعی ایسی کوئی تجویز تھی یا نہیں؟ مگر شکاری نے ایسا خوبصورت ہم رنگِ زمین جال بچھایا۔ اگر احرار جذبات میں آ کر اس میں پھنس جاتے تو مرزائی بازی جیت گیا تھا۔ مگر شاہ جی کی سیاسی بصیرت نے یہ جال تار تار کر دیا۔

پنجاب اسمبلی کا انتخاب اور مسلم لیگ

سیاست اور شرافت ایک جگہ اکھٹے نہیں رہ سکتے۔ احرار نے ملکی معاملات کی تمام تر ذمہ داری مسلم لیگ کی قوتِ حاکمہ پر ڈال کر اپنا سیاسی تشخص اُس کے سپرد کر دیا۔ احرار کا یہ اقدام کسی خوف یا دباؤ کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ ملکی حالات کا تقاضا یہی تھا۔ ہنوز ملک کی دیواریں کوتاہ ہونے کے ساتھ کمزور بھی تھیں۔ جبکہ دشمن کے ارادے نیک نہیں تھے۔ احرار کے اس مخلصانہ فیصلے کو مسلم لیگی حکمرانوں نے احرار کی کمزوری جان کر ۱۹۵۱ء کے پنجاب اسمبلی کے جنرل الیکشن میں چھ مرزائیوں کو مسلم لیگ کے ٹکٹ دے دئیے۔ جبکہ چار مرزائی اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے الیکشن لڑ رہے تھے۔ اسطرح دس مرزائی الیکشن میں شامل ہو گئے۔

احرار رہنماؤں کو جیسے ہی مسلم لیگ کی اس حرکت کا پتہ چلا انہوں نے حسب ذیل بیان پریس کو دیا۔

"مجلسِ احرار براہِ راست سیاسیات میں دخیل نہیں۔ بنا بریں وہ الیکشن میں حصہ لینا پسند نہیں کرتی ہے۔ لیکن مسلم لیگ نے تو مرزائیوں کو ٹکٹ دئیے ہیں اب مجلسِ احرار ان کا مقابلہ کرنا اپنا دینی فرض سمجھتی ہے''۔

اس بیان کے ساتھ ہی مسلم لیگ پاکستان کے صدر اور وزیر اعظم لیاقت علی خان

کو برقی پیغام کے ذریعے پنجاب مُسلم لیگ کی اس حماقت سے مطلع کیا۔ جس کے جواب میں انہوں نے کہا۔

"میں اُن حلقوں میں نہیں جاؤں گا۔ جہاں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مرزائی الیکشن لڑ رہے ہیں"

اُن دنوں پنجاب مسلم لیگ میں نواب افتخار حسین ممدوٹ اور میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے درمیان اقتدار کی کشمکش جاری تھی۔ دونوں جاگیردار دھڑے اندر خانے مرزائیوں کی حمایت پر تھے۔ یہ دونوں مسلم لیگی کم اور جاگیردار زیادہ تھے (اسی کشمکش کے نتیجے میں نواب ممدوٹ مسلم لیگ چھوڑ کر حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ میں چلے گئے تھے)

احرار کا بیان پنجاب مسلم لیگ کے اس رویّے پر احرار رہنماؤں نے ۱۶ر فروری ۱۹۵۱ء کو اپنے پریس بیان میں کہا:

جہاں تک مجلس احرار اسلام پاکستان کی پالیسی کا تعلق ہے یہ بات اخبارات کے ذریعے عوام الناس پر پوری طرح عیاں ہو چکی ہے۔ اس کا اعادہ ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم اتنا عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس وقت مجلس احرار اسلام نے اپنی تمام تر مساعی مِلّی اتحاد اور مسئلہ ختم نبوّت کے لیے وقف کی ہوئی ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد انہیں مقدس مقاصد کے لیے مجلس احرار نے ملکی انتخابات سے دست برداری کا اعلان کر دیا تھا۔ جب اس نوزائیدہ مملکت میں حزبِ مخالف برداشت نہیں کی جا سکتی تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم الیکشن کی سرگرمیوں سے قطع تعلق کر لیں اور اُمتِ مرزائیہ کے کفر و ارتداد کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی پاکستان دشمنی کو پوری طرح بے نقاب کریں۔ ملک و ملت کو اس فتنۂ مرتد سے آگاہ کریں اور بتائیں کہ یہ نام نہاد ٹولی پاکستان

۱ـ زندگی اور صحت رہی تو اس کی تفصیل آئندہ "جب پاکستان بن گیا" کے عنوان سے عرض کروں گا۔

جیسی اسلامی مملکت میں کیا کھیل کھیلنا چاہتی ہے۔"

جیسے کہ ابنِ دجال بشیر الدین محمود کہتا ہے۔

"قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن اگر قوموں کی غیر معمولی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑا تو یہ اور بات ہے۔ بسا اوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا بھی مشورہ دیتے ہیں، لیکن یہ خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری اور معذوری کے عالم میں اور صرف اُسی وقت جب اِس کے بغیر چارہ نہ ہو، اور پھر اگر معلوم ہو جائے کہ اس ماؤف عضو کی جگہ نیا لگ سکتا ہے تو کون جاہل انسان اس کے لیے کوشش نہ کرے گا۔ اس طرح ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائے۔"

(الفضل مؤرخہ ۱۶ ر مئی جلد ۳۵ نمبر ۱۱۶)

مرزائی لیڈر کے مذکورہ بیان کے باوجود ہم نہیں سمجھ سکے کہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے کن مصلحتوں کی بنا پر مجلس احرارِ اسلام کے مطالبے کو ٹھکرا کر مرزائیوں کو ٹکٹ دینا ضروری سمجھا۔ بہر حال احرار نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہو جائے مرزائیوں کو انتخاب نہیں جیتنے دئے جائیں گے۔ اس پالیسی کے اختیار کرنے میں کسی کی ناراضگی کو کوئی وقعت نہیں دی جائے گی کیونکہ ایمان کا سودا نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں ایام میں احرار کے ترجمان روزنامہ "آزاد" لاہور نے اپنی اشاعت ۲۴ر فروری ۱۹۵۱ء میں "احرار، مسلم لیگ اور مرزائی" کے عنوان سے درج ذیل اداریہ سپردِ قلم کیا۔

احرار، مسلم لیگ اور مرزائی

اے اہلِ نظر، اے دل والو! کس بندش کو میں نرم کروں
اِک ہاتھ میں سارا عالم ہے، اِک ہاتھ میں ان کا دامن ہے

مجلسِ احرار نے سیاسیات میں مسلم لیگ سے تعاون کا اعلان کرتے ہوئے "لاہور ریزولیوشن" کے ذریعہ اپنی پالیسی کی وضاحت کر دی تھی مجلس کی یہ پوزیشن علیٰ حالہ قائم ہے۔ سیاسیات سے الگ ہوتے ہی احرار کی تبلیغی سرگرمیاں ردِ مرزائیت پر مرکوز ہو گئیں۔ کفر و اسلام کی یہ آویزش جسے احرار اور مرزائیوں کی نبرد آزمائی پر محمول کیا گیا تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ تا آنکہ انتخابات کا دَور شروع ہوا۔ احرار اپنی محولہ بالا پالیسی کے پیش نظر مسلم لیگ کی مخالف جماعتوں سے تعاون نہ کر سکتے تھے، بلکہ اس کے برعکس احرار مجبور تھے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ یہاں تک معاملہ بالکل صاف تھا اور کسی اُلجھن کی گنجائش نہ تھی۔ مگر انتخابات کی ہماہمی اور مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کے پیشِ نظر احرار نے مُلتان کی سالانہ تبلیغ کانفرنس میں ایک تجویز منظور کی اور بروقت مسلم لیگ اور عوام پر ظاہر کر دیا کہ لاہور ریزولیوشن اور طے شدہ پالیسی کے باوجود احرار مجبور نہیں کہ مسلم لیگ کے مرزائی اُمیدواروں کی امداد کریں۔ بلکہ بالاتفاق طے ہوا کہ اگر مسلم لیگ نے مرزائیوں کو ٹکٹ دیا تو احرار اُن مرزائیوں کی لیگ ٹکٹ کے باوجود سخت مخالفت کریں گے اور مسلم لیگ کی خفگی اور برہمی کی قطعًا پرواہ نہ کریں گے۔ یہ اعلان احرار نے قبل از وقت اس لیے کیا کہ مبادا مرزائی مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو احرار کی بجائے اس انتخابی لغزش اور باہمی کشمکش کی تمام تر ذمہ داری مسلم لیگ پر ہو۔ احرار اب بھی طے شدہ پالیسی کے مطابق مسلم لیگ کے مخالفوں کی صف میں نہیں بلکہ مرزائی نشستوں کے علاوہ ہر نشست پر مسلم لیگ کے ساتھی اور معاون ہیں۔

مسلم لیگ کی لغزش احرار نے مسلم لیگ کے رہنماؤں کو بروقت خبردار کیا کہ مسلمانوں کے جذبات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمانوں کے نام پر نمائندگی کا حق نہ دیں۔ مرزائیوں

کو ٹکٹ دینے کے بعد مسلم لیگی رہنماؤں نے مختلف زاویوں سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔ بعض نے قانونی صورت کو ملحوظ رکھا اور یہ کہا کہ جب تک رائے دہندگان کی فہرست میں مرزائیوں کے ووٹ درج ہیں اور مرزائیوں کو علیحدہ اقلیت قرار نہیں دیا جاتا مسلم لیگ کس طرح مرزائیوں پر مسلم لیگ کے دروازے بند کر سکتی ہے۔

بعض نے کہا کہ لیگ کی مجبوریوں کے پیش نظر آپ لیگ کو معذور سمجھیں۔ اور عوام کو صحیح عقیدہ کے مطابق ووٹ استعمال کرنے کی اپیل کریں تاکہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے۔

لیگ کے بعض ذمہ داروں نے مرزائی امیدواروں سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بہر حال مجلس احرار کی پوزیشن بالکل صاف ہے۔ ہمیں اپنی واضح پالیسی کی موجودگی میں کام کرنا ہے۔ مسلم لیگ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان مرزائی سیٹوں پر مجلس احرار کے منہ آئے۔ اگر مسلم لیگ نے دھوکہ کھایا ہے یا مسلم لیگ مرزائیوں کو ٹکٹ دینے پر مجبور تھی تو اسے اب مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمارا راستہ نہ روکے اور مرزائی نشستوں پر انتخابی جنگ میں مسلمانوں اور مرزائیوں کو نپٹ لینے دے تاکہ مسلم لیگ کے دامن کی آلودگی دھل جائے اور مجلس احرار خندہ پیشانی سے مسلم لیگ کی ہر ممکن امداد کر سکے مجلس احرار اپنے موقف پر علیٰ حالہ قائم ہے۔ مگر افسوس کہ مسلم لیگ دوراہے پر کھڑی ہے۔

مرزائی غالباً ماہ اگست میں جب حکومت نے ضمنی انتخابات کا پہلا اعلان کیا تو مرزا محمود نے اپنے باواکی اُمت کے نام انتخابات کے متعلق ہدایت نامہ شائع کیا جس میں بتایا کہ انھیں کس طریقے پر اور کن امیدواروں کو ووٹ دینا ہے۔ اس پر صوبہ مسلم لیگ کی کونسل کے ایک رکن نے احتجاج کیا اور صوبہ مسلم لیگ کو مرزا محمود کے اس ڈکٹیٹرانہ مشورہ پر مرزائی اراکین کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کا مشورہ دیا مگر صوبہ مسلم لیگ کے غلط کار رہنماؤں

نے خدا جانے کس مصلحت کی بنا پر اس جائز مطالبہ کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔
مرزا محمود نے اسی روز مسلم لیگ سے غداری اور بغاوت کی ٹھان لی تھی ۔
صوبہ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے یا تو مرزائیوں کی چالبازیوں کو سمجھنے کی کوشش
نہیں کی یا شاید سمجھ لینے کے باوجود نظر انداز کیا۔ نتیجہ کے طور پر آج مرزا محمود
نے نہایت چالاکی سے مسلم لیگ کو مضحکہ خیز پوزیشن میں لا کھڑا کیا۔ اب صورت
یہ ہے کہ چھ مرزائی مسلم لیگ کا ٹکٹ لیے کھڑے ہیں اور چار نے مسلم لیگ کے
خلاف علم بغاوت بلند کر کے مرزا محمود کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے کا اعلان کر
دیا ہے ۔ اُمتِ مرزائیہ یا تو خود احمق ترین مخلوق ہے یا ان مرتدین نے مسلمانوں
کو احمق سمجھ رکھا ہے ۔ ہم آج پھر مسلم لیگ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مرزا محمود
سے دریافت تو کرے کہ اُس کی پوزیشن کیا ہے؟ جب تک مرزا محمود اپنی
پوزیشن واضح نہ کریں، مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ مرزائیوں کو درخور اعتناء
نہ سمجھیں ۔"

(روزنامہ "آزاد" لاہور ۲۴ فروری ۱۹۵۱ء)

مرزائیوں کو شکست فاش

تمام کوششوں اور درخواستوں کے باوجود جب اقتدار کی طنابیں ڈھیلی نہ ہوئیں اور پنجاب مسلم لیگ اپنے فیصلے پر بضد رہی تو احرار نے اپنی مذہبی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے لنگر لنگوٹ کس لیے ۔ رضاکارانِ احرار اور رہنماؤں نے انتخابی حلقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شب و روز کی دوڑ دھوپ کے نتیجے میں حکومت جاگیر دار اور دوسرے حکومتی گماشتوں کی کوششوں کے باوجود مرزائی اپنی نشستوں پر اس بُری طرح ہارے کہ اکثر کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں ۔

لیاقت علی خان سے ملاقات

اس سال پاکستان کی عمر قریباً پانچ سال تھی ۔ مرزائی لیڈر اپنے ماننے والوں کو تاکید کر رہا تھا کہ تمام سرکاری محکموں پر قبضہ کر لو ۔ جبکہ ملکی فوج میں بھی اسی خیال اور طبقہ کے لوگ شریک تھے ۔
جبکہ دجالی گروہ اندر خانے بھارت سے تعلقات استوار کر رہا تھا ۔ اس طرح اس گروہ کو

کھلا چھوڑ دینے کو نہ تو رواداری کہا جا سکتا ہے نہ مصلحت۔ احرار رہنماؤں کے نزدیک ایمان اور وطنِ عزیز کے معاملات میں کوئی مصلحت یا رواداری ایمان کی موت کے برابر تھی۔ دوسری طرف حکومت کی عنانِ اقتدار اجاگیردار کے ہاتھوں میں تھی یا انگریز کے خطاب یافتہ لوگوں کے قبضہ میں۔ ان کی سوچ و فکر میں خلوص ہوتا تو اپنے اقتدار کی پرواہ کئے بغیر دجالی ٹولے کی حرکات پر توجہ دیتے۔

انہیں حالات کے پیشِ نظر ۱۹۵۱ء کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے پاکستان کے حکمرانوں سے کہا:

"پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔"

مگر انہیں تو ملک مفت میں ملا تھا۔ سارا کچھ دیکھتے اور جانتے پر بھی چشم پوشی کر رہے تھے۔ جبکہ اندر کا دشمن بار بار کہہ رہا تھا:

"اب سر دھڑ کی بازی لگانے کا سوال ہے یا کفر جیتے گا یا ہم مر جائیں گے۔
یا کفر مرے گا یا ہم جئیں گے۔ درمیان میں اب بات نہیں رہ سکتی۔"

(خطبہ برائے تحریک جدید۔ مرزا محمود، روزنامہ الفضل ۱۲ نومبر ۵۱ء)

اس کے ساتھ ہی پاکستان کی فوج اور تمام سرکاری محکموں پر قبضہ کی ہدایت کی جا رہی تھی۔ اِن ممکنات کے پیشِ نظر احرار رہنماؤں نے پاکستانی حاکموں کو بار بار مطلع کیا مگر

"زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد"

حالانکہ حالیہ انتخاب (۱۹۵۱ء) میں دس مرزائیوں کی شکست نے بھی ان کی آنکھیں نہ کھولیں مگر اقتدار کے نشے میں بے خبر جب کچھ نہ سمجھے تو پھر اتمامِ حجت کے طور پر ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری سمجھا گیا۔

۱۹۵۱ء کے انتخابات کے دنوں پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان سیالکوٹ کے دورے پر تھے۔ دوسری طرف احرار رہنما قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی اسی علاقہ میں تھے۔ اس موقعہ پر قاضی صاحب حفیظ رضا پسروری کے ساتھ سیالکوٹ ریلوے اسٹیشن پر لیاقت علی خان سے اُن کے سیلون میں ملے۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادی

قاضی صاحب نے تفصیل کے ساتھ وزیر اعظم سے گذارش کی کہ یہ نشستیں جن پر مسلم لیگ نے مرزائیوں کو ٹکٹ دیئے ہیں، مسلمانوں کی ہیں۔ جبکہ مرزائی مسلمان نہیں۔

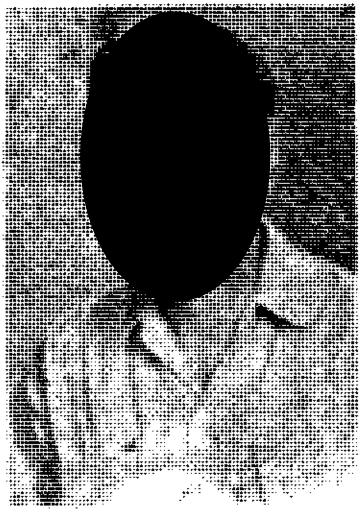

حفیظ رضا پسروری

اس پر وزیر اعظم لیاقت علی خان حیران ہوئے۔ اس موقعہ پر قاضی صاحب نے دجالِ اعظم (مرزا غلام احمد) کی تحریر کے چند حوالے پیش کئے۔

محمد پھر اُتر آئے ہیں ہم میں اور پہلے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل، غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

•

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رات کا چاند ہے۔ اور میں (غلام احمد) چودھویں رات کا چاند ہوں۔"

•

لیاقت علی خان نے اس جملے پر پنسل کا نشان لگایا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے غلام احمد

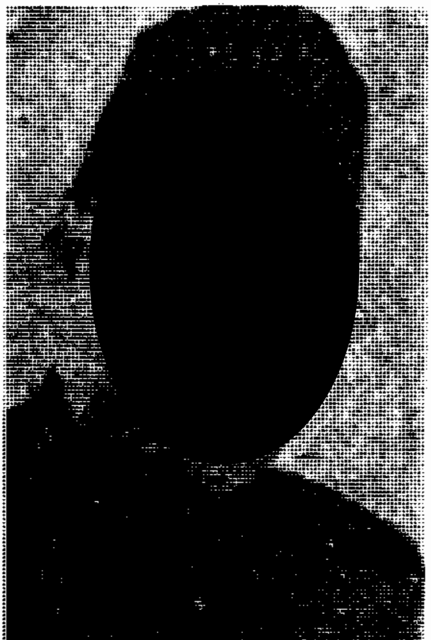

لیاقت علی خان

کی وہ تمام تصانیف دکھائیں۔ جس میں حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ،حضرات حسنین رضوان اللہ اجمعین اور دیگر اہلِ بیت کے خلاف توہین آمیز کلمات درج تھے ۔ لیاقت علی خان ان تمام عبارات کو انڈر لائن کرتے گئے۔ اور کتب اپنی میز پر رکھوالیں۔

قاضی صاحب غلام احمد کی عبارتیں پڑھتے اور روتے رہے۔ لیاقت علی خان کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔

تمام عبارتیں سن کر لیاقت علی خان نے کہا:

”قاضی صاحب! آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب دعا کریں اللہ تعالےٰ مجھے اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔“

لیکن وقت اور موت نے فرصت نہ دی کہ وہ اپنے وعدے کی وفا کر سکتے۔ ایسا لگتا ہے کہ لیاقت علی خان کے آخری الفاظ مرزائیوں تک پہنچ گئے تھے اور لگتا ہے کہ ان کی شہادت کی سازش میں دجالی گروہ کا ہاتھ ہو؟

اس موقعہ پر روزنامہ جنگ ۹ مارچ ۱۹۸۶ء کا یہ تراشہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

لیاقت علی خان کو جرمن قادیانی نے قتل کیا تھا

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو سید اکبر نے نہیں بلکہ ایک جرمن قادیانی کنزے نے قتل کیا تھا اور کنزے کی پرورش قادیانی لیڈر سر ظفر اللہ نے کی تھی۔ یہ انکشاف کراچی سے شائع ہونے والے ایک جریدے میں پاکستان کے سراغ رساں جیمز سالومن ونسنٹ کی یادوں کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ جیمز نے لکھا ہے کہ اس جرمن شخص نے عیسائیت ترک کر کے قادیانی مذہب اختیار کیا تھا اور قادیانی گھرانے میں شادی کے بعد وہ پاکستان میں مقیم ہو گیا تھا ۔ جیمز سالومن کے مطابق کنزے آج کل مشرقی برلن میں قیام پذیر ہے کنزے ظفر اللہ کے بھائی چودھری عبداللہ کے پاس باقاعدگی سے آیا کرتا تھا۔ جو اس وقت کراچی میں ایڈیشنل کسٹوڈین تھے انہوں نے اسے گرفتاری سے پہلے ملک

سے باہر بھیج دیا تھا۔ جب کمپنی باغ راولپنڈی میں کنرے نے وزیراعظم لیاقت علی خان کو گولی ماری تو پولیس نے جو پوری طرح ملوث تھی اس وقت کے سازشی سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کی ہدایت پر سید اکبر کو گولی مار دی۔ اور پھر سید اکبر ہی قاتل کی حیثیت سے مشہور کر دیا گیا۔ حالانکہ سید اکبر تو کیموفلاج تھا۔ کنرے نے اس وقت پٹھانوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ اور ہماری اطلاعات کے مطابق وہ وزیراعظم لیاقت علی خان کو قتل کرنے کے بعد سیدھا ربوہ پہنچا جہاں سے اسے باہر بھیج دیا گیا۔

(بحوالہ روزنامہ جنگ ۹ مارچ ۱۹۸۶ء)

انہی دنوں دیگر پاکستانی حکمرانوں سے بھی قاضی صاحب کی ملاقاتیں ہوئیں۔ انہیں بھی مرزائی لٹریچر اور اندرونی سازش سے آگاہ کیا گیا۔ چودھری محمد علی جو اُن دنوں پاکستان کے سیکرٹری جنرل تھے۔ انہیں بھی قادیانیوں کی سازشوں سے آگاہ کیا گیا اور اکھنڈ بھارت کے سلسلے میں بھی مرزائیوں کا نظریہ واضح کیا۔ چودھری صاحب سے یہ ملاقات رات دو بجے تک رہی۔

۱۹۵۲ء

مسلمان اور مرزائی آمنے سامنے سیاست کی لڑائی فریقین دجل اور فریب سے لڑتے ہیں۔ جبکہ مذہب کی جنگ صاف اور واضح عنوان سے لڑی جاتی ہے۔

مرزائیوں سے مسلمانوں کا قضیہ کسی فریب پر مبنی نہیں تھا۔ اوّل ایمان اور مسئلہ ختم نبوت، دوسرے درجے پر وطنِ عزیز کا دفاع۔ احرار رہنماؤں نے حاکمانِ وقت کو ۱۹۴۷ء سے تا آن راستے کے ہر موڑ پر صاف ستھرے طریق سے سمجھایا کہ تم آستین مار کو دودھ پلا رہے ہو۔ یہ کسی نہ کسی وقت تمہیں ڈسیں گے۔ مگر انگریز کی سیاست کے پروردہ نے سمجھانے والوں کو اُلٹا اپنا دشمن سمجھا۔

خواجہ ناظم الدین سے ملاقات بہر طور وقت کے ساتھ مسلمانوں اور مرزائیوں کے

درمیان کھچاؤ بڑھتا گیا۔ حاکمانِ وقت دیکھتے اور سُنتے ہوئے صرف اپنے اقتدار کی حفاظت میں مصروف رہے۔ تا آنکہ ۱۹۵۲ء کا سال آگیا۔

روشنی جیسے جیسے پھیلتی گئی، دِلوں کے اندھیرے دُور ہوتے گئے۔ وطنِ عزیز کے لیے دجالی گروہ کے اندر کی میل مزید نکھر کر اُبھری۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے وزیرِ اعظم کی کرسی سنبھالی۔ لیاقت علی خان اپنی نجی زندگی میں ایک جاگیردار تھے (اُن کے دامن پر غداری کا کوئی داغ نہیں نہ وطنِ عزیز کے خلاف نہ اسلام کے خلاف) لیکن نئے وزیرِ اعظم کے شجرۂ نسب میں ہمیشہ غیر ملکی حکومت کے قلم نے رنگ بھرا۔

۳ مارچ ۱۹۵۲ء کو حسبِ دستور قاضی احسان احمد مولانا احتشام الحق تھانوی کی ہمراہی میں خواجہ ناظم الدین سے ملے اُنہیں دجالی گروہ کا اسلام اور وطنِ عزیز کے خلاف لٹریچر دکھایا امید تھی کہ خواجہ صاحب کوئی بہتر فیصلہ کریں گے۔ مگر ۱۹ مارچ کو پارلیمنٹ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فقط اتنا کہا کہ:

"مختلف اداروں کے علماءِ دین نے احمدی فرقے سے متعلق بہت کچھ کہا ہے اور مطالبات کئے ہیں۔" (اور بس)

جولائی ۱۹۵۲ء کے وسط میں روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر اختر علی خان نے خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کی (بقول اختر علی خان) خواجہ صاحب سے مرزائیوں کے خلاف علمائے دین کی تحریک کا ذکر کیا تو جواب میں خواجہ صاحب نے جو کچھ کہا انہوں نے ۴ اگست ۱۹۵۲ء کے روزنامہ زمیندار میں اس طرح شائع کیا۔ ملاحظہ ہو:

"خواجہ ناظم الدین سے مطالبات کا ذکر کیا تو میں اُن کے منہ کی طرف دیکھنے لگا کہ اُن پر اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ جواب میں خواجہ صاحب نے کہا۔ مجھے ملک کے جذبات اور احساسات کا پورا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان کیا چاہتے ہیں لیکن میں اُنہیں کہوں گا کہ حکومت ان کے جذبات کا پورا پورا احترام کرتی ہے لیکن اُن کے مطالبات کو پورا کرنے کے راستے میں

کچھ آئینی دشواریاں ہیں ۔ اُن دشواریوں کو دُور کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

نیز آپ نے کہا کہ یہ فیصلہ علمائے کرام کی عین مرضی کے مطابق ہوگا۔ میری حکومت ۱۴ر اگست کو بنیادی حکمت عملی کا اعلان کر دے گی۔ مجھے امید ہے کہ یہ وضاحت ملک کی رائے عامہ کو مطمئن کر دے گی "

مندرجہ بالا بیان کی تردید کرتے ہوئے خواجہ ناظم الدین نے مولانا اختر علی خان سے صرف اتنا کہا کہ میں اِس مسئلے کے متعلق یوم پاکستان مورخہ ۱۴ر اگست کو اپنی تقریر میں کچھ بیان کروں گا۔

مولانا اختر علی خان نے کراچی سے واپس آکر، زمیندار مورخہ ۱۴ر اگست میں جلی قلم سے اعلان شائع کیا کہ قادیانیوں کے متعلق مرکزی پالیسی کا اعلان وزیراعظم صاحب یوم پاکستان پر اپنی تقریر میں کر دیں گے ۔ اور یہ اعلان شریعت اور علماء کی خواہش کے مطابق ہوگا۔ مولانا نے اس خبر میں یہ غلط بیانی کی کہ انہوں نے وزیراعظم کی خدمت میں تحریک ختم نبوت کے ایک وفد کی قیادت کی تھی۔ حالانکہ واقعہ صرف اتنا تھا کہ مولانا کسی پریس کانفرنس کے ممبر کی حیثیت سے کراچی گئے تھے اور اسی سلسلے میں کانفرنس کے بعض دیگر ممبروں کی معیت میں وزیراعظم سے ملے تھے ۔ احمدیوں کے مسئلے کا ذکر صرف ضمنی حیثیت سے ہوا ہے ۔

وزیراعظم سے ملاقات ۱۳ر اگست ۱۹۵۲ء کو ایک وفد وزیراعظم کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے ارکان یہ تھے :

ماسٹر تاج الدین انصاری ، مولانا ابو الحسنات محمد احمد ، مولانا مرتضیٰ احمد میکش، شیخ حسام الدین ، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا عبد الحامد بدایونی ۔ اس وفد نے ایک تحریری یادداشت پیش کی جس میں احمدیوں کے خلاف شکایات درج تھیں اور اُن کے متعلق مندرجہ ذیل مطالبات کئے گئے تھے ۔

۱۔ احمدیوں کو ایک اقلیت قرار دیا جائے ۔

۲۔ چودھری ظفراللہ خاں وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کئے جائیں ۔

۴۔ احمدیوں کو مملکت کے کلیدی عہدوں سے موقوف کر دیا جائے۔

خواجہ ناظم الدین نے جواب میں کہا کہ وہ اس وقت دوسرے دن کے لیے (جو یوم پاکستان تھا) بعض مصروفیتوں میں اُلجھے ہوئے ہیں اس لیے اس مسئلے پر گفتگو کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ ارکان وفد اُن سے اُس وقت ملیں جب یوم پاکستان کی مصروفیتوں سے فراغت ہو جائے۔ یوم پاکستان کی تقریر میں وزیر اعظم نے احمدیوں کے متعلق یا اُن کے خلاف مطالبات کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہا۔ بلکہ اس کے برعکس اس تقریر میں اخبارات کی غلط افواہوں کا اشارتاً ذکر کر کے اُن کی مذمت کی گئی۔ اور اُن اندرونی افتراق انگیز عناصر کا تذکرہ بھی کیا گیا جن کو اگر روکا نہ گیا تو ملک پارہ پارہ ہو جائے گا۔

تاہم اسی دن حکومت نے یہ سرکاری اعلان شائع کیا کہ:

"حکومتِ پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ صوبائی یا مرکزی وزارتوں کا کوئی رُکن اُن اشخاص میں جن کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ کسی فرقہ وار عقیدے کی تبلیغ کے لیے اپنی سرکاری پوزیشن کو استعمال نہ کرے گا۔ ہر گورنر کو ہدایت کی گئی کہ یہ فیصلہ تمام وزیروں تک پہنچا دیں۔ اور حکومت توقع رکھتی ہے کہ آئندہ کوئی وزیر اس قاعدے کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔"

حکومت پاکستان کو اکثر اس امر کی شکایات موصول ہوئی ہیں کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے بعض افسر جو ایک خاص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں اور ان دوسرے اشخاص کے درمیان جن کے ساتھ سرکاری حیثیت میں اُن کا واسطہ پڑتا ہے۔ اپنے فرقہ وار عقائد کی تبلیغ کے لیے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ حکومت اس معاملے کو سخت نامناسب خیال کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپسندیدہ سرگرمی کو فی الفور ختم کر دیا جائے اور آئندہ کے لیے اس قابل اعتراض طریقے سے فرقہ وار عقائد کی تبلیغ کو

ممنوع قرار دیا جائے۔
گورنمنٹ سروس کانڈکٹ رولز (قواعد کردارِ ملازمان سرکاری) میں اس منشا کے مطابق ترمیم کردی گئی ہے۔
حکومت اعلانِ عام کرنا چاہتی ہے کہ جو شخص خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اس قاعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس کے خلاف شدید کارروائی کی جائے گی۔ پاکستان کی صوبائی اور ریاستی حکومتوں کو بھی اسی قسم کے اقدام کی ہدایت کی گئی ہے۔"

چور کی داڑھی میں تنکا (مجرم آپ بول پڑا) چونکہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس اعلان کا روئے سخن چودھری ظفر اللہ خان اور دوسرے احمدی افسروں کی طرف ہے اس لیے چودھری ظفر اللہ خان نے فوراً مندرجہ ذیل بیان اخبارات میں شائع کرایا:

"میں ان تعلیمات اسلامی کے مطابق جو قرآن مجید میں مندرج ہیں اور جن کا نمونہ رسول پاکؐ کی حیاتِ طیّبہ میں موجود ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آزادیٔ ضمیر پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں میرے خیال میں سرکاری اثر و نفوذ کا استعمال بھی براہِ راست دباؤ یا تشدد ہی کی مانند آزادیٔ ضمیر میں مداخلت کا حکم رکھتا ہے۔ بلکہ اسلام نے تو ہر مسلمان پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں قول و فعل سے احکام اسلامی کی تعمیل کا ثبوت دے۔ یہ وہ فرض ہے جس کی طرف سے مسلمانوں نے اپنے دورِ زوال میں افسوسناک غفلت برتی۔ جس کے نتائج ان کی انفرادی اور قومی زندگیوں پر بالکل واضح ہیں۔
خود میرے عقائد میرے جاننے والوں سے (خواہ وہ مجھے شخصاً جانتے ہوں یا میری شہرت کی وجہ سے واقف ہوں) کبھی پوشیدہ نہیں رہے۔ گو پچھلے دنوں بعض حلقوں میں ان کو بگاڑ کر پیش کرنے اور ان کے متعلق غلط بیانی کرنے کی مسلسل کوششیں کی گئی ہیں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں اس امر کو خلافِ دیانت

اور خلافِ تعلیمات اسلامی سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے سرکاری عہدہ و اختیار کو بالواسطہ یا بلا واسطہ استعمال کر کے اپنے مذہبی عقائد کو دوسروں پر زبردستی منڈھ دے۔ یا اسی قسم کے اثر و رسوخ سے کام لے کر کسی شخص کو اس کے حقیقی عقائد کے ترک پر مجبور کرے۔ میں جس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اس میں اس اصول کی وسیع تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس کو مسلمہ اصول سمجھا جاتا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ اس جماعت کا کوئی فرد اس صحیح اور مفید اصول کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو مجھے یقیناً بے حد حیرت اور انتہائی اذیت ہوگی۔

یہ صحیح ہے کہ جہاں تک ہمارے محدود وسائل اجازت دیتے ہیں ہمارے خیالات و عقائد کی وسیع تبلیغ کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس فریضے کی بجا آوری میں کیا جاتا ہے جو سب صحیح الخیال لوگوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ جن عقائد کو تہ دل سے صحیح سمجھیں اُن کی مسلسل اور مخلصانہ نشر و اشاعت اپنے قول و فعل سے کرتے رہیں تا کہ راستبازی پھیل جائے اور نیکیاں قائم ہو جائیں۔ اگر اس مقصد کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا جس سے جبر اور دباؤ اور ناواجب وسائل کے استعمال کی بُو آتی ہو تو خود یہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ جس شخص کے متعلق ایسا طریقہ استعمال کیا جائے گا اس کا ردِّ عمل لازماً مخالفانہ ہوگا اور وہ محسوس کرے گا کہ اس کو آزادی اور خوشدلی سے بنیادی صداقتوں کے مطالعہ اور ان پر غور و خوض کرنے کی دعوت نہیں دی جا رہی ہے بلکہ ایک ایسے عقیدے کے ظاہری قبول پر مجبور کیا جا رہا ہے جس کو اس کا ضمیر تسلیم نہیں کرتا۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جس جماعت کے خلاف بعض حلقے جو عظیم اکثریت ہونے کے دعوے دار ہیں۔ برابر غلط بیانی اور جبر و ظلم میں مصروف ہیں۔ اس جماعت کے ارکان اس قسم کے طور طریقے اختیار نہیں کر سکتے۔ جب انہیں ایسی باتوں کے لیے اتہام، استہزا اور نفرت کا نشانہ بنایا جا

رہا ہے جو ان کے عقائد میں بھی شامل نہیں اور جن پر انہوں نے کبھی عمل بھی نہیں کیا۔ تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے طور طریقوں کو اختیار اور استعمال کرنا شروع کر دیں گے جو نہ صرف اسلام کے بلکہ عقل صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ اور جن سے ان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ پھر ایسی حالت میں وہ شدید سزا اور شدید ندامت سے بچنے کی کیونکر توقع رکھ سکتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے جو اعلان کیا گیا ہے میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ باشندگان پاکستان کے تمام طبقے اس اعلان کو ہر دم پیش نظر رکھیں گے اور دین و ایمان کے متعلقہ امور میں سکون و متانت اور سنجیدگی و رواداری کی فضا قائم کرنے میں معاون ہوں گے۔

جن موضوعات سے انسانی ذہن کا تعلق ہے اور جن کا اثر ذہن قبول کرتا ہے ان میں بلند ترین موضوعات ایمان و اعتقاد ہیں۔ اس دائرے میں انتہائی حزم و احتیاط لازمی ہے مبادا اللہ کی نظروں میں ہم اس گناہ کے مرتکب قرار پائیں کہ ہم نے کسی شخص کو ایسے عقیدے کے اعلان پر مجبور کیا جسے اس کا ضمیر قبول نہیں کرتا تھا کوئی شخص جو اس قسم کے فعل کا مرتکب ہے وہ وزیر ہو حاکم ہو۔ یا کوئی غیر سرکاری فرد ہو حقیقت میں مومنین مخلصین کی نہیں بلکہ منافقین کی جماعت پیدا کرنے کا خواہاں ہے۔

وفد کی دوبارہ ملاقات

مجلس عمل کے ارکان جو ۱۳ر اگست کو خواجہ ناظم الدین سے ملے تھے۔ ۱۶ر اگست کو پھر ملے۔ اس موقعہ پر سردار عبدالرب نشتر، مسٹر گورمانی بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کا نتیجہ ارکان وفد کے لیے واضح طور پر دل شکن تھا۔ خواجہ ناظم الدین نے کہا:

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ دستور ساز اسمبلی کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے۔ اور میں اس معاملہ میں کسی اقدام پر آمادہ نہیں ہوں۔

خواجہ صاحب نے مزید کہا:

چودھری ظفر اللہ خاں کو خود قائد اعظم نے مقرر کیا تھا۔ اس لیے میں انہیں برطرف کرنے کا مجاز نہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ احمدی افسران کو کلیدی عہدوں سے الگ کیا جائے تو اس کے متعلق ارکان وفد کو دلائل و براہین کی مدد سے کیس تیار کرنا چاہیے۔ اور ربوہ کے متعلق جو شکایات ہیں وہ صوبائی حکومت کے سامنے پیش کرنی چاہئیں۔

جہانگیر پارک میں ظفر اللہ کی تقریر

کراچی میں اشتہار لگائے گئے کہ انجمن احمدیہ کراچی کا ایک جلسہ ۱۷، ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک میں منعقد ہوگا اور اس میں دوسرے مقررین کے علاوہ چودھری ظفر اللہ خان بھی تقریر کریں گے۔ اگرچہ یہ جلسہ انجمن احمدیہ کے زیر اہتمام ہو رہا تھا لیکن یہ جلسہ عام تھا جس میں جمہور کا کوئی فرد بھی تقریریں سننے کے لیے شریک ہو سکتا تھا۔

اس جلسہ سے چند روز پہلے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم نے اس جلسے کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ کہ چودھری ظفر اللہ خاں نے ایک فرقہ وار جلسہ عام میں شرکت کا ارادہ کیا ہے لیکن چودھری ظفر اللہ خاں نے خواجہ ناظم الدین سے کہا کہ میں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر چند روز پہلے مجھے یہ مشورہ دیا جاتا تو میں جلسے میں شریک نہ ہوتا لیکن وعدہ کر لینے کے بعد میں اس جلسے میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیر اعظم اس بات پر مُصر ہوں کہ مجھے جلسہ میں شامل نہ ہونا چاہیے تو میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔

اس جلسے کے پہلے اجلاس میں عوام کی طرف سے ناراضگی کا مظاہرہ کیا گیا اور اجلاس کی کارروائی میں مداخلت کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں لیکن ۱۸ مئی کو قیام امن کے لیے خاص انتظامات کئے گئے اور چودھری ظفر اللہ خاں نے اس عنوان پر تقریر کی کہ "اسلام زندہ مذہب ہے"۔ ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی برتری اور ختمیت کے مسئلے پر یہ ایک فاضلانہ تقریر تھی مقرر نے واضح کیا کہ قرآن آخری الہامی کتاب ہے جس میں عالم انسانیت کے لیے آخری ضابطہ حیات مہیا کیا گیا ہے۔ کوئی بعد میں آنے والا ضابطہ اس کو موقوف نہیں

کر سکتا۔ پیغمبر اسلام صلعم خاتم النبیین ہیں جنہوں نے عالم انسانی کو اللہ تعالےٰ کا آخری پیغام پہنچایا ہے اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت کا حامل ہو یا قرآنی شریعت کے کسی قانون کو منسوخ کر سکے۔ احمدیوں کے مسلک کے متعلق پوری تقریر میں صرف اتنا اشارہ کیا گیا تھا کہ (رسول اللہ کے) وعدے کے مطابق ایسے اشخاص آتے رہیں گے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے تجدید دین پر مامور ہوں گے تاکہ اصلی دین اسلام کی پاکیزگی کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس کی اصلاح و تجدید کریں اور اگر اس میں کوئی غلطی فروگزاشت یا بدعت راہ پاگئی ہو تو اس کو دور کر دیں۔ مقرر نے دعویٰ کیا کہ غلام احمد اسی قسم کے مجدد تھے۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالےٰ نے خود لگایا ہے اور اب جڑ پکڑ گیا ہے تاکہ قرآن کے وعدے کی تعمیل میں اسلام کی حفاظت کا ضامن ہو۔ اور اگر یہ پودا اکھیڑ دیا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا بلکہ ایک سوکھے ہوئے درخت کی مانند ہو جائے گا۔ اور دوسرے مذاہب پر برتری کے ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔

انجمن احمدیہ کے اس جلسے نے کراچی میں فسادات کو پھوٹ پڑنے کا موقع دیا۔ حکام کو پیشتر اطلاع مل چکی تھی کہ جلسے میں ابتری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ انتظام قائم رکھنے کی ضروری تدابیر کی جا چکی تھیں۔ ۱۷ رمئی کو بعض اشخاص نے جلسے میں گڑبڑ پیدا کرنے کی غرض سے حاضرین پر پتھر پھینکنے شروع کیے پولیس کے پندرہ کانسٹیبلوں کو چوٹیں آئیں۔ لیکن صورت حالات پر قابو پا لیا گیا۔ بلوائی گرفتار کر لیے گئے اور جلسے کی کارروائی شروع رہی۔ بلوائیوں کا ایک گروہ شیزان ہوٹل (جس کے مالک احمدی ہیں) پہنچا اس کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے اور عمارت کو آگ لگا دینے کی کوشش کی۔ شاہنواز موٹرز (جس کے مالک احمدی ہیں) کے شوروم میں اینٹیں برسائی گئیں جن سے ایک نئی موٹر کو نقصان پہنچا۔ بندر روڈ پر احمدیہ لائبریری اور ایک احمدی کی فرنیچر کی دکان کو آگ لگانے کی کوشش بھی کی گئی۔ اس دن ساٹھ آدمی گرفتار کیے گئے۔

ارکان وفد کے جواب میں خواجہ ناظم الدین کا یہ کہنا کہ ظفر اللہ کو خود قائد اعظم نے مقرر

کیا تھا اس لیے ہیں انہیں برطرف کرنے کا مجاز نہیں ۔ وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے اُن کی یہ بات اصولِ حکومت کے منافی تھی حکومت شخصیت پرستی پر نہیں اصول پرستی پر ہوتی ہے ۔ اگر خواجہ صاحب امورِ سلطنت سے آشنا ہوتے تو اُن کا یہ جواب مناسب نہیں تھا۔ ضابطۂ حکمرانی میں اصول کارفرما ہوتے ہیں، شخصیتیں نہیں ۔

قائد اعظم تو ظفر اللہ کے کفریہ عقائد سے آشنا نہیں تھے ۔

؏ گر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہُوا تھا

خواجہ صاحب کو ارکانِ وفد نے دو دفعہ کی ملاقات میں مرزائیت کے تمام کفریہ عقائد سے آگاہ کر دیا تھا ۔ اس سے پیشتر ظفر اللہ نے اپنے مذہبی عقائد کی پاسداری کو ملحوظ رکھا، یہاں تک کہ بانیٔ پاکستان کی نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہُوا ۔ جب اس سے یہ سوال کیا گیا کہ :

"آپ قائد اعظم کی نمازِ جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے اور غیر مسلموں کے ساتھ الگ بیٹھے رہے؟"

جواب میں ظفر اللہ نے کہا :

"آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں یا مسلمان حکومت کا کافر وزیر"

علاوہ ازیں سرکاری اعلان کے جواب میں ظفر اللہ نے جس جرأت سے اپنے کفر کا اقرار کیا، قابلِ داد ہے ۔ ۱۷، ۱۸ مئی کو جہانگیر پارک (کراچی) میں ظفر اللہ کی تقریر ناظم الدین حکومت کے لیے ایک چیلنج تھا ۔ اس کے باوجود خواجہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ قائد اعظم نے ظفر اللہ کو نامزد کیا تھا ۔ جبکہ ظفر اللہ کا پیر و مرشد ابنِ دجال نہایت دیدہ دلیری سے اعلان کر رہا ہے :

جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں ۔ اُن سے جماعت پوری طرح فائدہ نہیں اُٹھا سکتی ۔ مثلاً موٹے موٹے محکموں میں فوج ہے، پولیس ہے، ایڈمنسٹریشن، اکاؤنٹس ہے، کسٹم ہے، انجینئرنگ ہے ۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے محکمے جن کے ذریعے جماعت اپنے حقوق محفوظ کر سکتی ہے ۔ پہلے بھی اس طرح کہا تھا

کہ ہر ضلع میں ہمارے آدمی موجود ہوں اور ہر طرف ہماری آواز پہنچ سکے۔

(روزنامہ الفضل خطبہ مرزا محمود ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

خواجہ صاحب سے مرزا محمود کی یہ باتیں سلطنت کے سنگھاسن پر بیٹھے ہوئے کیسے مخفی رہیں؟ (مصنف)

احرار کا جاسوس ربوہ میں

لڑائی میں فریقین اپنے لیے ہر حربہ جائز سمجھتے ہیں۔ مخبر یا جاسوس بھی اس میدان کے اہم رکن سمجھے جاتے ہیں۔

مسلمان اور دجالی گروہ کی جنگ گو آئینی جنگ تھی۔ تاہم اپنی جگہ دونوں ایک دوسرے کو مات دینے میں مصروف رہتے۔ احرار جو اس لڑائی میں اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہیں فقط تائید ایزدی حاصل تھی۔ دوسری طرف فوج سے انتظامیہ تک، مرزائیوں کے ساتھی اور نگہدار تھے۔ ربوہ دشمنانِ دین کی اہم خفیہ پناہ گاہ تھی۔ سامانِ حرب سمیت غارتِ ایمانی کا خاصہ ذخیرہ موجود تھا۔ احرار تھے کہ اُن کے پاس اپنے دفتر کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ دشمن بے دھڑک آتا اور اپنی مرضی کے راز معلوم کر کے چلا جاتا۔

؎ ناخدا جن کا نہ ہو اُن کا خدا ہوتا ہے

گوجرانوالہ سے ایک بڑھئی کے لڑکے مرزا عبدالغنی کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ احرار کا جاسوس بن کر مرزائیوں میں شامل ہو گیا۔ دجالی اس کے مرزائی ہونے پر بے حد خوش ہوئے۔ قبل ازیں مرزا عبدالغنی گوجرانوالہ احرار کارکنوں میں شامل تھے۔ جب انہوں نے مرزائی ہونے کا اعلان کیا تو مقامی مرزائی بہت خوش ہوئے۔ ادھر مقامی مرزائیوں کی ہر روز کی کارروائی احرار کے پاس پہنچنے لگی۔

اُن دنوں دونوں طرف سے اشتہار بازی زوروں پر تھی۔ احرار کارکنوں کو اطلاع مل جاتی کہ آج رات مرزائی فلاں محلہ یا علاقہ میں اپنے اشتہار لگائیں گے۔ احرار رضاکار پہلے سے وہاں جا کر چھپ جاتے۔ جیسے ہی مرزائی اشتہار لگانے آتے اُن کے اشتہار پھاڑ دیتے اور خوب پٹائی کرتے۔ اس میں خصوصیت سے مرزا عبدالغنی کی خوب پٹائی کی جاتی۔ اور وہ خاصے زخمی ہوتے یہ سلسلہ ہفتوں جاری رہا۔

اس پر مرزائیوں کو احرار کے جاسوس پر رتی بھر شبہ نہ رہا۔ وہ اس پر مکمل اعتماد کرنے لگے ۔ دشمن کی ہر روز کی خبریں احرار تک پہنچتیں ۔ مرزائی خود پریشان تھے کہ ایسا کیسے ہو رہا ہے۔ جو منصوبے ہم سوچتے ہیں وہ عمل سے پیشتر احرار تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے اشتہار پھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ آدمی لہولہان ہوتے ہیں ۔ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ؟

اس پر مرزا عبدالغنی نے مقامی مرزائیوں سے درخواست کی کہ :

" احرار کارکن بری طرح میرے دشمن ہو رہے ہیں ۔ ڈر ہے کہیں مجھے قتل نہ کر دیں ۔ اس لیے آپ مجھے ربوہ بھیج دیں "۔

چونکہ دجالی گروہ احرار کے جاسوس سے اپنے طور پر پوری طرح مطمئن تھا انھوں نے ربوہ کی دجالی انتظامیہ سے درخواست کی کہ مرزا عبدالغنی کو ربوہ آنے کی اجازت دی جائے ۔ ہم اس سے مطمئن ہیں ۔ اس پر احرار کا جاسوس ربوہ پہنچ گیا ۔ بڑے اہتمام سے انہیں مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا ۔

مرزائیوں کو شبہ تھا کہ احرار مرزائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرانے کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں ۔ مرزا عبدالغنی سے وہ اس کی تصدیق چاہتے تھے ۔ اس کے جواب میں مرزا عبدالغنی نے کہا ۔

" سنا تو ہے کہ وہ اس کے لیے کچھ نوجوانوں کو اس کے لیے تیار کر رہے ہیں اور ربوہ پر بھی حملہ کی تیاریوں کا ارادہ رکھتے ہیں "۔

اس پر دجالی گروہ کی مزید ہواسر کی ۔ حالانکہ احرار کا ایسا کوئی پروگرام یا ارادہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی احرار لا اکراہ فی الدین کے مطابق تشدد کے قائل تھے ۔ مگر ایک دفعہ تو دشمن کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ۔ انھوں نے احرار کے جاسوس سے یہ اہم راز معلوم کر لیا ۔ اس پر احرار کے جاسوس کو بہت احترام ملا اور وہ ان کے نزدیک تر ہو گئے ۔

تحریک ختم نبوت اور احرار ایجی ٹیشن کا سامنا کیونکر کیا جا سکتا ہے ؟ دجالی مجلس شوریٰ میں ہر روز اس پر بحث رہتی ۔ ابن دجال کی کسی نہ کسی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ۔ مرزا عبدالغنی شوریٰ کا ممبر نہ ہونے پر بھی یہ فیصلہ بہر طور حاصل کر لیتا اور رات بارہ بجے کے بعد چپکے سے

دریائے چناب کا پل عبور کر کے سرگودھا سے لاہور جانے والی بس میں بیٹھ کر لاہور دفتر احرار میں پہنچ جاتا۔

ماسٹر تاج الدین انصاری روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر اور تحریک کے نگران تھے ۔ مرزا عبدالغنی تمام کارروائی اُن کے حوالے کر کے فوراً واپس سرگودھا جانے والی لاری کے ذریعے طلوعِ آفتاب سے پہلے ربوہ پہنچ جاتا۔ ربوہ کی شوریٰ کی تمام کارروائی دوسرے دن کے آزاد میں من وعن شائع ہو جاتی ۔

اس پر دجالی ٹولہ کے ساتھ حکومت پنجاب کی سی آئی ڈی بھی پریشان تھی کہ یہ سب کیا ہے ۔ یہاں تک کہ پنجاب پولیس کے ایس پی میاں انور علی نے ایک دن ماسٹر تاج الدین کو اپنے دفتر میں طلب کر کے یہ معلومات حاصل کرنا چاہیں ۔

ماسٹر جی ! آپ تک یہ خبریں کیسے پہنچ رہی ہیں ۔

ماسٹر جی : میاں صاحب ! اپنے اپنے ذرائع ہوتے ہیں ۔ خود مجھے بھی علم نہیں ۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ میری میز پر یہ تمام رپورٹ میرے پہنچنے سے پہلے موجود ہوتی ہے ۔

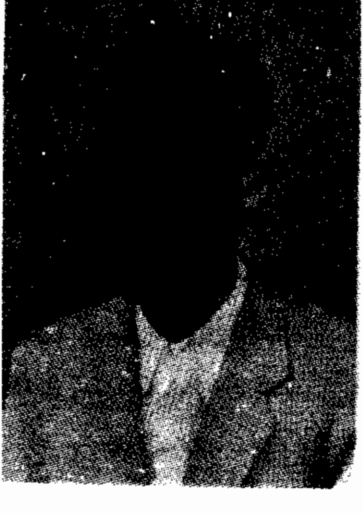

مرزا عبدالغنی

مرزا عبدالغنی ۔ آج کل

ایس پی : ایسے شخص کو تو ہمارے محکمہ میں ہونا چاہیے ۔ حالانکہ ربوہ میں ہماری سی آئی ڈی بھی موجود ہے لیکن انہیں یہ خبر نہیں ۔ آپ کا نامہ نگار تو وہاں ہوگا؟

ماسٹر جی : جماعت نے اخبار آزاد کی طرف سے ربوہ میں فی الحال کوئی نمائندہ مقرر نہیں کیا۔ اگر ہوتا بھی تو یہ صحافتی دیانت کے خلاف ہے کہ میں اس کی نشاندہی کروں ۔

ماسٹر جی کے آخری فقرے سے پولیس آفیسر کو یقین ہو گیا کہ کوئی مقصد ہے ۔ بہر حال تحقیقات میں وہ ناکام رہا۔

ربوہ سے فرار

ہوا یوں کہ ایک روز ظفر اللہ کی طرف سے کوئی خفیہ چھٹی ربوہ پہنچی ۔ اسے دجالی گرہ کی طرف سے مرزائی گروہ میں بطور سرکلر تقسیم ہونا تھا۔ اس کی مزید کاپیاں کرنے کے لیے یہ چھٹی مہمان خانے پہنچی ۔ جہاں سے یہ چھٹی مرزا عبدالغنی کے ہاتھ آگئی ۔ یہ اسے لے اڑے ۔ ان کے بعد چھٹی کی تلاش شروع ہوئی ۔ چونکہ عبدالغنی کی رہائش مہمان خانہ میں تھی اور وہ یہاں سے غائب تھا۔ دجالیوں کو یقین ہو گیا کہ چھٹی کا چور احرار کا وہی جاسوس مرزا عبدالغنی ہی ہو سکتا ہے جو مرزائی بن کر ہمارے درمیان چھپا رہا۔

مرزا عبدالغنی کا بیان ہے کہ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ چھٹی گم ہو جانے پر مرزائی میرا تعاقب کریں گے لہذا چھٹی پھاڑ کر دریا میں پھینک دی کہ پکڑے جانے پر چھٹی برآمد نہ ہو اور اس جرم

سے بری ہو جاؤں۔ لہٰذا میں کسی طرح چھپتے چھپاتے چنیوٹ پہنچ کر وہاں سے لاہور آگیا۔

شہری اعزاز وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ
جو کوئی بھلائی (محنت) کرتا ہے پس ہرگز اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی گویا اُس کی محنت ضائع نہیں کی جائے گی۔

مرزا عبدالغنی کی مذکورہ حرکات بالکفرگڑھ (ربوہ) میں رہ کر دشمنانِ ختم نبوت کے گندے ارادوں کی خبر گیری کرنے کا مخصوص حلقے کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ مگر گوجرانوالہ پہنچنے پر راز کھلا۔ جس پر دوستوں نے اُن کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں۔ نیز آئندہ میونسپل کمیٹی کے انتخاب میں انہیں میونسپل کمشنر بنا دیا۔

"جب کوئی ایک قدم ہماری طرف آتا ہے۔ ہم سو قدم اُس کی طرف بڑھتے ہیں" (ارشاد باری تعالیٰ)

تحریک ختم نبوت کے دوران واقعہ ہذا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خیر— ظفر اللہ کی بات چل رہی تھی۔

فردِ جرم جہانگیر پارک کی تقریر کے بعد وزیر اعظم کے واضح اعلان پر سر ظفر اللہ نے جو بیان دیا۔ اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں تھی کہ دجالی گروہ کے اس برطانوی مخبر کو پاکستان ایسی اسلامی مملکت کا وزیر خارجہ رہنے دیا جاتا۔ بلکہ اس پر مقدمہ قائم کرنا چاہیئے تھا کیونکہ پاکستان ہی میں نہیں دیگر اسلامی ممالک میں بھی اس کی اسلام اور وطن دشمنی کی فہرست اسقدر طویل ہے کہ یہ شخص دار کے قابل تھا۔ چند اہم غداریوں کی نشاندہی ملاحظہ ہو۔

۱۔ ۱۹۴۷ء میں حکومتِ پاکستان نے عربوں کی امداد کے لیے اپنے وزیر خارجہ ظفر اللہ کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھیجا۔ جب یہ وہاں سے فارغ ہُوا تو انہیں دنوں ۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو امریکہ سے عرب ڈیلیگیشن نے امام جماعت احمدیہ کو شکریہ کا تار ارسال کیا۔ نیز درخواست کی کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے لیڈر چودھری ظفر اللہ کو مسئلہ فلسطین کے تصفیے تک یہیں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔

"اس سے ہمیں بے حد اطمینان ہُوا ہے اور امید ہے کہ اس سے عربوں

کے مطالبے کو بے حد تقویت ہوگی۔" (اخبار الفضل ۸ نومبر ۱۹۴۷ء)

●

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظفر اللہ حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا۔ اس کی کارکردگی سے اگر مسئلہ فلسطین کو تقویت پہنچتی ہے تو اس کے لیے شکریئے کا تار حکومتِ پاکستان کو آنا چاہیئے تھا نہ کہ ابنِ دجال مرزا بشیر الدین محمود کو؟

اگر عرب ڈیلیگیشن کا ارادہ کہ ظفر اللہ مزید کچھ دن اقوام متحدہ میں عربوں کی نمائندگی کرے تو حکومتِ پاکستان سے اجازت لینی چاہیئے تھی نہ کہ بشیر الدین محمود سے۔

ظفر اللہ کی اس حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظفر اللہ نے عرب ڈیلیگیشن کو یقین دلایا تھا کہ وہ حکومت پاکستان کی طرف سے نہیں بلکہ اپنے لیڈر بشیر الدین محمود کی طرف سے یہاں آیا ہے اور اُس کی اجازت سے ہی یہاں رُک سکتا ہے۔

●

۲۔ اس واقعہ سے کچھ دنوں بعد اخبار الفضل میں یہ خبر شائع ہوئی کہ چودھری ظفر اللہ نے واشنگٹن سے اطلاع دی ہے کہ:

"ٹرومین صدر امریکہ کے محل کے قریب احمدیہ عمارت کے لیے زمین خرید لی گئی ہے۔"

۳۔ مندرجہ بالا واقعات کے باوجود (سیٹھ ڈالمیا) کے اخبار میں جس کا ایڈیٹر مرزائی تھا کے حوالے سے پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"ہندوستان ہمارے وزیر خارجہ کی بڑی تعریف کر رہا ہے۔"

●

۴۔ لاہور کا ہفت روزہ "ایشیا" اپنی ۷ راگست ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"سر ظفر اللہ کی انہیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ تقریباً چالیس ممالک

میں قادیانیوں کے ایک سو چھتیس ۱۳۶ مشن کام کر رہے ہیں۔ ان میں ایک اسرائیل بھی ہے۔ اس کے علاوہ مرزائیوں کے مختلف ممالک سے اس وقت چوبیس اخبارات اور رسائل بھی شائع ہو رہے ہیں اور ستاون ۵۷ کے قریب مدارس کام کر رہے ہیں۔"

۵۔ ظفر اللہ نے وزارت خارجہ کے کام کو جس طرح چلایا۔ اس کا اندازہ ذیل کی دو ۲ خبروں سے کیجئے۔

ا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ کی طرف سے پبلک سروس کمیشن کے صدر مسٹر شاہد سہروردی آج کل انگلستان میں اُن امیدواروں سے انٹرویو لے رہے ہیں، جو ہمارے سفارت خانوں میں ملازمت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خبر پاکستان پہنچی تو یہاں کے اخبارات اور عوام نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا، لیکن حکومتِ پاکستان نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اسی دوران انکشاف ہوا کہ

ہمارے محکمہ خارجہ کے جوائنٹ سیکرٹری یہودی ہیں اور اس وجہ سے محکمہ خارجہ کے اسّی فیصد ملازمین غیر ملکی خصوصاً انگریز ہیں، ایک انگریز معاصر کی اطلاع کے مطابق یہودی جوائنٹ سیکرٹری

گرفتھ کو تقسیم سے پہلے پنجاب ہائی کورٹ کا رجسٹرار تھا۔ یہ اپنے عہدے کے لحاظ سے ناموزوں تھا لہٰذا اس کو اس سے علیحدہ کر دیا گیا تھا، لیکن تقسیم ملک کے بعد یہ وزارتِ خارجہ کا جوائنٹ سیکرٹری بن گیا، چونکہ ماتحت افسران ناتجربہ کار تھے، اس لئے وزارت خارجہ کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد آفیسر یہی خیال کیا جانے لگا۔

جب فلسطین میں یہودی عربوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے اس وقت پاکستان کی وزارت خارجہ کا یہ قابلِ اعتماد آفیسر

اسرائیل میں چھٹیاں منا رہا تھا۔

"گارجین" بحوالہ کوثر ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۹ء

اس خبر کے ساتھ یہ انکشاف بھی ملاحظہ ہو۔

"ہمارے مصری سفارت خانے کے سٹاف میں دو نوجوان یہودی لڑکیوں کو ملازم رکھا گیا جس سے مصری عوام اور عربی اخبارات پاکستان سے بہت ناراض ہو گئے، ان سے پہلے مصر میں پاکستانی سفیر کا پریس اٹاچی بھی یہودی تھا۔"

ہماری وزارتِ خارجہ کا پہلا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پاکستان کے خارجی معاملات میں یہودی اثر و نفوذ کی بنیاد رکھی جس کے نتیجے میں عرب ممالک کو پاکستان سے ناراض کر دیا۔

اسی طرح سر ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی حیثیت سے جنائر غرب الہند کا دورہ کیا اور اس دوو میں ٹرینداد میں مرزا صاحب کا آخر الزمان نبی کی حیثیت سے تعارف کرایا۔

پندرہ روزہ الخیر ۱۴ر جولائی ۱۹۶۷ء

ظفر اللہ کا استعفیٰ

"بلٹز" اپنے نامہ نگار کے حوالے سے ۱۵ر مئی کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ نے ۲ر جنوری کو اپنا استعفیٰ بھیج دیا تھا، مگر ابھی تک منظور نہیں ہوا۔ مسٹر لیاقت علی اسے منظور کر لینا چاہتے تھے، لیکن خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل کی مداخلت پر یہ طے پایا کہ مسٹر لیاقت علی کی لندن سے واپسی پر مصالحت کی کوشش کی جائے گی۔"

●

روزنامہ "ویر بھارت" ۱۶ جنوری ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

مسٹر لیاقت علی اور چودھری ظفراللہ میں کشمیر کے سوال پر شدید اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔"

●

انہیں دنوں کے "زمیندار" نے اپنے نامہ نگار مقیم کراچی کے حوالہ سے یہ خبر شائع کی کہ:

"مسٹر لیاقت علی خان کی لندن سے واپسی پر وزارت خارجہ میں کوئی اہم تبدیلی ہونے والی ہے۔"

●

نوٹ: قارئین کو یاد ہو گا کہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے سیالکوٹ ریلوے اسٹیشن پر ملاقات کے دوران لیاقت علی نے کہا تھا کہ

"قاضی صاحب! آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا میرے لئے دعا کریں کہ میں اپنا فرض ادا کر سکوں۔"

اس کے بعد قارئین "ویر بھارت" اور "زمیندار" کی خبروں کو دوبارہ پڑھیں۔

۱۔ "مسٹر لیاقت علی خان اور چودھری ظفراللہ میں کشمیر کے سوال پر شدید اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔"

۲۔ "مسٹر لیاقت علی خان کی لندن سے واپسی پر وزارت خارجہ میں کوئی اہم تبدیلی ہونے والی ہے۔"

ممکن ہے پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان کی شہادت انہیں دو خبروں میں پوشیدہ ہو؟

ان دنوں کے اخبارات میں ظفراللہ خان سے متعلق مختلف کارٹون شائع ہوتے
روزنامہ "آزاد" لاہور کا یہ کارٹون انہیں دنوں کی یادگار ہے۔

بانیٔ پاکستان گروہ بُرا نہ مانیں

شخصیت جس قدر بڑی ہوگی، اس سے غلطی کا امکان اُسی قدر بڑا ہوگا۔ بات مذہب کی ہو کہ سیاست کی۔ دونوں کی سوچ و فکر میں تضاد کا ہونا لازم ہے۔

مجھے تو پسند ہے مجنوں کو لیلےٰ
نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

مذہب اپنے تشخص میں نرمی کا قائل نہیں اور نہ وہ اس کی اجازت دیتا ہے۔ اس کے اصول اس قدر جامد اور غیر متزلزل ہیں کہ پیغمبر کو بھی ترمیم کا حق نہیں۔

لاریب بانیٔ پاکستان مغربی آئین اور سیاست کی اچھی بھلی سوجھ بوجھ رکھتے تھے اُن کی ابتدائی زندگی کا اکثر وقت یورپین معاشرے کے درمیان رہن سہن میں گزرا۔ خانگی زندگی میں وہ آغا خانی مذہب سے متعلق تھے۔ اسلام بنیادی طور پر اس مذہب کے اصولوں سے اختلاف کرتا ہے۔ بنابریں مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم) اگر کسی وقت اسلام کے معاملات میں دخیل ہوں تو اُن پر کوئی الزام نہیں آتا جیسے کہ روزنامہ پاکستان لاہور ۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں ایک خبر اس طرح درج کرتا ہے۔

لندن (انٹرنیشنل ڈیسک) سنڈے ٹائمز نے بیسویں صدی کی ایک ہزار بین الاقوامی شخصیات کا مختصر تعارف پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان شخصیات میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا بھی مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے کہ محمد علی جناح نے برصغیر میں ہندوؤں سے علیحدہ مسلمان قوم کو آئینی حیثیت دی وہ اس دور کی ممتاز شخصیت تھے۔ ان کا طرزِ زندگی مغربی تھا اور انہوں نے ایک غیر مسلم عورت سے شادی کی، وہ قانون دان تھے اور وہ ۱۹۱۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ میں

شامل ہوئے۔

۱۸ر جولائی ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں روزنامہ مشرق "قائداعظم کے ارشاد" کے عنوان پر لکھتا ہے۔ قائداعظم کا کہنا ہے۔

> سُنّی، شیعہ، میمن، بوہرے سبھی مسلمان ہیں، ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن کو ماننے والے ہیں، اتحادِ بین المسلمین کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔"

اگر بانیٔ پاکستان مذہب کے اصولوں سے آشنا ہوتے تو مذکرہ بالا بات کہنے سے اجتناب کرتے۔

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن

بات دور نکل گئی لیکن منزل پر پہنچنے کے لئے بعض موڑ کاٹنے پڑتے ہیں۔ جہانگیر پارک کے جلسہ میں ظفراللہ کی تقریر سے تحریک کا رُخ بدلنا پڑا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کسی ملزم کو مجرم قرار دینے سے پہلے اُسے فردِ جرم سے آگاہ کردیا جائے تاکہ انصاف میں دقت نہ ہو۔

جہانگیر پارک کا اجتماع ہی بنائے فساد ہوا جس نے آگے چل کر تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) کو جنم دیا اگر ظفراللہ وزیراعظم کے منع کرنے پر انجمنِ احمدیہ کے جلسہ پر نہ جاتا تو ممکن ہے بات اس حد تک نہ بڑھتی لیکن جب نیتوں میں فتور ہو تو جگنو کی چمک بھی آگ کا الاؤ دکھائی دینے لگتی ہے۔

وزیرخارجہ کی اس جسارت پر علمائے دین کے خدشات بڑھے۔ دوسری طرف حکومت کے تیور بدلے، چنانچہ حکومت پنجاب نے تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کے نام حسب ذیل حکم جاری کیا۔

> "احراریوں اور احمدیوں کے جلسوں پر پورا قابو رکھیں، اس سے ممکن ہے کہ حسب منشا نتیجہ نکلے اور بدنظمی کی قوتیں کچلی جائیں۔ لیکن اگر یہ کوشش بھی ناکام رہے تو ضروری ہوگا کہ سرتوڑ قسم کے

اقدامات کئے جائیں ۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۲۹)

●

ہوم سیکرٹری نے بھی امید ظاہر کی کہ،

"حکومت نے پچھلے دنوں اپنے جس فیصلے سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو مطلع کیا ہے اس سے صورتِ حال بہتر ہو جائے گی لیکن اگر نہ ہوئی تو زیادہ شدید تدابیر اختیار کرنی ہونگی۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۲۹)

●

مرکزی حکومت نے کراچی کے واقعات پر غور کیا اور انٹیلی جنس بیورو نے اپنی چھٹی نمبر (۲۵) ۵۲/B/۹ مورخہ ۲۲ رمئی ۱۹۵۲ء میں ڈی آئی جی، سی آئی ڈی پنجاب لاہور کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ

"واقعات کی رفتار سے ظاہر ہوتا ہے کہ احراری برابر احمدیوں کے خلاف دشمنی اور عداوت کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں اور ۱۷، ۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کو احمدیوں کے سالانہ جلسے میں فساد پیدا کرنے والے گروہ پر جو لاٹھی چارج کیا گیا اس سے احراریوں کے احساسات اور بھی زیادہ شدید ہو گئے ہیں۔ اُس چھٹی میں یہ بھی لکھا تھا کہ یہ نئے حالات کسی اعتبار سے بھی تسلی بخش نہیں ہیں، شعلوں کو ہوا دینے والے اشخاص کی سرگرمیوں کو روکنے کیلئے خاص تدبیر کی ضرورت ہے اور ایسی سرگرمیاں واضح طور پر دفعہ ۱۵۳۔الف تعزیرات پاکستان کے تحت آتی ہیں۔

اس چھٹی کے جواب میں چیف سیکرٹری حکومت پنجاب نے اپنی چھٹی مورخہ ۴ رجولائی ۱۹۵۲ء کو وزارت داخلہ کو اطلاع دی کہ

"حکومت پنجاب نے گشتی مراسلات نمبر ۶۴۶۹ - ۸۴/DSB مورخہ

۵؍جون ۱۹۵۲ء کے ذریعے سے تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو ہدایت کر دی ہے کہ ان تمام جلسوں کو ممنوع قرار دیں، جو احراریوں یا احمدیوں کی طرف سے منعقد کئے جائیں۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۷۹)

●

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے فوراً علیحدہ کر کے گرفتار کر لیا جاتا اور اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جاتا کہ اس نے وزیر اعظم پاکستان کی حکم عدولی کی تھی مگر اُلٹا پنجاب اور مرکزی حکومتوں نے علمائے دین کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے علماء نے فیصلہ کیا کہ

؎ یا اپنا گریبان چاک یا دامن یزداں چاک

۲؍جون کو مختلف مکاتب خیال کے علماء کا ایک اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس میں احمدیوں کے خلاف مطالبات مرتب کئے گئے اور علماء کا ایک بورڈ مقرر کیا گیا، ۱۵؍اگست کو اس بورڈ کا ایک اجلاس ہوا جس میں خاص دعوت پر شیخ حسام الدین، مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد، ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش بھی شریک ہوتے۔

بورڈ نے فیصلہ کیا کہ آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ ستمبر کو منعقد کی جائے، اس اجلاس کی صدارت مولانا سید سلیمان ندوی نے کی اور حسب ذیل مطالبات مرتب کئے۔

۱۔ احمدی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔
۲۔ چودھری ظفر اللہ کو وزیر خارجہ کے عہدہ سے الگ کر دیا جائے۔
۳۔ احمدیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے فوراً ہٹا دیا جائے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن طلب کیا جائے۔

مسلم پارٹیز کا اجلاس

حکام پاکستان کی ناعاقبت اندیشی کے باعث واقعات جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے، علمائے دین اور حکومت کے درمیان ٹکراؤ کے مواقع پیدا ہوتے چلے گئے۔ دجالی قوتیں دامن شیطنت سے اس آگ کو مزید ہوا دیتی رہتی تھیں، اگر اقتدار کے وارث سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک ہوتے تو جہانگیر پارک کے افسانوی کردار کو اس قدر اہمیت نہ دیتے لیکن مسلم لیگ کے حکمران طبقہ نے جو محض جاگیرداروں کے زیر اثر تھا سیاست سے ناآشنائی کے باعث اپنے گلے ڈال لیا تھا۔

سیاست دان اگر دوررس نگاہوں سے دیکھیں تو ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء میں پیش آنے والے واقعات نے پاکستان کو از سر نو مغربی سیاستدانوں کے گھیراؤ میں دے دیا۔ یہ خاتم الانبیاؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کی سزا ہے۔

ایک طرف حکمران اگر اپنے ذاتی وقار کو سنبھالا دیتے رہے تھے تو وارث الانبیاؐ دوسری طرف عقیدۂ ختم نبوت کا دفاع کرنے پر غور کر رہے تھے، چنانچہ کراچی کے فیصلے پر ۱۳ر جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں مسلم پارٹیز کا اجلاس طلب کر لیا گیا تاکہ حکام کے رویے کو دیکھتے ہوئے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے، اس کانفرنس کا دعوت نامہ مولانا غلام غوث ہزاروی کی طرف سے جاری کیا گیا۔ اس پر حسب ذیل حضرات کے دستخط تھے۔

(۱) مولانا غلام محمد ترنم صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان پنجاب لاہور (۲) مولانا مفتی محمد حسن صدر جمعیۃ العلمائے اسلام پنجاب لاہور (۳) مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین لاہور (۴) مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ مجلس احرار پنجاب ملتان (۵) مولانا سید محمد داؤد غزنوی

مولانا غلام غوث ہزاروی

صدر جمعیتہ اہل حدیث پنجاب لاہور (۶) مولانا سید نور الحسن بخاری ناظم اعلیٰ تنظیم اہلسنت والجماعت پاکستان لاہور (۷) سید مظفر علی شمسی ایڈیٹر اخبار شہید و سابق جنرل سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور، اگرچہ اس دعوت نامے کے دستخط کنندوں میں سے صرف ایک شخص مولوی محمد علی جالندھری نے اپنے آپ کو ناظم اعلیٰ مجلس احرار بتایا ہے۔ لیکن مولانا اختر علی خاں کی شہادت سے ظاہر ہے کہ داعی کمیٹی میں جس نے دعوت نامہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا تھا احراریوں کی غالب اکثریت تھی اور غلام غوث ہزاروی جس نے دعوت نامہ جاری کیا وہی شخص معلوم ہوتا ہے جو جماعت احرار کا سرگرم رکن تھا، اور جس کو گورنر پنجاب نے اس کی سرگرمیوں پر تنبیہہ کی تھی، احرار اور مجلسِ عمل دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے تحریری بیانات میں اس طریقے کی تفصیل نہیں بیان کی جس سے داعی کمیٹی مرتب کی گئی نہ یہ بتایا ہے کہ اس کنونشن کے مدعوئین کے ناموں کا فیصلہ کس نے کیا تھا لیکن مسٹر انور علی ڈی آئی جی سی آئی ڈی نے سی آئی ڈی کے کاغذات سے معلومات حاصل کر کے "مجلسِ احرار پاکستان" کے نام سے جو کتابچہ مرتب کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت نامے کوئی ساٹھ علمائے دین کے نام جاری کئے گئے تھے اور کنونشن میں دوسروں کے علاوہ کراچی سے مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور سید سلیمان ندوی بھی شامل ہوتے تھے۔

محاذ آرائی

بساط کا کھلاڑی ہو یا میدان کارزار کا، سیاسی محاذ آرائی میں دونوں کی سوچ حریف کو شکست دینے میں برابر ہوتی ہے۔ تحریکِ تحفظِ ختم نبوت کے رہنما عوام کو اپنی رائے پر اتفاق کیلئے سرگرم تھے، قریہ قریہ، شہر شہر گھوم پھر کر اپنا مؤقف واضح کر رہے تھے، جلوس، جلسے اور اس طرح مسجدوں اور خانقاہوں میں تحفظِ ختم نبوت کی تحریک چل نکلی، صحافیوں کے قلم اخبارات کے صفحات پر اس موضوع

کو عوام میں نشر کرنے لگے۔

تحریک جوں جوں زور پکڑتی گئی حکومت کا اندرونی نظام متزلزل ہوتا چلا گیا، اگر انگریز ہوتا تو اپنی حکمت عملی سے اس طوفان پر قابو پا لیتا، مگر پاکستان کے حکمران انگریز کے ملازم تھے، انہیں تو صرف اور صرف سلوٹ مارنا ہی سکھایا گیا تھا اور بس۔ رعایا کے احساسات اور جذبات سمجھنے کی بجائے۔ یہ لوگ اپنے ہی گریبانوں کی دھجیاں اڑانے لگے، یعنی اس موقع کو غنیمت جان کر پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے اس لڑائی کو مرکزی حکومت کی لڑائی قرار دے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔

یہ درست ہے کہ اس وقت کے مذکورہ مطالبات کا تعلق مرکزی حکومت سے تھا مگر صوبائی حکومت اس سے جدا کیسے رہ سکتی تھی۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے عوام کی مرکزی حکومت کے خلاف ہمہ اقسام کی آئینی اور غیر آئینی حرکات سے آنکھیں بند کر لیں تاکہ لڑائی وزیر اعظم پاکستان کے ذمہ لگے اور وہی اس کی زد میں آئیں۔ اندرخانہ یہ تمام ڈرامہ مرکزی حکومت کے خلاف تھا۔ اس سلسلے میں پنجاب کے ڈی آئی جی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس غرض سے وہ مرکزی حکومت کو احرار کے خلاف مسلسل اکسا رہے تھے چنانچہ منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۵۲ء کو مسٹر انور علی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی نے یہ کیس حکومت کو بغرض اطلاع ارسال کیا اور لکھا کہ چیف منسٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ کراچی سے واپسی پر اس مسئلے کے متعلق گفتگو کریں گے کہ فرقہ بندی کے متعلق جنگجویانہ تقریریں کرنے والوں کے متعلق کیا اقدام کیا جائے جیسے کہ شجاع آباد ضلع ملتان میں ۱۹۔ ۲۰ نومبر ۱۹۵۲ء کو ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی، اس موقع پر اہم مقررین یہ تھے، مولوی محمد علی جالندھری، مرزا غلام نبی جانباز، شیخ حسام الدین، مولوی غلام غوث سرحدی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔

مولوی غلام غوث نے اپنی تقریر میں کہا کہ

مرزا غلام احمد عورتوں سے ٹانگیں دبوایا کرتے' ان عورتوں میں سے ایک کا نام بھانو تھا۔ مرزا ننگی عورتوں کو دیکھنے کے بہت مشتاق اور یہ تو اس کا بیٹا (مرزا بشیر الدین محمود احمد) بھی تسلیم کر چکا ہے کہ وہ شراب پیا کرتا تھا۔ مولوی محمد علی جالندھری نے مرزا غلام احمد کو اُلّو کا پٹھا بتایا اور کہا کہ خواجہ ناظم الدین کی ماں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھ سکتی ہے کہ اس کا بیٹا وزیر اعظم بن گیا لیکن ملک بدقسمت ہے کیونکہ وزیر اعظم امور و معاملات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے یہاں پھر ملکہ وکٹوریہ کے متعلق اشارات کئے

یہ کیس مسٹر انور علی کے پاس پہنچا تو انہوں نے ۸ دسمبر ۱۹۵۲ء کو اس پر مندرجہ ذیل یادداشت لکھی۔

(۱) میں ایک دفعہ پہلے بھی حکومت کے علم میں لا چکا ہوں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لائلپور میں تقریر کرتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ کے خلاف ناشائستہ اور بدتمیزانہ باتیں کیں' اب شجاع آباد میں بھی اس نے ملکہ وکٹوریہ کے متعلق فحش اور مکروہ اشارات کئے ہیں۔

(۲) محمد علی جالندھری یہاں تک پہنچ گئے کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کے بانی کو اُلّو کا پٹھا کہہ دیا۔ اگر احمدی ایسی باتوں پر برہم ہوں اور جوش میں آجائیں تو کیا ہم انہیں الزام دے سکتے ہیں؟ اگر وہ غصے میں جی بھر کر کچھ کر بیٹھیں تو احراری احمدیوں کی آزاد رسانی میں اور بھی زیادہ شدت اختیار کر لیں گے۔ اس ایک واقعہ سے مزید تلخی پیدا ہوگی اور یہ چکر کبھی ختم نہ ہوگا۔

(۳) حکومت ایک دفعہ اور احراری لیڈروں خصوصاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور محمد علی جالندھری کو تنبیہ کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ حکومت کو اس قسم کی فتنہ انگیز تقریریں ہرگز برداشت نہ کرنی چاہئیں'

کیونکہ عوام کے خیالات مسموم کئے جا رہے ہیں۔ مناسب طرزِ عمل تو یہی ہے کہ ان دونوں لیڈروں کے خلاف مقدمات چلائے جائیں لیکن چونکہ مرکزی حکومت احراریوں کے متعلق اپنے رویّے کو متعین کرنے میں فعال نہیں ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ انتخابات کے لئے زمین تیار کریں اُس میں یوگ یا تو لیگ کی مخالف پارٹی کی حیثیت اختیار کرلیں گے یا لیگ کے اندر ایک علیحدہ گروپ بنائیں گے

رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۱۲۳

اس سے پیشتر کے اجلاس میں علمآ کا ایک بورڈ قائم کیا گیا تھا، جس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

۱۔ سید سلیمان ندوی صدر تعلیمات اسلامی بورڈ (۲) مفتی محمد شفیع ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ (۳) مولانا عبدالحامد بدایونی (۴) علامہ محمد یوسف کلکتوی (۵) علامہ مفتی دادا (۶) علامہ سلطان احمد (۷) علامہ احمد سعید نورانی (۸) مولانا لال حسین اختر (۹) الحاج ہاشم گزدر (۱۰) مولانا جعفر حسین مجتہد ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ۔

اس اجلاس میں جماعت اسلامی کے جن نمائندوں کو دعوت دی گئی، اس میں حسب ذیل حضرات شامل تھے۔

(۱) سید ابوالاعلیٰ مودودی (۲) نعیم صدیقی (۳) چودھری غلام محمد (۴) سلطان احمد (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۸۰)

اس تمام کارروائی کا پس منظر یہی تھا کہ ہونہ ہو اس تحریک کا سارا بوجھ مرکزی حکومت پر پڑے۔ اور خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کو الزام دے کر کہ "آپ کی حکومت موجودہ معاملات کو سنبھال نہیں سکی، لہٰذا انہیں حکومت سے الگ کر دیا جائے"۔

پھر قرعہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے نام نکل آتے اور

وہ پاکستان کے سنگھاسن پر بیٹھ جائیں۔ دوسری طرف احرار کو حکومت اور عوام کی نظروں میں ملک دشمن ثابت کرنا مقصود تھا۔ اس موقع پر مورخ اگر مسٹر انور علی ڈی آئی جی پنجاب سی آئی اے سے یہ سوال کر بیٹھے کہ

جناب عالی! جس ملک کی بنیاد "لا الٰہ" پر رکھی گئی ہو اور جس کے دستور میں مملکت خداداد پاکستان کا مذہب اسلام قرار پا چکا ہو، اس ملک کے ایک معزز مسلمان شہری نے ملکہ وکٹوریہ کے خلاف بقول آپ کے کوئی فحش اور ناشائستہ

بدتمیزی کی باتیں کی ہیں تو آپ جناب کو بُرا کیوں لگا؟ جب کہ پاکستان ایک آزاد ملک ہے، اس کا دستور اپنا ہے، جھنڈا اپنا ہے پھر ملکہ وکٹوریہ کا آئینی رو سے ہمارے ساتھ کیا رشتہ رہ جاتا ہے؟ وہ ملکہ ہوں گی تو صرف انگلستان کی نہ کہ پاکستان کی،

پھر جب کہ ملکہ وکٹوریہ کے متعلق بقول آپ کے فحش اور ناشائستہ باتیں کہنے والا برصغیر کا عظیم مجاہد رہنما حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہے جس کے جوتے کی نوک پہ ہزاروں انگلستان اور ملکائیں قربان کئے جا سکتے ہیں۔

مسٹر انور علی کو ملکہ وکٹوریہ کو بُرا بھلا کہنے پر بڑا غصہ آیا ہے اور وہ حضرت امیر شریعت کو مجرم قرار دے رہے ہیں، لیکن (دجالِ اعظم) غلام احمد قادیانی نے سرکار دو عالم خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا بکواس کی ہے کبھی اس پر مسٹر انور علی کو غصہ آیا؟" مسٹر انور علی! آپ زندگی بھر انگریز کی ملازمت میں رہے۔ اس بنا پر اپنے آقا کی عزت آپ کا فرض ہے مگر بحیثیت مسلمان (دجال اعظم) مرزا غلام احمد کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

مرزا غلام احمد اپنے کو نبی کہتا ہے اور صرف نبی ہی نہیں بلکہ اس کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ

مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ اس وحی الٰہی میں خدا تعالیٰ نے میرا نام محمد رکھا ہے اور رسول بھی۔

ایک غلطی کا ازالہ ۔ مصنف مرزا غلام احمد

●

ایک مجلس میں جس میں خود (دجال اعظم) مرزا غلام احمد موجود تھا، ایک شاعر نے یہ شعر پڑھے۔

محمد پھر اُتر آتے ہیں ہم میں !!
اور پہلے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

اخبار البدر ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

●

خانوادہ جنت کی توہین

(دجال بکتا ہے) ایک دن جب میں عشاء کی نماز سے فارغ ہوا اس وقت نہ تو مجھ پر نیند طاری تھی اور نہ ہی میں اُونگھ رہا تھا اور نہ ہی کوئی بے ہوشی کے آثار تھے بلکہ میں بیداری کے عالم میں تھا۔ اچانک سامنے سے ایک آواز آئی، آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے جلدی جلدی میرے قریب آرہے ہیں۔ بے شک یہ پنجتن پاکؑ تھے۔ یعنی علیؓ ساتھ اپنے دو بیٹوں کے اور ساتھ اپنی بیوی فاطمہ کے اور سردار مرسلین کے۔ اور دیکھتا کیا ہوں کہ فاطمۃ الزہرا نے میرا سر اپنی ران پر رکھ لیا اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا۔

(آئینہ کمالات صے ۴۳۷ مصنف مرزا غلام احمد)

•

چونکہ مندرجہ بالا عبارت میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے خاندان کی توہین ہے لیکن حضرت فاطمۃ الزہرا کے متعلق یہ لفظ کہ

"اُس نے میرا سر اپنی ران پر رکھ لیا" خاتون جنت کی توہین کا کس قدر نمایاں پہلو لئے ہوتے ہے۔

•

حضرت امام حسینؓ کی توہین

کربلا ایست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

ترجمہ: کربلا میری روز کی سیر گاہ ہے، حسین جیسے سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں۔

(نزول مسیح صہ ۹۹ مصنفہ مرزا غلام احمد)

•

اور سنو

"اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کر کہ حسین تمہارا مُونجی ہے۔ (نجات دینے والا) کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے جو حسین سے بڑھ کر ہے"

(دافع البلاء صہ ۱۳ مصنفہ مرزا غلام احمد)

•

کہیئے، مسٹر انور علی! اب آپ کی کیا رائے ہے۔؟ آپ کے نزدیک حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بہتر ہیں یا ملکہ وکٹوریہ ؟

•

مسلم لیگ اور مسئلہ ختم نبوتؐ

۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں حکومت اور عوام کے مابین اگر آمنا سامنا ہو جائے تو ارکانِ حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک عوام کے ساتھ انصاف کے کٹہرے میں کھڑے رہیں جب تک قانون اپنا فیصلہ نہ سنا دے ۔ اگر حاکمانِ وقت لا اینڈ آرڈر پر اختیار رکھتے ہوئے از خود کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو یہ فیصلہ انصاف کو مطمئن نہیں کرتا ۔

زیرِ بحث تحریک مسئلہ کے اعتبار سے کسی پارٹی یا گروہ کی تحریک نہیں تھی جب کہ اس کا تعلق فقط ایمانی جذبہ سے تھا ۔ بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث اور اثنا عشری کے لوگ اس میں برابر کے شریک تھے، لیکن وقت کی حکومت نے جس کی طنابیں اُس وقت مسلم لیگ کے ہاتھوں میں تھیں، اِس تحریک کو مجلسِ احرار کے دامن سے گرہ دے کر ایک جماعت تک محدود کرنے کی کوشش کی، حالانکہ احرار رہنما اس تحریک میں اُسی قدر شریک تھے جس قدر باقی جماعتوں کے رہنما، لیکن اپنی عینک کے شیشے میلے ہوں تو ساری دُنیا میلی دکھائی دیتی ہے ۔

اس سے انکار نہیں کہ مرزائیوں کی اکھنڈ بھارت کی سازش اور سر ظفر اللہ بطور وزیرِ خارجہ اسلامی ممالک میں اسلام دشمن سرگرمیاں دکھا رہے تھے، جیسے کہ تحریک اخوان المسلمین مصر کے رہنما السید علی محمود نے کہا ۔

> پاکستان کے وزیرِ خارجہ چودھری سر ظفر اللہ خان اینگلو امریکن بلاک کو مضبوط بنا کر دنیائے اسلام کو برطانوی اقتدار کے بے رحم ہاتھوں میں سونپنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ چودھری صاحب نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ دُنیائے اسلام کی خود مختاری کو ختم کر کے یہاں برطانوی اثر رسوخ کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں، چودھری صاحب کی پالیسی نے بعض اہم مواقع پر اسلامی ممالک کے کاز کو سخت نقصان پہنچایا ہے، مصر اور برطانیہ

کے مذاکرات کے موقعہ پر آپ نے دونوں کو قصور وار قرار دے کر ظالم و مظلوم کو ایک ہی رسی میں پرونے کی سعی کی ہے اور یہ پالیسی مصر کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوئی ہے، اپنی جنگ آزادی کیلئے مصر کو دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک پاکستان سے جس امداد کی توقع تھی، افسوس کہ وہ محض چودھری صاحب کی برطانیہ نواز پالیسی کے باعث پوری نہ ہو سکی۔"

اخبار آزاد ۱۳ مئی ۱۹۵۲ء

وزیر خارجہ اور دجالی گروہ کی انہیں حرکات سے پاکستان کی سالمیت کو نقصان کا اندیشہ تھا، جسے سب سے پہلے احرار رہنماؤں نے محسوس کیا کہ دشمنانِ ملت نوزائیدہ ملک کی بنیادیں اکھاڑ رہے ہیں مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اسی خاموشی اور بے حسی کو دیکھ کر ملت اسلامیہ کو آواز دی کہ

"مسلمانو! قادیانی قزاق، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور وطن کی سالمیت پر ڈاکہ زن ہیں، دوڑو، اور اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر اس متاع عزیز کو بچاؤ۔"

؎ آنے پائے نہ کوئی تخت نبوت کے قریب
دیکھئے سید کونینؐ کے دربان ہیں ہم (جانباز مرزا)

اس موقعہ پر مسلم لیگ کی حکومت نے اس طرح جو کردار ادا کیا اور جن حیلے بہانوں سے اپنے مجرم ضمیر کو چھپایا اس پر تحقیقاتی رپورٹ کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

اب مسلم لیگ بھی علی الاعلان مطالبات کی حمایت کرنے لگی اور بہت سے پوسٹر اور دستی اشتہارات جن پر لیگ کے ممبروں اور عہدہ داروں کے دستخط ثبت تھے۔ لاہور، لائلپور، جھنگ اور شیخوپورہ کے اضلاع میں شائع ہوئے۔ احرار ختم نبوت کے

متعلق جو جلسے منعقد کرتے تھے ان کی صدارت بھی مسلم لیگیوں نے شروع کر دی تھی۔

پنجاب صوبہ مسلم لیگ کے صدر صاحب کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ لیگ کے ممبر دوسری سیاسی جماعتوں کے جلسوں کی صدارت کر رہے ہیں، لہٰذا انہوں نے اس بارے میں مسلم لیگ کی پالیسی کو متعین کرنا ضروری سمجھا اور یکم اپریل ۱۹۵۲ء کو ذیل کا بیان جاری کیا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ صوبے کے اندر بعض مقامات پر مسلم لیگ کے ممتاز ارکان نے جن میں بعض ضلعی مسلم لیگوں کے صدر بھی شامل ہیں۔ احرار کی کانفرنسوں کی صدارت کی ہے، میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ دوسری انجمنوں کی کانفرنسوں کی صدارت کرنا مسلم لیگ کے نظم و ضبط کی خلاف ورزی ہے، لہٰذا میں ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے منعقد کئے ہوئے جلسوں کی صدارت نہ کرے، بلاشبہ اس میں اُن تقریبات میں شرکت شامل نہیں ہے، جن کی نوعیت خالص مجلسی یا غیر سیاسی ہو لیکن "سیاسی" کی تعریف ڈھیلی ڈھالی نہیں بلکہ کڑی ہونی چاہیئے۔ یہ قطعی طور پر ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے ممبر کسی ایسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں جس سے پاکستان کے شہریوں کے بعض خاص طبقوں یا گروہوں کو دشنام و ملامت کا نشانہ بنایا جاتے۔"

اس بیان کی بنیاد پر ۳ اپریل ۱۹۵۲ء کو ایک گشتی مراسلہ تمام ضلعی اور شہری مسلم لیگوں کے نام بھیجا گیا جس میں مسلم لیگ کے ممبروں کو غیر مسلم لیگی جلسوں کی صدارت سے منع کیا گیا۔ (مجلسی اور غیر سیاسی جلسے اس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے) اور اس امر پر زور دیا گیا کہ مسلم لیگیوں کو ایسی سرگرمیوں میں کوئی حصہ نہ لینا چاہیئے جن سے پاکستانی شہریوں کے مختلف طبقات کے درمیان بیگانگی یا

—— عداوت پیدا ہونے کا احتمال ہو یا جن کا رُخ پاکستانی رعایا کے کسی خاص گروہ یا طبقے کے خلاف ہو۔

لیکن اس ہدایت کے باوجود اضلاع اور شہروں میں مسلم لیگ کی شاخیں اس تحریک کی معاون بننے لگیں، جو نہایت سرعت سے پھیل رہی تھیں، اس سے پیشتر بتایا جا چکا ہے کہ سرگودھا اور گوجرانوالہ میں بعض اشخاص کے خلاف احکام زیر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی اور مساجد میں احراریوں کے منعقد کردہ جلسوں میں شرکت کے الزام میں مقدمات دائر تھے، ۱۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کو سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ نے ایک جلسہ منعقد کر کے ذیل کی قرار دادیں منظور کیں:۔

۱۔ کہ عقیدۂ ختم نبوت مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔

۲۔ کہ سٹی مسلم لیگ اس امر کی سخت مذمت کرتی ہے کہ احکام زیر دفعہ ۱۴۴ کا اطلاق مساجد پر کیا گیا اور اس قسم کے احکام کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ عوام کے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں مداخلت خیال کرتی ہے۔ اور پُر زور مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت ایسے احکام کو واپس لے لے۔

۳۔ کہ سٹی مسلم لیگ حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ دفعہ ۱۴۴ کے احکام کی خلاف ورزی کے تمام مقدمات واپس لے لے اور جو لوگ اس خلاف ورزی کی بنا پر گرفتار ہیں، ان کو رہا کر دے۔

۴۔ کہ سٹی مسلم لیگ اُن کو قانونی امداد دے، جو احکام زیر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں مساجد کے اندر جمع ہونے کی وجہ سے گرفتار کئے گئے ہیں۔

اس سے تین دن بعد یعنی ۲۰ر جولائی ۱۹۵۲ء کو سٹی مسلم لیگ سرگودھا نے بھی ذیل کی قرار دادیں منظور کیں۔

۱۔ کہ سٹی مسلم لیگ اتفاق آراء سے اس مطالبہ کی تائید کرتی ہے کہ احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲ ۔ کہ سٹی مسلم لیگ صوبہ مسلم لیگ اور آل پاکستان مسلم لیگ سے استدعا کرتی ہے کہ وہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ ملّت میں مزید انتشار پیدا نہ ہو۔

۳ ۔ کہ ان مطالبات کی اہمیت، ان کے متعلق اتفاق آرا، ان کی نازک نوعیت اور ملک کے عام احساس کے پیشِ نظر مرکزی اور صوبائی مسلم لیگوں کو اس معاملے میں کچھ عملی قدم اٹھانا چاہیئے۔

سٹی مسلم لیگ کامونکے نے بھی اس مطلب کی ایک قرارداد منظور کی کہ:

چونکہ پنجاب کے علماؔ نے اتفاق آرا سے احمدیوں کو خارج از اسلام قرار دیا ہے اس لئے اب احمدی مسلم لیگ کے ممبر نہیں بن سکتے لہٰذا مسلم لیگ کے احمدی ممبروں کو خارج کر دیا جائے اور آئندہ کوئی احمدی مسلم لیگ کی ممبری کا مستحق نہ سمجھا جائے۔

مسٹر دولتانہ صدر پنجاب مسلم لیگ نے ایک بیان دیا جو "آفاق" مورخہ ۱۸ر جولائی میں شائع ہوا۔

اس بیان میں آپ نے لیگ کے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ اُن مذہبی اور سیاسی مسائل کے حل میں لیگ کی امداد کریں، جو مسئلہ ختم نبوت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں آپ نے مسلم لیگیوں کو صبر و سکون کی تلقین کی تاکہ صوبہ لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل ان مسئلوں پر غور کر سکے کیونکہ یہی دو تنظیمات ہیں جو صوبہ لیگ کے آئندہ اجلاس میں جمہور کی صحیح رہنمائی کر سکتی ہیں۔ یہ اجلاس ۲۶، ۲۷ جولائی کو منعقد ہوگا۔

پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۲۸ر جون ۱۹۵۲ء میں فیصلہ کیا گیا کہ لیگ کا آئندہ اجلاس ۲۶-۲۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں کیا جائے، یکم جولائی ۱۹۵۲ء کو اس مطلب کے لئے ایک عارضی ایجنڈا مرتب کر لیا گیا لیکن اس میں مسئلہ ختم نبوت شامل نہ تھا۔ یہ ایجنڈا کونسل کے تمام ممبروں کے

نام بھیج کر ان سے استدعا کی گئی کہ جو قرار دادیں وہ پیش کرنا چاہیں ۱۵ جولائی تک ارسال کردیں چنانچہ مندرجہ ذیل قرار دادیں لیگ کے جائنٹ سیکرٹری کو وصول ہوئیں۔

۱- قرار داد مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۵۲ء محرک قاضی مرید احمد ایم۔ایل۔اے کونسلر پنجاب مسلم لیگ موید۔ صاحبزادہ محمود شاہ گجراتی کونسلر پنجاب مسلم لیگ

کہ پنجاب مسلم لیگ کونسل کا یہ اجلاس حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ مرزائی ایک علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں اور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد پنجاب اسمبلی میں ایک قرار داد منظور کرے جس میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے یہ مطالبہ کیا گیا ہو کہ مرزائی ایک علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔

۲- قرار داد۔ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۵۲ء۔ محرک۔ صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی کونسلر پنجاب مسلم لیگ موید۔ قاضی مرید احمد کونسلر پنجاب مسلم لیگ۔

کہ پنجاب صوبہ مسلم لیگ کے اس اجلاس کو شبہ ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان مملکت کے وفادار نہیں ہیں اور یہ اجلاس یقین کرتا ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان نے وزیر خارجہ کے عہدے سے فائدہ اٹھا کر عقیدۂ مرزائیت کی تبلیغ کی ہے اور سرکاری عہدوں پر مرزائیوں کو مقرر کیا ہے اس جلسے کی رائے میں کشمیر کے مسئلے کے حل میں ہماری ناکامی کا باعث صرف چودھری ظفر اللہ خان کی ناقابلیت ہی نہیں بلکہ برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ ان کی اور ان کی جماعت کی روایتی وفاداری بھی اس ناکامی کی ذمہ دار ہے۔ لہٰذا پاکستان۔ ممالک اسلامی اور کشمیر کے مفادات کا تقاضا یہ ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان کو حتی الامکان جلد سے جلد ان کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے۔

۳- قرار داد۔ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء محرک۔ محمد اسلام الدین ایم ایل اے ڈہاڑی ضلع ملتان۔

کہ چونکہ مرزائی پیغمبرِ اسلام صلعم کی خاتمیت پر یقین نہیں رکھتے بلکہ اس کے برعکس اس خاتمیت کے ماننے والوں کو کافر خیال کرتے ہیں، اس لئے ان کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ یہ مطالبہ مذہبی، جمہوری اور دستوری اصولوں کا تقاضا ہے۔

کہ پنجاب صوبہ مسلم لیگ مرکزی حکومت پر عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت واضح کرے۔

۴۔ قرارداد مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۵۲ء۔ محرک: مولانا سید احمد سعید کاظمی ممبر صوبہ مسلم لیگ کونسل، ملتان۔ موید۔ خواجہ عبدالحکیم صدیقی صدر سٹی مسلم لیگ ملتان، موید ثانی، صوفی محمد عبدالغفور لدھیانوی، اعزازی آفس سیکرٹری ضلع مسلم لیگ ملتان، کونسلر صوبہ مسلم لیگ۔

کہ چونکہ قادیانی بالاتفاق خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں، اس لئے ان کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور حکومت کو اس اعلان میں تاخیر نہ کرنی چاہیئے۔

کہ چونکہ چودھری ظفر اللہ خان قادیانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں اس لئے پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی کونسل کو حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیئے جائیں اور ان کی جگہ کوئی قابل اعتبار مسلمان مقرر کیا جائے۔

۵۔ قرارداد۔ مورخہ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۲ء محرک: محمد ابراہیم قریشی جنرل سیکرٹری سٹی مسلم لیگ جھنگ۔ کونسلر پنجاب مسلم لیگ۔

کہ کونسل کو یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ احمدیوں کو ان کے اپنے اظہارات اور تحریرات کی بنا پر ایک علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، لیکن ان کے ساتھ حتی الامکان فیاضانہ سلوک کیا جائے۔

کہ کونسل کو پیغمبر اسلام صلعم پر ختم نبوت کے عقیدے کی حفاظت

کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنی چاہیئے اور آئندہ جماعت احمدیہ کے کسی ممبر کو کسی کلیدی عہدے پر مقرر نہ کرنا چاہیئے۔

کہ مسلم لیگ کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیئے تاکہ آئندہ کوئی ظلی یا بروزی اس عقیدے کے خلاف کوئی نظریہ پیش کر کے مملکت کی سالمیت کو خطرے میں نہ ڈال سکے۔

مجلس عاملہ کا دوسرا اجلاس ۲۵ رجولائی ۱۹۵۲ء کو مسٹر دولتانہ صدر پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دولتانہ صاحب نے اعلان کیا کہ میں نے اور دوسرے عہدہ داروں نے ۱۵ رجولائی تک ہونے والی قرار دادوں کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کونسل میں صرف آٹھ قرار دادیں پیش کی جائیں گی۔ کمیٹی نے اس کو قبول کیا اور منظورہ قرار دادوں کی فہرست میں نمبر ۳ "قرار داد ختم نبوت" کے متعلق فیصلہ کیا کہ اس کو سیّد مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی پیش کریں گے۔

کونسل کا دوسرا اجلاس ۲۷ رجولائی کو آٹھ بجے صبح شروع ہوا، جس میں ذیل کی قرار داد آٹھ دوٹوں کے مقابلے میں ۲۸۴ دوٹوں کی اکثریت سے منظور ہوئی۔

"پنجاب مسلم لیگ کونسل اس صداقت کا پورا شعور رکھتی ہے کہ ختم نبوت دین اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس نے مسلمانانِ عالم کو ایک روحانی اخوت کے رشتے میں جکڑ رکھا ہے اور جو پاکستان میں ملتِ مسلمہ کے اتحاد و سالمیت کی مستحکم بنیاد کا حکم رکھتا ہے۔ اس صداقت کا یہ واضح اور طبعی نتیجہ ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کے نہ ماننے والے اسلام کے دینی عقائد سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں۔

اس مؤقف کی بنیاد پر جس کے متعلق نہ کوئی اختلاف موجود ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ایک تجویز پیش کی گئی ہے، جو سیاسی اقدام اور دستوری قانون سازی کے دائرے سے تعلق رکھتی ہے کہ احمدی، جو ایک

دینی مسئلے پر اساسی اختلافی رویہ رکھتے ہیں۔ دستورِ پاکستان میں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔ کونسل کی رائے میں یہ تجویز کسی حد تک مسلمانوں کے اس ردِ عمل کو ظاہر کرتی ہے، جو احمدیوں کے رویے سے پیدا ہوا ہے کیونکہ احمدیوں نے نہ صرف مذہبی معاملات میں بلکہ شہری اور مجلسی زندگی میں بھی اکثر علیحدگی کے قوی رجحانات کا اظہار کیا ہے۔

تاہم اس تجویز میں دستوری اور قانونی نوعیت کے بعض سنگین اور اہم امور شامل ہیں، جو پاکستان کے شہریوں کے حقوق و فرائض پر اثر انداز ہوں گے اور اس دستوری نظام کی نوعیت کو متعین کریں گے، جو پاکستان کے لئے تجویز کیا گیا ہے، ان امور پر طبعاً پرسکون اور غیر جانبدارانہ انداز سے نہایت محتاط اور گہرا غور و خوض ضروری ہے جو جذباتیت اور شورش انگیزی سے بالکل غیر متاثر ہو اس لئے پنجاب مسلم لیگ کونسل کی رائے یہ ہے کہ اس دستوری مسئلے کو پورے اعتماد کے ساتھ پاکستان مسلم لیگ کے لیڈروں اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کی پختہ اور صائب دانشمندی پر چھوڑ دیا جائے اور اس اثنا میں مسلم لیگ کی تنظیم کے ہر ممبر کو چاہیئے کہ سکون و سنجیدگی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے کیونکہ ایسی ہی فضا میں بنیادی دستوری پالیسی پر اثر ڈالنے والے فیصلے بوجہ احسن کئے جا سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی کونسل اس اصول پر اپنے غیر متزلزل ثبات کا اظہار کرتی ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کا نہ صرف جمہوری بلکہ دینی فرض یہ ہے کہ اس مملکت کے ہر شہری کے جان و مال، آبرو اور شہری حقوق کی حفاظت بلا امتیاز مسلک و عقیدہ بلکہ اپنے حقوق کی مانند

کریں۔ یہ کونسل پنجاب کی مسلم لیگی وزارت سے توقع رکھتی ہے کہ وہ تمام حالات میں اس اصول کی تائید و حمایت کرے گی"۔

اس کے بعد مجلس عاملہ کا ایک اجلاس ۲۲ اگست ۱۹۵۲ء کو ہوا جس میں قرار دیا گیا کہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر یا عہدہ دار آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلسِ عمل کے جلسوں کی صدارت نہیں کرے گا۔

اب مسٹر دولتانہ اس رویے کی تصریح میں مصروف ہو گئے، جو صوبہ مسلم لیگ نے اپنی قرارداد مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء میں اختیار کیا تھا، چنانچہ ۳۰ اگست ۱۹۵۲ء کو حضوری باغ میں تقریر کرتے ہوتے انہوں نے کہا:

"آج دُنیا بھر میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اسلامی حکومت قائم کرنے کا دعویدار ہے۔ تمام دنیا ہمارے تجربے کو غور سے دیکھ رہی ہے اور اگر ہم اس ذمہ داری کی تکمیل میں ناکام رہ گئے تو دُنیا کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ دُنیا میں حکومت کی اسلامی ہیئت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ ختم نبوت کے مسئلے میں میرا وہی عقیدہ ہے، جو ایک مسلمان کا ہونا چاہئیے۔ میرے نزدیک وہ تمام لوگ خارج از اسلام ہیں، جو رسول کریم صلعم کو آخری نبی نہیں مانتے، میں اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ عقیدہ ختم نبوت پر کوئی بحث اٹھانا خود کفر کے مترادف ہے، کیونکہ بحث کی گنجائش صرف اس مسئلے میں ممکن ہے جس میں کسی کا شبہ وارد ہوتا ہو۔ عقیدہ ختم نبوت ہمارے ایمان کا جزو ہے اس لئے ہر بحث اور ہر منطق سے بالاتر ہے۔ مرزائیوں کے خلاف، جو نفرت پیدا کی گئی ہے اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہے کیونکہ ان کے رجحانات علیحدگی پسندانہ ہیں، وہ زندگی کے ہر شعبے میں ہم سے علیحدہ ہیں اور انہوں نے اپنی ذاتی۔ سیاسی

اور مجلسی سرگرمیوں کو صرف اپنی جماعت تک محدود کر رکھا ہے۔
قادیانی افسر اپنی جماعت کے آدمیوں کی طرفداری کے مجرم ہیں کیونکہ انہوں نے بہت سی الاٹمنٹیں محض اس بنیاد پر کی ہیں کہ الاٹی مرزائی تھا۔ گویا انہوں نے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کیا۔

اس صورت حالات کا علاج جذباتی تقریروں اور عام جلسوں سے نہیں ہو سکتا جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے، میں فرقہ وار وجوہ کی بنا پر جانبداری کے مجرموں کے خلاف شدید کارروائی کروں گا اور جہاں اس قسم کی کوئی شکایت کی جائے گی، اس کی پوری تحقیقات کراؤں گا۔ میں آپ لوگوں سے احکام اسلام کا واسطہ دے کر اور ملت کی آبرو کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ ہر اس شخص کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کیجئے، جو اپنے آپ کو پاکستانی شہری کہتا ہے جب تک میں چیف منسٹر ہوں۔ میں اپنے صوبے میں بے گناہوں کا خون گرانا ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ ہر شہری کی آبرو کے تحفظ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا اور ہر قیمت پر اپنا یہ دینی، اخلاقی اور سرکاری فرض بجا لاؤں گا۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینا ایک دستوری مسئلہ ہے۔ ہمارا دستور اب تک وضع نہیں کیا گیا اور دستور ساز اسمبلی نے اب تک اس امر کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ اکثریت اور اقلیتوں کے درمیان کیا فرق و امتیاز ملحوظ رکھا جائے گا لہٰذا اس مسئلے کو دستور ساز اسمبلی پر چھوڑ دینا چاہیئے لیکن اگر بحث کی غرض سے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دیا گیا، اگر اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو مرزائی کہنا بند کر دیا تو پوزیشن کیا ہو گی؟ کسی قوم یا گروہ کو اقلیت قرار دینے کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف اس قوم یا گروہ کے حقوق معین کئے جائیں

بلکہ ان حقوق کی حفاظت بھی کی جاتے اور ان کو سرکاری ملازمتوں اور قانون ساز اسمبلیوں میں رعایات دی جاتیں، اگر مرزائی اقلیت قرار دے دیئے گئے تو ہم مجبور رہوں گے کہ ان کو وہ تمام رعایات دے حقوق دیں، جو بحالت موجودہ ہم انہیں نہیں دینا چاہتے۔ یہ ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے جس پر گہرے اور سنجیدہ غور و خوض کی ضرورت ہے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کو عام جلسے منعقد کرنے، فساد مچانے پتھر پھینکنے اور اسی قسم کی دوسری نادا جب حرکات سے حل کیا جا سکے، میں ان لوگوں سے جو ختم نبوت کی تحریک کے سلسلے میں جلسے منعقد کر رہے ہیں، یہ سوال کرتا ہوں کہ جس حالت میں ہم سب عقیدہ ختم نبوت پر قائم ہیں، ان جلسوں کی کیا ضرورت ہے۔ ان غیر ضروری جلسوں کو دیکھ کر بعض اوقات میرے دل میں جلسے منعقد کرنے والوں کی نیت پر شبہ پیدا ہو جاتا ہے"۔

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۵۲ء میں مسٹر دولتانہ کی اس تقریر کی رپورٹ درج ہے، جو انہوں نے راولپنڈی میں کی۔ آپ نے کہا :۔

میں اس ملک کو ایک صحیح اسلامی جمہوریہ بنانا چاہتا ہوں جس میں ہر شخص بلا امتیاز عقائد سیاسی مساوی حقوق رکھتا ہو، جس میں ہر چیز کا فیصلہ بہترین عدل و انصاف سے کیا جائے، جس میں لوگوں کی اقتصادی اور اخلاقی حالت بہت اچھی ہو اور جس کے لوگ ملک کی مشترکہ بہبود کے حصول کے لئے سنجیدگی، ہوشمندی اور خلوص سے کام کریں۔

میرا پختہ ایمان ہے کہ نبی کریم صلعم آخری نبی ہیں جس شخص کا یہ عقیدہ نہیں، وہ مسلمان نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو، اُسے اس ملک میں رہنے کا حق نہیں۔

تمام وہ لوگ جو پاکستان میں رہتے ہیں اور پاکستان کے وفادار

ہیں، خواہ وہ ہندو ہوں، عیسائی ہوں یا کسی اور فرقے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، اس ملک کی حکومت اور اس ملک کے باشندوں کی حفاظت میں ہیں، اہل وطن میں سے ایک ایک کی حفاظت مسلمان کا اور حکومت کا بھی اوّلین فریضہ ہے، جب تک امورِ حکومت کی عنان میرے ہاتھ میں ہے، میں پورا انتظام کروں گا کہ کسی وفادار پاکستانی کو محض اس بنا پر کوئی ضرر نہ پہنچنے پائے کہ اس کا مذہب، اس کی ذات پات یا اس کا مسلک ہم سے جداگانہ ہے

احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا مسئلہ کوئی دینی مسئلہ نہیں بلکہ ایک دستوری معاملہ ہے جس کو یہی حیثیت دینی چاہیے اور اس پر ٹھنڈے دل سے بحث کرنی چاہیئے، میں احرار اور دوسری مذہبی انجمنوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور و خوض کے لئے پُرسکون فضا پیدا کریں ۔"

نظام آباد کے مقام پر ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کو مسٹر دولتانہ نے فرقہ بندی کی مخالفت کی اور کہا کہ

جو لوگ مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کر رہے ہیں، وہ نہ صرف اتحاد اسلامی کو بلکہ پاکستان کی سالمیت کو برباد کر رہے ہیں۔ آپ نے عوام کو مشورہ دیا کہ فرقہ پرستوں کی افتراق انگیز سرگرمیوں میں شریک ہونے سے اجتناب کریں۔

اِن تقریروں میں جن نکات پر زور دیا گیا وہ یہ ہیں کہ

جو شخص عقیدۂ ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ مسلمان نہیں، احمدیوں کے متعلق جو مطالبہ ہے، وہ اِسی دینی موقف کا تقاضا ہے، مطالبات کی نوعیت دستوری اور سیاسی ہے، جس پر صرف مرکزی ارباب اختیار (دستوری یا مسلم لیگی) ہی غور کر سکتے ہیں، صوبے کو ان مطالبات سے

کوئی تعلق نہیں اور احرار کو اس معاملے پر پنجاب میں کوئی گڑبڑ نہ کرنی چاہیئے۔

مسلم لیگ کے وفادار کا حشر

تحریک ختم نبوت کے دوران سیالکوٹ کے مسلم لیگی خواجہ صفدر نے صدر مسلم لیگ کے حکم کی تعمیل میں مسئلہ ختم نبوت سے غداری کی تو سیالکوٹ کے غیور مسلمانوں نے خواجہ صفدر کا منہ کالا کیا' اسے جوتوں کا ہار پہنایا اور گدھے پر بٹھا کر شہر میں اس کا شاندار جلوس نکالا۔

لاہور مسلم لیگ کا اجلاس

۳۰ رجولائی ۱۹۴۴ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں ہو رہا تھا اس اجلاس میں پیش کرنے کے لئے مولانا عبدالحامد بدایونی نے ایک قرارداد مرتب کی جو ذیل میں درج ہے۔

"دُنیائے اسلام اور ہر طبقہ ہر خیال کے مقتدر علمائے نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں' لہٰذا انہیں مسلم لیگ کے دائرے میں شرکت کی ہرگز اجازت نہیں ہونی چاہیئے — نیز

قادیانیوں کی مسلم لیگ میں شمولیت یا عدم شمولیت کے متعلق بعض حلقوں میں بڑا چرچہ ہے' اس لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ علمائے اسلام کے متفقہ فیصلے کے احترام میں کوئی قادیانی مسلم لیگ میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

جیسے ہی مولانا عبدالحامد نے یہ قرارداد اجلاس میں پیش کی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی' حالانکہ یہ قرارداد ایجنڈے میں شامل تھی۔

مسلم لیگ کے اجلاس میں مرزائیوں کے متعلق قرارداد پیش ہونے پر روزنامہ زمیندار نے اپنی ۱۱ شعبان . . . . کی اشاعت میں حسب ذیل نوٹ لکھا۔

مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدایونی کی وہ قرارداد پیش نہ ہوسکی جس کے ذریعے سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ قادیانی چونکہ خارج از اسلام ہیں لہٰذا انہیں مسلم لیگ کی رُکنیت سے نکال دیا جائے، یہ قرارداد اپنی اہمیت کے اعتبار سے فوری توجہ کی مستحق تھی، لیکن بدقسمتی سے جدید تعلیم کے دلدادہ قادیانی اور اسلامی اختلافات کو شیعہ، سُنی مناقشت کی طرح محض فروعی مسئلہ سمجھ رہے تھے۔ اس لئے وہ صحیح اندازہ لگانے سے قاصر ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص مرزائی نہیں ہوسکتا جب تک وہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر قرار نہ دے لے اور یہ قادیانیت کے بُنیادی عقیدے کا تقاضا ہے کیونکہ مرزائی غلام احمد قادیانی کو نبی سمجھتے ہیں اور نبی کا منکر مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا لہٰذا جب قادیانی مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان نہیں سمجھتے، مسلمانوں کو کافر کہنے والا بھی کسی صورت میں مسلمان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس اختلاف کے باعث قادیانیت اور اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نہ قادیانی کو مسلمانوں سے کوئی مجلسی تعلق ہوسکتا ہے، نہ مسلمانوں کے کسی ادارے میں قادیانی کو رہنا چاہیئے اور خلیفہ قادیان تو پاکستان کی مذمت کر کے مسلم لیگ سے بے تعلقی کا اظہار کر چکے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اس مجلس سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دے چکے ہیں۔ اِن حالات میں مسلم لیگ کو تو خاص طور پر قادیانیت سے قطع موالات کا اظہار کرنا چاہیئے تھا لیکن اس کے تغافل نے ان غلط فہمیوں کا دائرہ خود ہی وسیع کر دیا ہے، جو مسلم لیگ کے مخالفین پھیلا رہے ہیں۔

اس فرض ناشناسی سے مسلم لیگ کے وقار و اقتدار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ صحیح الخیال مسلمان مضطرب ہوئے بغیر نہ رہیں گے اور اور اس اضطراب کا اثر یقیناً ہو گا۔ مقامِ حیرت ہے کہ جب مسلم لیگ محض فرعی و جزوی اختلاف کے باعث مسلمان خاکساروں سے قطع تعلق کا اعلان کر سکتی ہے تو غیر مُسلم قادیانیوں کے متعلق کیوں خاموش ہے۔ شائد اس نے مسئلے کی نزاکت کا اندازہ نہیں لگایا۔ قائد اعظم کا فرض ہے کہ قادیانیت کے متعلق مسلم لیگ کی پوزیشن واضح کریں۔ ورنہ اس افسوسناک 'رواداری' کے نتائج بہت زیادہ افسوسناک ہوں گے۔"

مجلس عمل کا قیام

ہاں تو! مرکز اور صوبائی حکومتوں کے مابین رواں تحریک سے متعلق باہم کشمکش چل رہی تھی، انہی دنوں اتمام حجت کے طور پر علماء کا ایک وفد وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سے بھی ملا لیکن جیسے کہ اوپر کی سطروں میں کہا جا چکا کہ صوبائی حکام ایک خاص مقصد اور ارادے کے تحت اپنا دامن چھڑا رہے تھے، وفد کو بڑی خوبصورتی سے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں سوچ کر بات کروں گا۔

چنانچہ ۱۳ ستمبر ۱۹۵۲ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ایک بیان کے دوران وزیر اعلیٰ نے کہا۔

"میں اس ملک کو صحیح اسلامی جمہوریہ بنانا چاہتا ہوں، جس میں ہر شخص بلا امتیاز عقائد سیاسی اور مذہبی حقوق رکھتا ہو، جس میں ہر چیز کا فیصلہ بہترین عدل و انصاف سے کیا جائے، جس میں

ہر چیز کا فیصلہ بہترین عدل و انصاف سے کیا جاتے ۔ جس میں لوگوں کی
اقتصادی حالت بہت اچھی ہو اور جس کے لوگ ملک کی مشترک بہبود کے
حصول کے لئے سنجیدگی، ہوشمندی اور خلوص سے کام کریں "۔

تحریک جو بنیادی طور پر اپنا توقف رکھتی تھی، عوام میں پہنچ کر جذباتی ہو چکی تھی۔ عوامی اجتماعات، جلوس اور نعروں کی گونج نے پنجاب بھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، یہاں تک کہ اخبارات کے مضامین اور خبریں تحریک ختم نبوت کو آگے بڑھا رہی تھیں، کوچہ و بازار سے نکل کر تحریک گھروں میں داخل ہو چکی تھی، خانگی معاملات میں بھی اس کا ذکر ہونے لگا۔ اس دوران پولیس کی لاٹھیوں اور فوج کی گولیوں سے شہید اور زخمی ہونے والوں کے لہو نے ایسا رنگ بھرا کہ دیکھتی نظروں میں یہ کارزار حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور مسیلمہ کذاب کے مقابلے کا نقشہ دکھائی دینے لگا۔ عوام کے جذبات ایڑھیاں اٹھا اٹھا کر حضرت خالد بن ولید اور حضرت وحشی رضؓ کو ڈھونڈنے لگے، یہی خوف تھا جس نے دجال کی امت کو ربوہ کی پہاڑیوں میں چھپا لیا تھا، اس پر بھی کوئٹہ، اوکاڑہ اور دیگر مقامات پر مرزائی مسلمان نوجوانوں کے انتقام کا نشانہ بنے۔

ان حالات میں مسلم لیگ کے سینکڑوں کارکن اپنے مرکز سے بغاوت پر اتر آتے، سرگودھا جھنگ، گوجرانوالہ، لائلپور (فیصل آباد) منٹگمری (ساہیوال) میانوالی، ملتان اوکاڑہ کے مسلم لیگی کارکن جذبہ ایمانی سے سرشار تحریک ختم نبوت کے نعرے لگانے لگے اور جلسوں کی صدارتیں کرنے لگے، جس پر صدر صوبہ مسلم لیگ کا حسب ذیل بیان اخبارات میں شائع ہوا۔

" بعض مقامات پر مسلم لیگ کے ممتاز ارکان نے جن میں بعض
ضلعی مسلم لیگ کے صدر بھی شامل ہیں، احرار کانفرنسوں کی صدارت
کی ہے، میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ دوسری انجمنوں
کی کانفرنسوں کی صدارت کرنا مسلم لیگ کے نظم و ضبط کی خلاف ورزی

ہے' لہٰذا میں ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے منعقد کئے ہوئے جلسوں کی صدارت نہ کرے' بلاشبہ اس میں وہ تقریبات شامل نہیں جن کی نوعیت خالص مجلسی یا غیر سیاسی ہو' لیکن سیاسی کی تعریف ڈھیلی ڈھالی نہیں بلکہ کڑی ہونی چاہیئے' یہ قطعی طور پر ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے ممبر کسی ایسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں' جس سے پاکستان کے شہریوں کے درمیان منافرت و مخالفت پیدا ہونے کا احتمال ہو' یا جس میں پاکستانی شہریوں کے بعض خاص طبقوں یا گروہوں کو دشنام و ندامت کا نشانہ بنایا جائے۔"

وزیر اعلیٰ پنجاب کے اس بیان کے باوجود ایمان کی بھٹیاں مزید روشن ہوئیں۔ نیز پنجاب کے پیران عظام اور سجادہ نشین ذاتی اقتدار کی گدیاں چھوڑ کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے دربان بن کر آن کھڑے ہوتے۔

حضرت دیوان سید آل رسول علی خان صاحب سجادہ نشین سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیر شریف،

●

الحاج خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

●

الحاج سید غلام محی الدین صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف

●

حضرت ابوالبرکات سید فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف

●

حضرت سید علی حسین صاحب سجادہ نشین ثانی صاحب علی پور سیداں شریف

●

حضرت شوکت حسین صاحب حسنی الحسینی الگیلانی سجادہ نشین حضرت
پیر پیراں موسیٰ پاک شہید ملتان شریف

نوٹ : مندرجہ بالا پیرانِ عظام کے اسمائے گرامی اس وقت کے اخبارات کے صفحات پر تو دیکھنے میں آئے مگر جیل خانوں کی فائیلوں میں نہیں ملے، سوائے صاحبزادہ فیض الحسن سجادہ نشین آلو مہار شریف کے، البتہ مریدانِ باصفا نے اپنے پیرانِ طریقت کا فرض کفایہ ضرور ادا کیا۔

یوم احتجاج لاہور اور کراچی کے گذشتہ اجلاسوں میں علمائے مجلسِ عمل کے قیام کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسی کے تحت حکومت سے اُن کی اکثر ملاقاتیں ہوئیں تاکہ معاملہ آگے نہ بڑھنے پائے، لیکن عوام کے جذبات اب نہ علما کے قابو میں تھے اور نہ حکام انہیں سنبھال کر امن قائم کر سکے، اُلٹا حکام کے تشدد نے اس آگ کو ایسی ہوا دی کہ اب اس طوفان کے روکنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ اس روز پنجاب میں ایسی ہڑتال ہوئی کہ مارکیٹیں بازار تو بند رہنے ہی تھے، تانگے اور سائیکلیں بھی بازاروں میں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

مساجد میں خطبا نے اپنی تقریروں سے اِس بھٹی میں اور ایندھن جھونک دیا اس طرح عوام اور شہباز کے درمیان لڑائی کا میدان گرم ہونے کے امکانات پیدا ہوتے چلے گئے۔ دونوں طرف طبلِ جنگ کھڑکنے لگا۔ راعی اور رعایا اپنے اپنے محاذ پر صفیں درست کرنے لگے۔

حسنِ طلب اور حسنِ تدبر بچہ روٹھ جاتے یا ضد کرنے لگے تو والدین کے حسنِ تدبر کا تقاضہ ہونا چاہیئے کہ وہ اس کی خواہش کا احترام کرے اور ضرورت سمجھیں تو اُسے پورا کرنے کی سعی کریں۔ اگر بچے کی ضد بے جا ہو تو والدین کے فرائض میں ہے کہ باحسن طریق اسے ٹال دیں، یہ نہیں کہ لاٹھی لے کر بچے کی پٹائی شروع کر دیں اور گھر سے

نکال دیں اس طرح بگڑی ہوئی اولاد لوٹ کر گھر نہیں آتی اور اگر آجائے تو والدین اس کے پیار اور کردار کی قسم نہیں کھا سکتے اس طرح گھر اُجڑ جاتا ہے اور اولاد بگڑ جاتی ہے۔

جب راعی اور رعایا آمنے سامنے آن کھڑے ہوں تو دونوں میں ایک کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔

سیاست کی غیر متعینہ راہوں پر سفر کے دوران سیاستدان جس قدر بڑا ہوگا اسی درجے غلطی کا امکان ہوگا۔

۱۱ر جولائی ۱۹۴۶ء کو حیدر آباد دکن میں ایک تقریر کے دوران قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا تھا

"مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ لیڈر کا انتخاب ہمیشہ احتیاط سے کریں۔ آدھی جنگ تو لیڈر کے صحیح انتخاب سے ہی فتح ہو جاتی ہے۔" (نوائے وقت ۱۳ر نومبر ۸۹ء)

لیکن اس کے باوجود ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان نے سر ظفر اللہ (مرزائی) کو اپنے میں کیوں شامل کر لیا؟ جس نے آگے چل کر اپنے باطل عقائد کی حفاظت میں اسلام دشمنی کے ساتھ غدار وطن ہونے کا ثبوت دیا۔

ظفر اللہ کی مخالفت میں تحریکِ ختم نبوت کے دوران بہت سا لٹریچر شائع ہوا، چنانچہ انہیں دنوں ادارہ تحفظِ اشاعت اسلام اچھرہ (لاہور) کا ایک کتابچہ بھی شائع ہوا، عنوان تھا۔

"قادیانی عزائم اور پاکستانی مسلمان"

اس کے صفحہ ۱۳ پر ذیل کی عبارت درج تھی۔

چودھری محمد ظفر اللہ خاں کا وزیر خارجہ کی حیثیت سے تقرر لیگی قیادت کی آزاد مرضی سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا یہ تقرر برطانوی سامراج کے دباؤ کا نتیجہ تھا اور ان کے سارے عرصۂ

وزارت میں انہیں اینگلو امریکی بلاک کا مکمل تحفظ حاصل رہا ہے۔
مندرجہ بالا حقائق سے ثابت ہوا کہ سر ظفر اللہ کا بطور وزیر خارجہ تقرر ضرورت وطن کے لئے نہیں بلکہ ایک پالیسی کے تحت تھا جس کا اعتراف وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین نے آگے چل کر کیا۔

مجلس عمل کے وفد کی وزیر اعظم سے آخری ملاقات

۲۲ فروری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کے وفد نے وزیر اعظم پاکستان سے آخری ملاقات کی۔ اس وفد میں مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل، مولانا عبدالحامد بدایونی، ماسٹر تاج الدین انصاری اور مظفر علی شمسی شریک تھے، وفد نے وزیر اعظم سے کہا ۲۱ جنوری (۱۹۵۳ء) کو ہمارے وفد نے آپ کو ایک ماہ کا نوٹس دیا تھا آپ نے مقررہ میعاد کے اندر کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا، اب ہم ۲۶ فروری کو اپنا آخری اجلاس بلوا رہے ہیں، ہمیں اس کے بعد بحالت مجبوری راست اقدام کرنا پڑے گا۔ اس عرصہ میں آپ اب بھی کوئی تسلی بخش جواب دیجئے۔ ہم تو اس حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ الجھاؤ پیدا نہ ہو۔

وفد کے جواب میں خواجہ صاحب نے کہا کہ

حکومت بڑی الجھن میں ہے، آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ آپ کے مطالبات سے تو ہمدردی ہے مگر ان مطالبات کے ماننے میں کچھ مشکلات ہیں، کشمیر کا قضیہ ہے، نہروں کا پانی ہے اور خوراک کا مسئلہ ہے۔ ظفر اللہ خاں کو کس طرح ہٹائیں، انہی کی معرفت سب کچھ ہو رہا ہے، ہمیں خوراک کی مشکل بھی ہے، اگر ظفر اللہ خاں کو ہٹا دیا جائے تو گندم کا ایک دانہ بھی نہیں مل سکتا، اس جواب نے وفد کو مایوس کر دیا اور وفد نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ پھر تو یہ ثابت ہوا کہ ہماری زندگی ظفر اللہ خاں کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو پانی برسے اور وہ چاہے

تو گندم ملے اگر آپ ہمیں یہ کہتے کہ مہلت دیجئے اور مشکلات سے نکل جانے دو۔ پھر مطالبات مان لئے جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے گذشتہ ملاقات میں آپ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ دو چار مہینے سات آٹھ مہینے ہم اور صبر کر لیں گے، اگر آپ اعلان کر دیں کہ یہ مطالبات مان لئے جائیں گے یا کم از کم آپ وعدہ ہی فرمائیں۔ مگر آپ نے ہماری وہ بات بھی نہ مانی اور آج آپ نے یہ فرمایا کہ ظفر اللہ ہی سب کچھ ہے اگر یہ درست ہے تو ہمارا مطالبہ قطعی حق بجانب ہے اور ہم قطعی فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم بھوکا مرنے کو ترجیح دیں گے، بہ نسبت اس کے مرزائیوں کی رعایا بن کر رہیں" اس کے بعد خواجہ صاحب بے دلیل منت سماجت فرماتے رہے اور ہمیں قطعی مایوس کر دیا۔ اس آخری ملاقات میں ڈیڑھ دو گھنٹے صرف ہو گئے، مگر بے نتیجہ اور مایوس واپس آنا پڑا۔

ان حالات میں خواجہ ناظم الدین سے کوئی شکایت نہیں، گلہ صرف بانیٔ پاکستان سے کیا جا سکتا ہے کہ مردم شناس ہوتے ہوئے انہوں نے سر ظفر اللہ پر کیسے اعتماد کر لیا جب کہ وہ مسلمانوں کو بار بار تاکید کرتے ہیں کہ

"مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ لیڈر کے انتخاب میں ہمیشہ احتیاط کریں"

اگر لیڈر کے انتخاب میں احتیاط کی ضرورت ہے تو حکومتی ذمہ داری سونپتے وقت کیوں احتیاط کی ضرورت نہیں ؟

بہر حال حسنِ طلب کے مقابل اگر حسن تدبر بھی ہوتا تو بات کچھ اور ہوتی۔

آخری نوٹس

بڑے سنبھلے، بڑی احتیاط کی، لیکن کار پردازان حکومت نے رعایا کی آواز سنی تو ضرور مگر سمجھ نہ سکے کہ یہ لڑائی شخصی

نہیں لمعنۃ اس میں کسی قسم کی سیاست کار فرما تھی، اسلام کا ایک مخصوص پہلو اس تحریک سے وابستہ ہے، نیز وطنِ عزیز کی سالمیت کا تقاضہ بھی تھا کہ اس تحریک کو بہرطور پھیلنے نہ دیا جائے، مگر سیاست اور اندازِ حکومت کارِ طفلاں نہیں کہ اِسے محض چوگان سمجھ کر اپنی راتے کے گھوڑے سے جہاں جی چاہو لئے پھرو۔

ے اندازِ دلبری آتے ہیں آتے آتے

تھیٹر یا فلموں کے آرٹسٹ اگر ڈائریکٹر کے حکم پر شاہی لباس پہن لیں تو وہ حقیقی بادشاہ نہیں ہوتے، ان کے مکالمات بھی ڈرامائی ہوتے ہیں، ہدایت کار جیسے چاہتا ہے وہ انہیں ادا کرتے ہیں۔

اگر کسی بستی میں سیلاب کا پانی زور کر جائے تو سیلاب کو راستہ دینا عقلمندی نہیں ہوتی بلکہ اِس کے سامنے بند باندھنے کو دانائی سمجھا جاتا ہے۔

۲۳ر جنوری ۱۹۵۳ء کو جیسے ہی مجلسِ عمل کا وفد وزیراعظم پاکستان کو راست اقدام کا نوٹس دے رہا تھا، اگر حکمران اس بساط کے کھلاڑی ہوتے تو اپنے حریف کو حیلے بہانوں سے مات دے سکتے تھے جیسے کہ ارکانِ وفد نے وزیراعظم سے عرض کیا تھا کہ

"دو چار مہینے، سات آٹھ مہینے ہم اور صبر کر لیں گے، اگر آپ یہ اعلان کر دیں کہ یہ مطالبات مان لئے جائیں گے یا کم از کم آپ وعدہ ہی فرمائیں" اگر اطوار حکمرانی کے داؤ پیچ سے واقفیت رکھتے تو حکومت کے لئے یہ بہتر موقع تھا اس تحریک کو ٹالنے یا اس سے دامن چھڑانے کا، مگر اس کے لئے تو ذہن رسا کی ضرورت تھی، لیکن خواجہ ناظم الدین ایسے شریف طبع وزیراعظم اِن راہوں کے خوگر نہیں تھے، سیاست اور شرافت کے رشتوں کا باہم کوئی تعلق نہیں۔

۲۳ر جنوری کا نوٹس گویا ایک قسم کا چیلنج تھا حکومت کے لئے کہ اگر ایک

ماہ کے اندر مندرجہ ذیل مطالبات تسلیم کئے جائیں۔
۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
۲۔ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو وزارت سے الگ کر دیا جائے
۳۔ ربوہ کی اراضی پر مرزائیوں کو ناجائز قابض قرار دے کر یہ اراضی مرزائیوں سے واپس لے کر مہاجرین کے نام الاٹ کی جائے
۴۔ کلیدی عہدوں پر قابض مرزائی افسران کو ہٹا کر کے ان کی جگہ مسلمانوں کو متعین کیا جائے۔"

ورنہ مجلسِ عمل راست اقدام کرے گی۔

اس پر دونوں طرف سے تیاریاں شروع ہو گئیں، پولیس اور فوج اپنے ہتھیار جمع کرنے لگی۔ مجلسِ عمل نے رضاکاروں کی بھرتی کے لئے پنجاب بھر میں دفاتر قائم کر دیئے اور برطانوی ہتھکڑیاں اور جیل خانوں کی وسعت کا اندازہ ہونے لگا، پولیس لاٹھیاں اور فوج بندوقوں کے کل پرزے درست کرنے لگی اور ختم نبوت کے محافظ نوجوان مجلسِ عمل کے رضاکار فارم اپنے خون سے پُر کرنے لگے۔

ـــ اِدھر آؤ ظالم ہنر آزمائیں
تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں

اس ضمن میں بعض صحافیوں کے قلم اور ضمیر بھی خریدے گئے کہ وہ تحریکِ ختم نبوت کو سبوتاژ کرنے کے لئے حکومت سے تعاون کرتے ہوئے مجلسِ عمل اور خصوصاً احرار راہنماؤں کے خلاف مضامین لکھیں اور عوام کو تحریکِ ختم نبوت سے نفرت کرنے کی ترغیب دیں۔

مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور فقہ جعفریہ کے لوگ ایک صف میں کھڑے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔

مجلسِ عمل کے نوٹس کی معیاد ۲۳ر جنوری سے ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء تک تھی، اس عرصہ میں مجلسِ عمل کے رہنما اپنی مہم کی کامیابی کے اسباب مہیا کرنے میں مصروف ہوگئے حکومت تحریک کو دبانے کے طریق پر غور کرنے لگی اور عوام خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو کر شہادت تلاش کرنے لگے۔

پنجاب کے علاوہ سندھ اور شمالی صوبہ سرحد بھی جذبہ شہادت سے سرشار تھا۔

سیاست کی بساط پر آمنے سامنے کے کھلاڑی ایک دوسرے کا لحاظ نہیں کرتے چاہے مقابل میں حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

جن دنوں پنجاب میں ختمِ نبوت کا مسئلہ عوام اور حکومت کے درمیان فیصلہ کن موڑ پر تھا۔ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اور نواب افتخار حسین ممدوٹ اقتدار کی کشمکش میں مبتلا تھے، نواب ممدوٹ نے شمالی صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ عبدالقیوم سے دوستی کر کے دولتانہ کو شکست دینے کے منصوبے سوچے ہوتے تھے۔ اور دولتانہ تھے کہ خواجہ ناظم الدین کو وزارتِ عظمیٰ کے سنگھاسن سے اُتار کر خود بیٹھنا چاہتے تھے۔ اس کشمکش نے بھی تحریکِ ختمِ نبوت کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔

حضرت امیرِ شریعت کی تقریر

مرکزی حکومت کو مجلسِ عمل کے آخری نوٹس کے مطابق جیسے جیسے دن قریب آتے گئے، تحریک میں زور پیدا ہوتا چلا گیا۔ واقعات و حالات نے کئی کروٹیں لیں۔ کارکنوں پر مقدمات قائم ہوئے۔ عدالتوں کے نوٹسوں کے ذریعے ورکروں کو ڈرایا اور دھمکایا گیا۔ کئی اضلاع میں کارکنوں کے داخلوں پر پابندیاں عائد کی گئیں، ان سب کے باوجود خدا اور رسولؐ کے نام پر حاصل کی ہوئی مملکت کے حاکموں پر مسلمانوں کو یقین تھا کہ کچھ بھی ہو، پاک سرزمین پر تختِ ختمِ نبوت تک پہنچنے والے پاؤں سلامت نہیں رہ سکتے جو ہاتھ سرتاجِ انبیا کے گریبان تک پہنچنے کی گستاخی کرے گا، شل کر دیا جائے گا، وہ آنکھ پھوڑ دی جائے گی جس کے ارادوں میں بُرائی جھلک رہی ہوگی، مگر اپنی کرسیوں

کے لئے لڑنے والے حاکموں نے پیغمبرِ خدا علیہ السلام کی نبوت کو لاوارث قرار دے کر اس سے ایسی بے اعتنائی برتی کہ ۲۲ر فروری کا دن امید و یاس کے درمیان گذر گیا۔ بالآخر پروگرام کے مطابق کراچی روانگی سے دو روز پیشتر مجلسِ عمل کے تحت دہلی دروازہ لاہور میں مولانا ابوالحسنات قادری صدر مجلسِ عمل کی صدارت میں ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جس میں حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجلسِ عمل کی تاریخی قرار داد پر تقریر کی جو ذیل میں درج ہے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد

"عزیزان! آج یہ اجتماع تاریخی اجتماع ہے، جو مرزائیوں اور سر ظفر اللہ کے خلاف مظاہرہ کے لئے منعقد ہوا ہے۔ یہ اجتماع مجلسِ عمل کے زیرِ اہتمام ہو رہا ہے۔

میں خواجہ ناظم الدین صدر مسلم لیگ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مسلم لیگ کو قوم کی واحد نمائندگی کا دعویٰ ہے۔ آج لاہور کے تمام مسلمان جمع ہیں، جو مرزائی وزیرِ خارجہ کے خلاف عدمِ اعتماد اور اپنی بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

یہ وہی جلسہ گاہ ہے جہاں کئی سیاسی تحریکات نے جنم لیا اور پروان چڑھیں۔ نہرو رپورٹ کے سلسلہ میں بھی غالباً اِسی باغ میں تاریخی اجتماع ہوا تھا اور آج مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور سر ظفر اللہ کو اس کی ذمہ داریوں سے علیحدہ کرنے کے لئے بھی اسی باغ میں اجتماع ہو رہا ہے۔

میں کہتا ہوں خواجہ ناظم الدین صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے اس باغ میں ایک جلسہ منعقد کریں اور اسلامیانِ لاہور کو اس میں شرکت کی دعوت دیں۔ جلسہ کی صدارت خواجہ صاحب خود کریں، اور پھر ظفر اللہ کے متعلق عوام کا ووٹ حاصل کریں، ان

باتوں کا فیصلہ آج ہی ہو جاتے گا اگر خواجہ صاحب کے فرمان پر کوئی آدمی بھی نہ آیا تب بھی فیصلہ ہو جائے گا اور اگر لوگوں نے آکر ظفر اللہ کے خلاف عدمِ اعتماد اور بیزاری کا اظہار کر دیا تب بھی فیصلہ ہو گیا۔

خواجہ صاحب نے پچھلی دفعہ ایک تقریر میں کہا تھا کہ کسی کے پیچھے ہجوم ہو جانا، کسی جلسے میں زیادہ حاضری اور کثیر اجتماع اس امر کی دلیل نہیں کہ اُسے عوام کا اعتماد حاصل ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ "خواجہ صاحب ساری زندگی تو اسے دلیل اور مدار قرار دیتے رہے وہ اب کیوں گریز فرما رہے ہیں ؟ اور اگر اجتماع دلیل نہیں اور کسی کے ساتھ اکثریت ہو جانا مدار نہیں تو پھر مسلم لیگ کو واحد نمائندگی کا حق کیسے حاصل ہے ؟ اور پھر آپ کس واحد نمائندہ جماعت کے صدرِ اعظم ہیں ؟"

مرزائیت جیسے فتنے کی پرورش برطانیہ نے کی ہے، اگر افغانستان ہوتا تو اس فتنے کا کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ امیر حبیب اللہ پر خدا کی ہزار ہزار رحمت ہو، جس نے افغانستان کی حدود میں مرزائیت کو داخل نہ ہونے دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے امیر حبیب اللہ کو ایک خط لکھا کہ میں نبی بن گیا ہوں، تم مجھ پر ایمان لاؤ، امیر حبیب اللہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو جواب دیا " ایں جا بہ آ (یہاں آ)

مرزا غلام احمد وہاں کیسے جاتا ؟ اور اگر چلا جاتا تو کچھ نہ کچھ ہو جاتا اور مرزا غلام احمد کا دماغ درست ہو جاتا۔

دورانِ تقریر امیر شریعتؒ نے آئی جی پولیس میاں انور علی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا میاں صاحب نے" الفضل" میں شائع شدہ مرزا محمود کا خطبہ یا بیان پڑھا ہے؟ اگر نہیں پڑھا تو اب پڑھیں اور اس کے ساتھ ان پرچوں کو بھی پڑھیں، جن میں" الفضل" نے" خونی ملّا" کے آخری دن" لکھ کر علمائے کرام کو قتل کی دھمکی دی تھی۔"

"الفضل" کی عبارت

"ہاں آخری وقت آن پہنچا ہے۔ اُن علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو یہ علماً قتل کراتے آتے ہیں۔ اب ان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔

(۱) سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری سے (۲) ملّا بدایونی سے (۳) ملّا احتشام الحق سے (۴) ملّا محمد شفیع سے (۵) ملّا مودودی پانچویں سوار سے۔"

"الفضل" ۱۵؍جنوری ۱۹۵۲ء

آپ یہ اقتباس پڑھ کر سنا رہے تھے کہ مجمع سے ایک آواز آئی "حکومت اُس وقت کہاں سو رہی تھی۔"

"حکومت تو وہیں سو رہی تھی جہاں اب ہے، لیکن تم کہاں سو رہے ہو؟ جو اس مشین کے پرزے ہو۔"

میں نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں دولتانہ سے ملاقات کی اور ڈائریکٹر تعلقاتِ عامہ کی وساطت سے اخبار" الفضل" کا یہ اقتباس پڑھ کر سنایا تو میاں صاحب نے ایکشن لینے کا وعدہ کیا۔ مگر وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا۔

آخر میں امیر شریعت نے فرمایا:

"مجلس عمل کا جو وفد خواجہ ناظم الدین سے ملا تھا اس وفد کے سامنے خواجہ صاحب مرزائی وکیل کی حیثیت سے پیش آئے اور ظلّی بروزی کا جھگڑا لے بیٹھے۔

میں پوچھتا ہوں، خواجہ صاحب ایک وزیر ہیں، انہیں شیخ الاسلام کس نے بنایا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد خواجہ صاحب خود بخود شیخ الاسلام کے فرائض بھی انجام دینے لگ گئے ہیں۔

عوام سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعت نے تقریر کے آخر میں کہا۔

تم ناموس مصطفےٰ کا تحفظ کرو، میں تمہارے کتے پالنے کو تیار ہوں۔ میں تمہارے سور چراؤں گا۔ میں کہتا ہوں مسلم لیگ نے پاکستان بنایا، ملک تقسیم کرایا ہے، یہ انجمن احمدیہ نے نہیں بنایا۔ مرزا محمود اور ظفر اللہ کا پاکستان سے کیا تعلق؟ یہ دُم بریدہ سگانِ برطانیہ" آج پاکستان میں دندنا رہے ہیں، ہم ان کی یہ غدارانہ سرگرمیاں ہرگز برداشت نہیں کریں گے، یہ درخواست نہیں چیلنج ہے۔

امیر شریعت
حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

راست اقدام کا فیصلہ کراچی پہنچ کر مجلسِ عمل کے رہنماؤں نے ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو مولانا ابوالحسنات کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں راست اقدام کا پروگرام اور طریق کار طے کیا گیا اس اجلاس میں حسب ذیل تاریخی قرارداد منظور کی گئی۔

"۱۸ جنوری کے کنونشن میں مرکزی حکومت کو جو نوٹس دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا، وہ چونکہ مجلسِ عمل کے ایک وفد نے اِس حکومت کے حوالے کر دیا تھا اور ۲۲ فروری کو اس نوٹس کی میعاد ختم ہو گئی ہے، بلکہ مزید چار دن بھی گذر چکے ہیں، اس لئے اب پُرامن راست اقدام کی شکل کا فیصلہ کیا جانا ضروری ہے۔

راست اقدام کی شکل کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ پانچ رضاکار ایسے جھنڈے اٹھائے ہوں گے جن پر مطالبات ثبت ہوں گے۔

شاہراہ عام پر سے نہیں بلکہ چھوٹی سڑکوں پر سے ہوتے ہوئے وزیراعظم کی کوٹھی پر جائیں گے، اگر وہاں سنتری اُن رضاکاروں کو روکے گا تو وہ اس سے کہیں گے کہ وہ وزیراعظم کی خدمت میں مطالبات پیش کرنے اور ان کو تسلیم کرنے کی درخواست کرنے آئے ہیں، اور وہ اسی صورت میں واپس جائیں گے کہ وزیراعظم ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیں۔

اگر یہ رضاکار گرفتار کر لئے جائیں گے تو مجلسِ عمل پانچ رضاکاروں کا ایک اور دستہ بھیج دے گی اور یہ سلسلہ پُرامن طریقے پر اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مطالبات تسلیم نہ کئے جائیں گے۔

گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی اسی قسم کا پہرہ لگایا جائے گا تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اس تحریک کا رُخ محض خواجہ ناظم الدین کی طرف

ہے کہ وہ بنگالی ہیں۔

مولانا ابوالحسنات اس متبرک تحریک کے پہلے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے اور انہیں گرفتاری کی صورت میں اپنے جانشین کی نامزدگی کا اختیار دے دیا گیا۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ اسی دن شام کو آرام باغ میں جو جلسہ عام ہو رہا ہے' اس میں عوام کو مشورہ دیا جائے کہ وہ حسبِ معمول اپنے کاروبار میں مصروف رہیں اور رضاکاروں کے ساتھ نہ جائیں۔"

۲۶ر فروری نمازِ عشاء کے بعد آرام باغ کراچی میں مولانا ابوالحسنات کی صدارت میں ایک عظیم عوامی اجتماع ہوا' جس میں قرارداد کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے خطبۂ مسنونہ کے بعد کہا۔

"آپ حضرات میری زندگی کے گزشتہ تیس' بتیس سالوں کو جانتے ہیں' میں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا' اپنے ضمیر سے مطمئن ہو کر ڈالا۔ پھر چاہے راستے میں جو آتے' میں نے اسے ہمیشہ ٹھکرا دیا۔ انگریز جیسی جابر سلطنت جب میرے مطالبہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکی تو اس ملک کے حکمران' جنہوں نے یہ ملک اللہ اور رسولؐ کے نام پر حاصل کیا تھا اور آج اسی ملک میں وہ اپنے قوانین اور حکومت کے زور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں' کیونکر ٹھہر سکتے ہیں۔

۲۲ر فروری کے بعد تا ایں دم ہم حکومت کے فیصلے کے منتظر رہے' مگر وہ خاموش تماشائی کی طرح ہمارے جذبات کا امتحان لیتی رہی۔

۶ر اگست ۱۹۵۲ء کو پاکستان کے وزیر اعظم نے اپنے ایک آرڈی ننس کے ذریعے سرکاری ملازمین پر پابندی عائد

کی تھی کہ وہ کسی مخصوص فرقہ کے عقائد کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود مرزائی افسران نے اس آرڈی ننس کا جو مذاق اڑایا وہ حکومت اور عوام دونوں کے سامنے ہے۔

سب سے پہلے مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ نے اس قانون کی مخالفت کرتے ہوئے بیان دیا کہ ہم اپنے مذہبی عقائد اور ضمیر کی تبلیغ سے باز نہیں رہ سکتے، اس کے بعد میاں نصیر احمد فاروقی چیف سیکرٹری حکومت سندھ، خان بہادر ڈاکٹر سید احمد سپرنٹنڈنٹ راڈر سینی ٹوریم، کرنل سید شبیر حسین شاہ انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات اور ان کے علاوہ دوسرے مرزائی افسران نے کئی بار کھلے جلسوں کی صدارتیں کر کے کفر وارتداد کی تبلیغ کی اور سرکاری احکام کا کھلم کھلا منہ چڑایا، لیکن ان کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا گیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ دراصل حکومت خود مرزائیت کی تبلیغ کروا رہی ہے۔

ان کے مقابل اگر مسلمان اپنے دینی عقائد اور اسلامی روایات کی تبلیغ کریں تو اُسے سرکاری اثر ڈال کر بند کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی قومیں ارباب اقتدار سے اپنے مطالبات کرتی ہیں اور حکومتیں انہیں تسلیم بھی کرتی ہیں مگر ہمارے ارباب اقتدار عجیب ہیں۔ پوری قوم متفقہ طور پر ان سے مطالبہ کر رہی ہے، لیکن ارباب اقتدار کے بہرے کانوں تک کوئی آواز نہیں پہنچ رہی اور وہ ملت اسلامیہ کی آواز کو سُنی اَن سُنی کر رہے ہیں۔ مسلمانانِ پاکستان نے تاج و تخت ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلے میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور مرزائی وزیر خارجہ کو وزارت سے برطرف کرنے کے متعلق حکومت سے جو

مطالبات کئے تھے' اربابِ اقتدار اِن مطالبات کو تسلیم نہیں کر رہے اور مختلف حیلوں بہانوں سے تحفظ ختم نبوت کی تحریک کو دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا خواجہ ناظم الدین بھی مرزا بشیرالدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں' جبھی تو مرزائیوں کے متعلق پوری قوم کے مطالبات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھ رہے۔ مجھے خصوصی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ خواجہ ناظم الدین اور مرزائیوں کے درمیان کوئی رشتے ناطے بھی ہو چکے ہیں' اگر یہ صحیح ہے تو مسلمان کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کریں گے' کیونکہ مسلمان قوم کے حکمران وہی ہو سکتے ہیں' جو مسلمان ہوں اور محمدؐ عربی کے غلام۔ محمدؐ عربی کے باغی' کافر اور مرتد مسلمان قوم کے حکمران نہیں رہ سکتے۔"

تقریر کے آخر میں آپ نے غصے اور جذباتی لہجے میں فرمایا۔

"آل مسلم پارٹیز کنونشن نے حکومت کو ایک ماہ کا نوٹس دیا' جس کی میعاد چار دن ہوئے ختم ہو چکی ہے۔ ایک ماہ کے مسلسل صبر آزما اور توجہ کے باوجود حکومت نے جس بے اعتنائی کے ساتھ مسلمانانِ پاکستان کے متفقہ مطالبات کو ٹھکرا دیا یہ اس حکومت کے زوال کی نشانی ہے۔"

عوام سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا:

اس رات کے بعد قوم جو قدم اٹھائے گی' اس کی ذمہ داری پھر حکومت پر ہو گی۔ مسلمان ناموسِ مصطفےٰؐ کے تحفظ کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کریں گے۔" رات دو بجے کے قریب یہ اجتماع ختم ہوا۔ تمام رہنما دفتر تحفظ ختم نبوت

(بندر روڈ کراچی) میں آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔ ابھی وہ نیند سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے کہ پولیس کی بھاری جمعیت نے دفتر کی تمام عمارت کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ کراچی کے ذمہ دار پولیس افسروں نے رہنماؤں کو جو اس وقت دفتر میں موجود تھے، گرفتار کر لیا۔ یہ ۲۷ر فروری۔ صبح چار بجے کا واقعہ ہے جس میں حضرت امیر شریعتؒ اور اُن کے رفقاء مولانا سیّد ابوالحسنات قادری، ماسٹر تاج الدین انصاری، صاحبزادہ فیض الحسن، مولانا لال حسین اختر، سیّد مظفر علی شمسی اور مولانا عبدالرحیم جوہر، مولانا عبدالحامد بدایونی، غازی اللہ نواز ایڈیٹر ہفتہ وار "حکومت" کراچی اور چودھری نیاز لدھیانوی۔

(نوٹ) اس اجتماع میں غیر ملکی پریس اور فوٹو گرافرز کے علاوہ امریکن ایمبسی کے ارکان بھی موجود تھے، امیرِ شریعت کے اندازِ خطابت، طرزِ تکلم کو دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ کہا۔

"اگر یہ شخص امریکہ میں ہوتا تو تمام عمر امریکہ کا صدر رہتا"

آرام باغ کی اسی تقریر سے متاثر ہو کر سندھ کے ایک وڈیرے نے سعودی عرب میں اپنے ایک دوست کو خط کے ذریعے اطلاع دی کہ

اگر ۲۶ر تاریخ کو آرام باغ میں سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری کی تقریر نہ سنتا تو شاید میں گمراہ ہو جاتا۔ الحمد اللہ کہ ان کی تقریر نے مجھے گمراہ ہونے سے بچا لیا ورنہ قریب تھا کہ میں مرزائی ہو جاتا۔

گرفتاریاں۔ نظر بندیاں

ملوکیت پرستی کی سیاست نے مذہب کے وقار کو اس بڑی طرح مجروح کیا کہ ۲۸ فروری کا آفتاب بھی سوگ وار دکھائی دیا۔ ملکی اخبارات کے سیاہ حاشیے حکومت کے خلاف بغاوت اور نفرت کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کراچی میں مجلسِ عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری حصول پاکستان کی نفی معلوم ہونے لگی جو ملک خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے حاصل کیا گیا تھا اس کی اساس نہ صرف میلی ہو رہی تھی بلکہ بادِ سموم اُس کی بہاروں کو سمیٹ لینا چاہتی تھی۔

حکومت کی ناعاقبت اندیشی

مجلسِ عمل کی تجویز ذہنوں اور دلوں سے نکل کر ہنوز زبانوں تک پہنچی ہی تھی کہ قانون نے دبوچ لیا۔

۱۔ تجویز کے مطابق پانچ رضا کار مجلسِ عمل کے مطالبات کا بینر اٹھاتے کراچی کے بے رونق راستوں سے گزر کر وزیر اعظم کی رہائش گاہ تک جائیں گے۔ یہاں اگر سپاہی انہیں روکے تو وہ وہیں بیٹھ جائیں گے تاوقتیکہ ان کے مطالبات منظور نہ ہوں "

یہ تو خیر بعد کی بات تھی۔

؎ آنے والے کسی طوفان کا رونا رو کر

ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا!

کراچی ایسے پُر ہجوم شہر میں پانچ آدمیوں کا گزر کیا معنی رکھتا جب کہ ان کے ساتھ کوئی بینڈ باجا نہ تھا۔ انہیں نعرہ لگانے کی اجازت نہ تھی۔

اوّل تو حکومت کے آجلانہ فیصلے نے یہ نوبت نہ آنے دی۔ اگر ایسا ہو بھی جاتا تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔

؎ تصور میں چلے آتے، تمہارا کیا بگڑ جاتا

تمہارا پردہ رہ جاتا، ہمیں دیدار ہو جاتا

مجلس عمل بھی ممکن ہے اس سے آگے نہ جاتی کیونکہ جب پہلا قافلہ گرفتار ہوتا تب دوسرا اس کی جگہ لیتا۔ مگر امور سلطنت اور بات ہے عقل دوسری بات۔

آخری بات کی تائید میں ۱۹۳۹ء کے دو واقعے۔

مرکزی مجلس احرار نے دوسری جنگِ عظیم کے دنوں فوجی بھرتی کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کی، اس سلسلے میں امرتسر احرار رضاکار سول نافرمانی کرتے ہوتے فوجی بھرتی کے خلاف جلوس نکالتے اور نعرے لگاتے، جب پولیس انہیں گرفتار کرلیتی تو اس کی جگہ دوسرا قافلہ آجاتا، لیکن اسے گرفتار نہ کیا گیا۔ وہ شام کو دفتر احرار میں پہنچ گئے۔ دوسرے دن بھی یہی کچھ ہوا۔ تیسرے روز رضاکار جلوس کی صورت میں نکلے اور فوجی بھرتی کے خلاف مظاہرہ کرتے رہے، مگر امن و امان سے گھروں میں پہنچ گئے۔ یہ عمل ایک ہفتہ جاری رہا۔ شہر میں برطانوی جنگ کی پالیسی اور فوجی بھرتی کے خلاف تقریریں ہوتیں، جلوس نکلے، مگر مقامی حکام خاموش تماشہ دیکھتے رہے، بالآخر امرتسر میں احرار کو یہ تحریک واپس لینا پڑی۔

●

اسی طرح شمال مغربی صوبہ سرحد کے احرار رہنما مولانا عبدالقیوم پوپلزئی اور اُن کے رفقا نے مرکزی حکم کے تحت سرحد میں فوجی بھرتی اور برطانیہ کے خلاف تحریک شروع کی، مگر سرحد حکومت نے کوئی نوٹس نہ لیا آخر ان لوگوں نے راولپنڈی پہنچ کر اپنے پروگرام کو عملی صورت دینا چاہی مگر یہاں بھی وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوتے ۓ

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرتسر، پشاور، اور راولپنڈی میں احرار سول نافرمانی کی تحریک

ناکام ہوگئی۔
یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان شہروں کے ڈپٹی کمشنر انگریز تھے۔ اُن کی حکمت عملی اور سیاسی سوجھ بوجھ نے ان شہروں میں فوجی بھرتی کے خلاف تحریک ناکام کردی۔
مگر ہمارے نوزائیدہ ملک کے حاکم۔ حاکم نہیں تھے بلکہ ہنوز یہ غیر تربیت یافتہ تھے کر انہیں حکومت سونپ دی گئی۔
بات اگر مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری تک رہتی تو ممکن تھا کہ حالات یہ شکل اختیار نہ کرتے مگر وزیر اعظم کو یقین دلایا جا چکا تھا کہ مجلس عمل نے پچپن ہزار کے قریب رضاکار بھرتی کئے ہیں۔

●

لندن ٹائمز کے نمائندے نے حکومت پنجاب کے ایک افسر سے یہ کہا کہ مرکزی حکومت کمزور ہے اور موجودہ مسائل کے موثر مداوا کی قوت نہیں رکھتی۔ رات لاہور کے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس ایسی اطلاعات موصول ہوتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی صورت حالات بیحد تشویش انگیز ہے اور ایک عام ہنگامہ عنقریب برپا ہونے والا ہے۔ حسین شہید سہروردی، ملک خضر حیات خان اور نواب ممدوٹ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ہم نے مرکزی حکومت کو صورت حالات کی نزاکت سے مطلع کر دیا ہے امید ہے کہ وہ کوئی مضبوط طرزِ عمل اختیار کرے گی۔
(منیر انکوائری رپورٹ ص ۱۴۶)

●

جب وزیر اعظم پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صورت حال روز بروز نازک ہوتی جا رہی ہے اور قانون و انتظام کو جو خطرہ در پیش ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ تدابیر فوری طور پر اختیار کرنی چاہئیں۔

تو انہوں نے مرکزی کابینہ کا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے نمائندوں کو بھی اس اجلاس میں شامل ہونے کی ہدایت کی گئی، چنانچہ یہ اجلاس ۲۶ رفروری کی شام کو منعقد ہوا اور اس میں صوبہ سرحد سے خواجہ شہاب الدین گورنر اور خان عبدالقیوم وزیر اعلیٰ اور پنجاب سے مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال، مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس شامل ہوتے۔ مسٹر آئی آئی چندریگر گورنر پنجاب اور مسٹر ممتاز محمد خان دولتانہ وزیر اعلیٰ دونوں اس اجلاس میں مدعو کئے گئے تھے لیکن چونکہ انہیں لاہور میں بعض دوسری مصروفیتیں لاحق تھیں، اس لئے وہ کراچی نہ جا سکے، لیکن انہوں نے وزیر مال پنجاب اور افسروں کو پوری ہدایات دے دیں اور وہ کراچی پہنچ گئے۔ اس اجلاس میں یہ مسائل زیر بحث تھے۔ ایک تو وہ تین مطالبات، جو ۲۲ رجنوری ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم تک پہنچائے گئے تھے، دوسرے وہ خطرہ جو قانون و انتظام کو "ڈائریکٹ ایکشن" کے اس پروگرام سے لاحق ہو رہا تھا، جو مرکزی مجلسِ عمل نے تجویز کر رکھا تھا پنجاب کے نمائندوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ مرکزی حکومت کو بتا دیں کہ حکومت پنجاب کی رائے میں مطالبات غیر معقول ہیں اور سختی سے ان کی مزاحمت ہونی چاہیئے۔ کابینہ کا اجلاس ۹ بجے شب تک جاری رہا، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ بعد کی صبح کو دو بجے کابینہ کا ایک اور اجلاس طلب کیا گیا کیونکہ یہ اطلاع موصول ہوئی تھی کہ اسی دن صبح کو رضاکار گورنر جنرل اور وزیر اعظم کی کوٹھیوں پر پکٹنگ کریں گے، اس اجلاس میں گورنر سندھ، گورنر صوبہ سرحد وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد چیف کمشنر اور انسپکٹر جنرل پولیس کراچی، سیکرٹری وزارت داخلہ اور ڈپٹی چیف آف سٹاف شریک تھے۔ اس میں

مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے :-

۱۔ اس شورش کے تمام نمایاں لیڈر بشمول مولانا اختر علی خان مالک "زمیندار" گرفتار کر لئے جائیں۔

۲۔ "آزاد" "زمیندار" اور "الفضل" کی اشاعت روک دی جائے۔

۳۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد کو تنبیہہ کی جائے کہ وہ ربوہ سے باہر نہ جائیں نہ کوئی ایسا فعل کریں، جس سے ہیجان و اشتعال پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

۴۔ رضاکاروں کو کراچی آنے سے روکا جائے اور ان کے خلاف اسی سٹیشن پر کارروائی کی جائے جہاں سے وہ سوار ہو رہے ہوں۔ ان فیصلوں سے مسلح ہونے کے بعد مسٹر چیمہ وزیر مال۔ مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس اُسی دن لاہور واپس چلے آئے۔

جب پنجاب کے نمائندے ۲۷ فروری کو لاہور واپس آئے تو انہوں نے اپنی حکومت کو کراچی کے فیصلوں سے آگاہ کیا۔ مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے ان فیصلوں اور مرکزی حکومت کی اختیار کردہ پالیسی کو عمل میں لانے کے لئے اپنی تجاویز کا مسودہ تیار کیا۔ یہ تجاویز ایک اجلاس میں پیش ہو کر منظور ہوئیں جس میں چیف منسٹر، وزیر مال ہوم سیکرٹری، انسپکٹر جنرل پولیس اے ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی شریک تھے۔ تجاویز حسب ذیل ہیں۔

(i) احراریوں کے تمام سرگرم کارکن اور دوسرے افراد جو "ڈائرکٹ ایکشن" کی حمایت کے ذمے دار ہیں (بروئے فہرست منسلکہ) آج رات صوبے بھر میں گرفتار کر لئے جائیں۔

(ii) لاہور کے سوا دوسرے اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اپنی صوابدید کے مطابق زیر دفعہ ۳ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ یہ گرفتاریاں کرنی چاہئیں۔ لاہور میں نظر بندی کے احکام حکومت

پنجاب کے حکم کے ماتحت جاری ہونے چاہئیں؛ بیرونی اضلاع کے افراد کی مزید نظر بندیوں کے احکام مناسب وقت کے اندر اندر حکومت کی طرف سے بھیج دیئے جائیں گے۔

(iii) ذیل کے اخباروں کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے:-
(الف) "زمیندار" (ب) 'آزاد' (ج) 'الفضل'

(iv) ہوم سیکرٹری خواجہ نذیر احمد کو جو سول اینڈ ملٹری گزٹ کی پالیسی کے نگران ہیں، طلب کر کے یہ سمجھا دیں کہ ان گرفتاریوں پر اظہار مسرت نہ کیا جائے اور آئندہ ایک یا دو ماہ کے دوران میں انتہائی ضبط سے کام لیا جائے۔

(v) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ اصالتاً خلیفہ بشیر الدین محمود کو تنبیہ کر دیں کہ وہ اپنی جماعت کے ممبروں کو خصوصاً اپنے سیکرٹریٹ کے عملے کو ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے باز رہنے کی تلقین کریں۔

(vi) جو رضاکار لاہور سے روانہ ہوں ان کے متعلق سندھ پولیس اور کراچی پولیس دونوں کو اطلاع دی جائے تاکہ بر سر راہ اُن کی گرفتاریوں کا انتظام کیا جا سکے۔

(vii) ہوم سیکرٹری ۲۸ تاریخ کو ایک پریس کانفرنس منعقد کریں، جس میں اخباروں کو حکومت کا نقطۂ نگاہ سمجھا دیں۔ اور ان سے اپیل کریں کہ وہ لوگوں کو صبر و سکون اور ضبط کی تلقین کریں۔

(viii) ایک گشتی مراسلہ تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو بھیجا جائے جس میں مرکزی اور صوباتی حکومتوں کے اس اقدام کا پس منظر واضح کیا جائے؛ ان افسروں سے یہ بھی کہا جائے کہ وہ معقول و سنجیدہ عناصر کی امداد سے عوام کو قانون و انتظام کی اہمیت کا قائل بنائیں۔"

ہوم سیکرٹری نے مندرجہ ذیل لاسلکی پیغام فی الفور اضلاع راولپنڈی، گجرات سیالکوٹ، لائلپور، منٹگمری، ملتان، سرگودھا اور شیخوپورہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو ارسال کر دیا :-

"چونکہ احمدیوں کے خلاف شورش بدترصورت اختیار کر گئی ہے، اس لئے ذیل کے اشخاص کو زیر دفعہ ۳ پبلک سیفٹی ایکٹ چودہ دن کے لئے گرفتار کر لیجئے۔ مزید نظر بندی کے احکام حکومت جاری کرے گی اور مناسب وقت کے اندر ارسال کر دے گی۔ آپ آپ دونوں میں سے جو صاحب بھی صدر مقام پر موجود ہوں، وہ ۲۷ر ۲۸ر فروری کی درمیانی رات کو یہ کارروائی کر کے تعمیل کی رپورٹ بھیج دیں۔ چٹھی اس پیغام کے ساتھ بھیجی جا رہی ہے۔ صرف پولیس سپرنٹنڈنٹوں کے لئے: تا احکام ثانی آپ روزانہ ضمنیاں ڈی آئی جی سی آئی ڈی کو لاسلکی کے ذریعے سے بھیجا کریں۔ یہ ضمنیاں مختصر ہونی چاہئیں۔ ان میں ہر قسم کی اہم معلومات، جو دستیاب ہو سکے درج ہونی چاہئیے، یہ بھی بتایا جائے کہ حکومت کے اقدام کا عام ردِ عمل کیا ہے۔ خصوصاً اگر لاہور یا کراچی کو رضا کار بھیجنے یا مقامی طور پر سول نافرمانی کرنے یا اس سلسلے میں سرمایہ فراہم کرنے کی سرگرم کوشش نظر آتے تو اس کی پوری اطلاع دی جائے۔

راولپنڈی : مولوی غلام اللہ خاں خطیب مسجد پرانا قلعہ راولپنڈی

گوجرانوالہ : مولوی محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ شہر

سیالکوٹ : (۱) قاضی منظور احمد رنگپورہ سیالکوٹ شہر (۲) ولی محمد جرنیل سیالکوٹ شہر

لائل پور : (۱) غلام نبی جانباز لائلپور (۲) غازی محمد حسین سالار یاندلیانوالہ (۳) مولوی عبید اللہ لائل پور۔

منٹگمری (۱) مولوی عبیداللہ جامعہ رشیدیہ منٹگمری (۲) مولوی لطف اللہ خان۔ منٹگمری

ملتان (۱) محمد علی جالندھری ملتان (۲) قاضی احسان احمد شجاع آبادی ضلع ملتان (۳) شیخ محمد سعید خانیوال ضلع ملتان۔

سرگودھا: مولوی عبداللہ۔ سرگودھا
شیخوپورہ: قاضی محمد امین شیخوپورہ۔

ایک اور لاسلکی پیغام کے ذریعے سے اضلاع گجرات، جہلم، کیمبل پور، جھنگ ڈیرہ غازیخاں، میانوالی، مظفرگڑھ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اطلاع دی گئی کہ دوسرے اضلاع میں احمدیوں کے خلاف شورش کے سلسلے میں جماعت احرار کے بعض ممبروں اور بعض غیر احراریوں کی گرفتاری کے احکام صادر کئے گئے ہیں، لہٰذا آپ لوگ چوکنے رہیئے اور اگر آپ کے اضلاع میں کوئی اہم واقعہ رونما ہو یا ہونے کی توقع ہو تو فی الفور حکومت کو اطلاع دیجئے۔

ایک "نہایت فوری" انتہائی مُرَجّح "خفیہ" او ٹی پی مرموز تار مورخہ ۲۷ رفروری ۱۹۵۳ء مرکزی حکومت کی طرف سے حکومت پنجاب کو موصول ہوا، جس میں اوّل الذکر نے مطالبات کے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا تھا۔

۲- (آ) احمدی ہوں یا پاکستانیوں کا کوئی دوسرا طبقہ ہو، اس کو اس کی خواہشات کے خلاف اقلیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ امر حکومت کے دطائف میں داخل نہیں ہے کہ وہ کسی گروہ کو زبردستی اقلیت بن جانے پر مجبور کرے۔

(اا) احمدیوں کو صرف اس بنا پر کہ وہ احمدی ہیں، حکومت کے کلیدی عہدوں سے برطرف نہیں کیا جا سکتا، نہ عزت مآب وزیر خارجہ کی برطرفی کا مطالبہ محض اس بنا پر کہ وہ احمدی ہیں قابل توجہ ہو

سکتا ہے۔ کسی وزیر کو عہدے سے برطرف کرنے کے لئے ایک آئینی مشینری مہیا ہے، جب تک کسی وزیر کو اپنے رفقائے کار کا اور مرکزی اسمبلی میں منتخب نمائندگان جمہور کا اعتماد حاصل رہے، اس کو عہدے سے برطرف نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی وزیر محض اس لئے عہدے سے برطرف نہیں ہو سکتا کہ عوام کا ایک طبقہ "ڈائرکٹ ایکشن" کی دھمکی دے کر اس کی برطرفی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کوئی سرکاری ملازم خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، حکومت کے کسی ماتحت عہدے سے محض اپنے مذہب کی وجہ سے موقوف نہیں کیا جا سکتا۔

(iii) حکومت کے کلیدی عہدوں سے احمدیوں کی برطرفی کا مطالبہ بظاہر اس اندیشے کی بنا پر کیا جا رہا ہے کہ غالباً وہ لوگ اپنے مخصوص فرقہ وار عقائد کی تبلیغ کی غرض سے اپنی پوزیشن کا ناجائز استعمال کریں۔ اس اندیشے کو دور کرنے کے لئے حکومت نے سخت ہدایات جاری کر دی ہیں کہ کوئی وزیر یا سرکاری افسر اپنے فرقے کے عقائد کی تبلیغ نہ کرے۔

۳۔ مرکزی حکومت پیراگراف ۲ کے مطابق کوئی سرکاری اعلان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تاوقتیکہ صورت حال اس قسم کے اعلان کی متقاضی نہ ہو، لیکن صوبائی حکومتوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ فی الفور ان خطوط پر نشر و اشاعت کا وسیع انتظام کریں، اور اخبارات کی مناسب رہنمائی کریں۔

۴۔ کراچی میں اس شورش کے نمایاں لیڈروں کی گرفتاری کے بعد آج ایک سرکاری اعلان جاری کیا جا رہا ہے، یہ ضروری ہے کہ احراریوں کو شورش کے اُن حامیوں سے جو نسبتاً کم جوشیلے ہیں علیحدہ اور منقطع کر دیا جائے اور فی الحال حملے کو احراریوں ہی پر

"تحریک کیا جائے۔ سرکاری اعلان میں احراریوں کے متعلق، جو طریق اظہار اختیار کیا گیا ہے۔ اس کو تقویت دینے کے لئے احراریوں کی گزشتہ بدافعالیوں اور موجودہ افتراق انگیز سرگرمیوں کی پُرزور اشاعت کی جائے۔"
(منیر انکوائری رپورٹ ص۱۴۷ تا ص۱۴۹)

حکومت کے ان ناعاقبت اندیشانہ فیصلے نے ذرا سی آگ کو ہوا دے کر الاؤ کی شکل دے دی جس نے سارے پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۲۶ اور ۲۷ فروری کی درمیانی رات کو کراچی میں مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاریوں نے عوام کے جذبات بہت حد تک مشتعل کر دیئے تھے، لیکن ۲۸ اور ۲۹ فروری کی درمیانی شب پنجاب پولیس کے طرزِ عمل نے برطانوی یاد تازہ کر دی، دو اور تین بجے رات تحریک تحفظِ ختم نبوت کے کارکنوں اور لیڈروں کو ان کے گھروں سے گرفتار کرنے کے لئے چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح چھاپے مارے۔

۲۹ فروری کو جمعہ تھا۔ اس دن مصنف (جانباز مرزا) نے پنڈی بھٹیاں (ضلع جھنگ) جانا تھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر لائلپور (فیصل آباد) پہنچا۔ رات جامع مسجد میں کراچی میں رہنماؤں کی گرفتاریوں پر احتجاجی جلسہ تھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر رات ایک بجے گھر پہنچا۔ ابھی نیند ابتدائی مراحل میں تھی کہ پولیس آن وارد ہوئی۔ ان دنوں رانا جہانداد خان لائلپور پولیس کے ڈی ایس پی تھے۔ نہایت شریف طبع اور ملنسار پولیس آفیسر تھے، خانگی اعتبار سے ان کا تعلق مفکرِ احرار چودھری افضل حق سے تھا۔ کوتوال شہر کا نام تو یاد نہیں، البتہ پہلوان کہا جاتا تھا۔ دونوں پولیس آفیسروں نے میرے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا اور نام لے کر آواز دی۔ میری خوشدامنہ جاگ رہی تھیں، انہوں نے پولیس کی آواز سن کر کہا۔ وہ تو گھر نہیں ہیں۔

رانا جہانداد خان: اماں جی! وہ گھر پہ ہی ہیں، آپ دروازہ کھولیں۔

اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ پتہ چلا کہ پولیس گرفتاری کے لئے آئی ہے۔

میں نے آواز دی۔ رانا صاحب! میں آ رہا ہوں، اجازت ہو تو کپڑے تبدیل کر لوں۔
رانا صاحب: بالکل۔
اس پر دوسری آواز کوتوال شہر کی تھی۔
مرزا صاحب! "ذرا دیئے کی روشنی زیادہ کر دیں"۔
میرے گھر بجلی نہیں تھی۔ کڑوے تیل کا دیا جل رہا تھا۔ اس پر رانا جہانداد نے نے برجستہ کہا۔

"پہلوان! ایسوں کے گھر ایسے ہی ہوتے ہیں"

پولیس آفیسر کا یہ فقرہ میری زندگی کا حاصل بن گیا۔
بہر حال گرفتاری کے لئے باہر نکلا تو لاتعداد مسلح پولیس اور فوج کا دستہ موجود تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھیراؤ میں لے لیا۔ گلی سے باہر کھڑی پولیس کی جیپ میں بٹھا کر مقامی جیل میں پہنچا دیا۔ جیل کے عملہ نے مجھے اُسی وقت پھانسی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔
۱۹۴۲ء کے بعد میں دوسری مرتبہ اس جیل میں لایا گیا تھا۔ اُن دنوں دوسری جنگ عظیم کے دوران میری طرح ہزاروں محب وطن برطانیہ کی جنگی پالیسی کے خلاف نبرد آزما جیل خانوں میں پڑے تھے۔
۱۹۴۴ء کے شروع میں تین برس کی نظر بندی کے بعد ملتان سنٹرل جیل سے رہا ہوا تو یقین تھا کہ اب ملک آزاد ہو جائے گا۔ خزاں کے خشک پتے جھڑتے ہی بہار کی کونپلیں پھوٹنے لگیں گی اور پھر خزاں کا موسم کبھی نہیں آئے گا۔ مگر نصیب کی بات ہے۔

ـــ ہوئے جوان تو مرنے لگے حسینوں پر
ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

جب بہار آئی تو قفس کی تیلیاں راستے کی دیوار بن گئیں۔ جب بہار کی آمد آمد پر شبنم نے کئی راتیں آنسو بہائے، آج لالہ و گل کا لہو ان بہاروں کو داغدار کر رہا تھا۔

ـــ ہم نے سوچا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
ہائے کمبخت، وہ بھی تیرا چاہنے والا نکلا

میں اپنی یادداشتوں کے انہیں زیر و بم میں تھا کہ جیل کے بڑے پھاٹک کے کھلنے کی آواز آئی۔ دیکھا تو مقامی مجلس احرار کے صدر مولانا عبید اللہ احرار گرفتار ہو کر لائے گئے تھے۔ انہیں

مرزا غلام نبی جانباز

بھی میرے ساتھ پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

معلوم ہوا ضلع لائلپور سے میرے بعد مولانا عبید اللہ احرار کے علاوہ غازی محمد حسین (ناندیانوالہ) کی بھی پولیس کو ضرورت تھی مگر وہ زد میں نہیں آئے۔

؎ بعد کا قصہ سناؤ، اے میری بے ہوشیو!
لن ترانی کی صدا سننے تلک تو ہوش تھا

جب کوئی تحریک حکام کے خلاف ابھرتی ہے تو ملکی آئین حکام کا پشتی بان ہوتا ہے۔ دوسری طرف اپنے مقاصد کے حصول میں جانیں دینے والے کفن بردوش موت سے لڑ جانے کو تیار ہوتے ہیں۔

ہم دونوں کی گرفتاری کے بعد لائلپور شہر کے عوام پر کیا گذری۔ یہ کہانی پاکستان ٹائمز لاہور کے نمائندہ مقیم لائلپور حمید اصغر نجید کی زبانی سنئے۔

"مرکزی مجلس احرار کے رہنما مرزا غلام نبی جانباز اور مقامی مجلس احرار کے مولانا عبید اللہ احرار کی گرفتاری نے لائلپور کو تحریک تحفظ ختم نبوت کا مرکز بنا دیا۔ یہ دونوں رہنما مقامی تحریک کے روحِ رواں تھے۔ مقامی اخبارات نے ان کی گرفتاری پر ضمیمے شائع کئے۔ کاروباری مارکیٹیں بند ہو گئیں۔ عوام کے چہرے اداس اور حکام کے خلاف غصیلے نظر آ رہے تھے۔ شہر میں ہڑتال کا سا سماں تھا۔ نوجوان ٹولیوں کی صورت میں بازاروں میں ختم نبوت زندہ باد، مرزائیت مردہ باد کے نعروں سے اپنے دلی جذبات کا پُرزور مظاہرہ کر رہے تھے۔ مقامی اخبارات نے ان واقعات کی صحیح رپورٹ اخبار پاکستان ٹائمز کو بھیجنے سے مجھے منع کر دیا۔ میں نے کہا میں آپ کی رپورٹ بھیج سکتا ہوں لیکن اپنی رپورٹ میں وہی لکھوں گا جو میں نے دیکھا۔

اس موقعہ پر ڈپٹی کمشنر قدرے ناراض ہوئے۔ ایک مجسٹریٹ نواز صاحب موقعہ پر موجود تھے۔ انہوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا نجید صاحب آپ انتظامیہ

ا۔ یہ رپورٹ مرکزی دفتر تحفظ ختم نبوت ملتان سے ملی ہے۔

کاموقف انتظامیہ کے الفاظ میں بھجوائیں ۔

انتظامیہ کا موقف تھا ۔

چند شرپسندوں نے مسافر گاڑی کو روک لیا ۔ نعرے بازی کی ۔ لوٹ مار کی اور مسافر عورتوں سے دست درازی کی ۔ اس پر حالات بگڑ گئے ۔ اور پولیس کو بحالت مجبوری گولی چلانا پڑی ۔ اب حالات قابو میں ہیں ۔ اور شہر میں امن وامان ہے ۔

پاکستان ٹائمز لاہور میں میری بھیجی گئی رپورٹ کا صرف سرکاری حصہ شائع ہُوا ۔

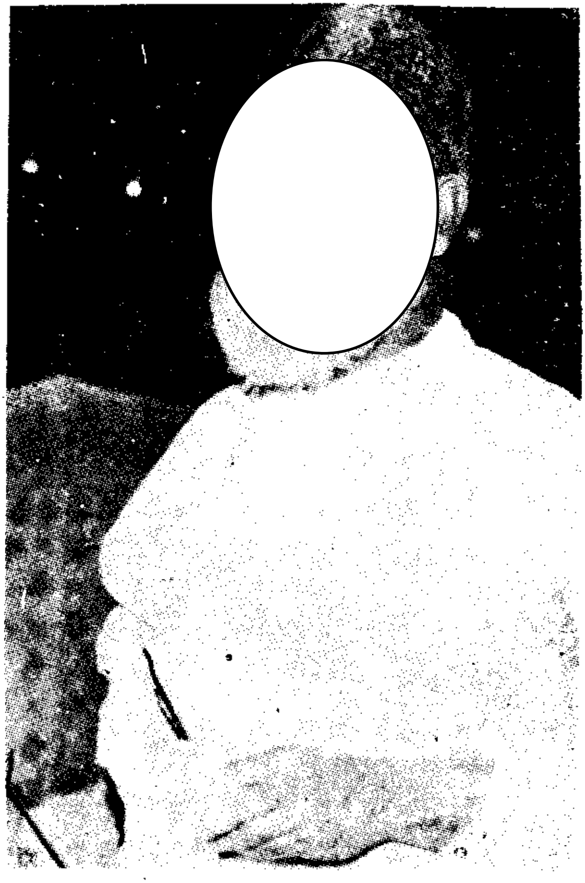

مولانا عبیداللہ احرار

جس پر مجھے سخت شرمندگی تھی۔ لیکن چونکہ لائلپور کے لوگ جانتے اور میرے جذبات سے آگاہ تھے۔ لہٰذا یہ بات میرے لیے طعن نہیں بنی۔ بلکہ ہر کسی نے محسوس کیا کہ صرف سرکاری رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔

لائلپور میں کرفیو ہر روز عوام کے جذبات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شہر کا کاروبار بند تھا۔ بے کار اور جذباتی نوجوانوں کے طرزِ عمل پر مقامی حکام کے تشدد نے حالات کو مزید آگے بڑھنے کا موقعہ دیا۔ شہر کے معزز علمائے کرام کی گرفتاری نے ہنگاموں میں اضافہ کر دیا۔ علماء کی گرفتاری کے بعد مولانا تاج محمود نے مرکزی جامعہ مسجد میں بیٹھ کر حالات کو قدرے سنبھالا دیا۔ مگر اُن کے روپوش ہو جانے سے حالات اور خراب ہو گئے۔ مقامی جامعہ مسجد کے خطیب مولانا محمد یونس، مولانا محمد یعقوب نورانی، سید افتخار الحسن شاہ، مولانا محمد اشرف عطا کی گرفتاری سے حالات مزید آگے بڑھے۔ اس طرح حالات مقامی حکام کے قابو میں نہ رہے تو انہیں کرفیو لگانا پڑا۔

کرفیو کے دوران بحیثیت نامہ نگار شہر میں گھوم پھر کر واقعات کی رپورٹ کرتا رہا۔ اس پر مجھے وارننگ دیتے ہوئے مجسٹریٹ نے کہا۔

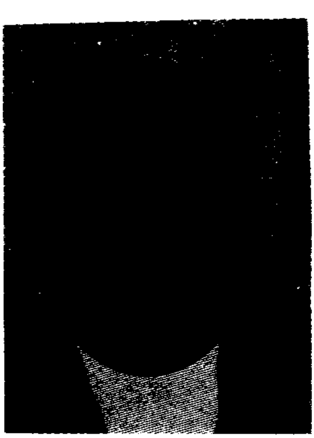

مولانا خلیل احمد قادری

"آپ آئندہ بغیر کرفیو پاس شہر میں نہ پھریں اور نہ کوئی رپورٹ کریں۔"
مجھے تو کرفیو پاس کوئی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے فرض کی بجاآوری میں بدستور مصروف رہا۔ آخر مجسٹریٹ نے وارننگ دیتے ہوئے کہا۔
"اگر آپ باز نہ آئے تو آپ کو گولی مار دی جائے گی۔"
یہ بات سن کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"یہ کام تو آپ جب چاہیں کر سکتے ہیں۔"
تحریک ختم نبوت کے دوران لائلپور میں سینکڑوں مسلمان گرفتار ہوئے۔ جن میں سے اکثر کو پولیس شہر سے دو چار میل دُور لے جا کر چھوڑ دیتی تھی۔

حمید اصغر نجید | نامہ نگار خواہ کسی اخبار سے متعلق ہو، ذمہ داری کے اعتبار سے اخبار

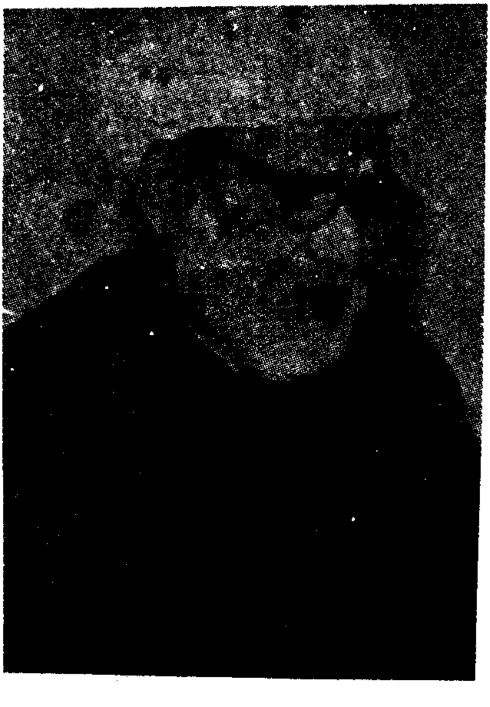

فقہ جعفریہ کے رہنما علامہ کفایت حسین

کے ایڈیٹر سے کہیں زیادہ با اختیار اور حوصلہ مند ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اخبار کے مالک اِس کی ہر بات کو یقین کی حد تک اہمیت دیتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ جو خبر وہ اپنے اخبار کے لیے بھیج رہا ہے اُس کی سچائی پر یقین ہو۔ پھر چاہے جان جائے۔ نہ تو وہ خبر کے ذرائع بتا سکتا ہے اور نہ اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں جو قلم ہے وہ اس کے ضمیر اور ایمان کی امانت ہے۔

تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کے دنوں لائلپوری حکام نے مسلمان ہوتے ہوئے جو کردار ادا کیا۔ اُن کا ایمان اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ ایسے موقعہ پر حمید اصغر نجید نے پاکستان ٹائمز کا نامہ نگار ہوتے ہوئے جس جرأت کا مظاہرہ کیا یہ اُن کی صحافتی ذمہ داری کا ثبوت ہے۔

حمید اصغر نجید کا روحانی اور جسمانی تعلق لدھیانہ شہر سے ہے۔ یہیں کے علماء نے سب سے پہلے دجالِ قادیان پر قلم اٹھایا تھا۔ نیز یہیں کے علمائے کرام نے ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے فتوے پر دستخط کئے تھے۔

حمید اصغر نجید ۱۹۴۷ء میں لدھیانہ سے ہجرت کر کے لائلپور اور پھر لاہور آ گئے۔

حمید اصغر نجید

یہاں گذشتہ اکیس سال سے پاکستان کے نامور اخبار نوائے وقت میں بطور سنیئر سب ایڈیٹر کے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اختر علی خان کی گرفتاری اور معافی

کراچی میں گرفتاریوں کے اثرات پنجاب کے دیگر شہروں کے علاوہ لائلپور اور لاہور میں شدت سے محسوس کئے گئے۔ ۲۸ فروری کو نوجوانوں کی ٹولیاں شہر کے بازاروں میں دکانیں اور مارکیٹیں بند کرانے میں پرجوش نظر آئیں۔ جلسے اور جلوس کی ہنگامہ آرائیاں شروع ہو گئیں۔ مرزائیت مردہ باد کے نعروں سے سارا لاہور گونج اُٹھا۔ اسی دوران عوام کو اطلاع ملی کہ اختر علی خان مالک اخبار زمیندار کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس خبر نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اختر علی خان کی گرفتاری کے واقعہ کو منیر انکوائری رپورٹ کے صفحہ ۱۵۴،۱۵۴ پر اس طرح درج کیا گیا۔

"مولانا اختر علی خان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا لیکن جب پولیس آفیسر، جو اس وارنٹ کی تعمیل پر مامور تھا، نے یہ وارنٹ مولانا کو دکھایا تو انہوں نے کہا، اگر مجھے گرفتار نہ کیا جائے تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ میں آئندہ اس شورش سے قطع تعلق کر لوں گا۔ اس پر پولیس آفیسر انہیں سول لائن تھانے میں لے گیا۔ وہاں مولانا نے یہ معافی نامہ لکھ کر دے دیا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ تحریک نے اب جو شکل اختیار کی ہے وہ پاکستان کی سالمیت کے لیے نقصان رسان ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر یہ تحریک اسی طریقے سے جاری رہی تو پاکستان کے دشمن اس سے ناواجب فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور ہر پاکستانی ایسی تحریک کو ناپسند کرے گا جس سے پاکستان کی سالمیت تباہ ہو۔ اس تحریک کا موجودہ رجحان ملک میں افتراق اور ابتری پیدا کرنے کا موجب ہو گا۔ اگر خدانخواستہ فسادات بڑھ گئے اور حکومت قوت استعمال کرنے پر مجبور ہو گئی تو یہ امر فریقین کے لیے سخت ذلّت کا باعث ہو گا۔

میری رائے میں مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ پوری کائنات سے بھی زیادہ بیش بہا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس معاملے پر مزید غور کرنا چاہیئے۔ تاکہ صورتِ حالات کو درست کیا جاسکے۔

میرا کوئی تعلق موجودہ ڈائریکٹ ایکشن سے نہیں ہے۔ میں نے نہ کبھی تشدد کی حمایت کی ہے۔ نہ میں گورنر جنرل، وزیر اعظم اور دوسرے اکابر پاکستان کو ملامت و دشنام کا نشانہ بنانے، اُن کے جنازوں کے جلوس نکالنے یا اُن کی کوٹھیوں پر پکٹنگ کرنے کا حامی رہا ہوں۔

اس قسم کے افعال تو درکنار، میری رائے میں ایسے افعال کا تصوّر بھی کسی صحیح الخیال پاکستانی کے لیے زیبا نہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ اپنے ملک کے داخلی نظم و نسق کو مستحکم کرنے اور غیر ممالک کی نظروں میں حکومت کی ساکھ اور عزت کو بلند تر کرنے کے لیے ایسے افعال کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔ جن کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم دنیا کی نگاہوں میں اضحوکہ بن جائیں۔"

یہ یکم مارچ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے۔

تحریک ختم نبوت سے انحراف

زمین اچھی ہو بیج میں کوئی نقص نہ ہو اور پانی بھی موسموں کے مطابق وافر ہو اس پر بھی اگر فصل امید افزا نہ ہو تو کسان کو دلی صدمہ ہوتا ہے۔

مولانا ظفر علی خان جذباتی اور اپنی تلوّن مزاجی کے باوجود فرنگی سامراج سے زندگی بھر بہادرانہ انداز سے ٹکراتے رہے۔ اُن کی سیاسی اور اخلاقی زندگی پر اگر کوئی داغ آیا تو اُس کی ذمہ داری اُن کے فرزند اختر علی خان پر عائد ہوتی ہے۔ اس کا گلہ مولانا ظفر علی خان نے اس طرح کیا ہے۔

ع کوئی دشمن میری تذلیل نہ کر سکتا تھا کبھی
یہ روزِ سیاہ مجھ کو دکھایا مرے گھر کے چراغاں نے

اختر علی خان تحریک ختم نبوت کے ابتدائی مشوروں میں برابر کے شریک تھے۔ اُن کے قلم سے تحریک کی حمایت میں کئی اداریے "زمیندار" میں شائع ہوئے۔ جن کی وجہ سے اخبار کی اشاعت بڑھی۔ مگر میدان کارزار میں پہنچ کر اختر علی خان نے اپنے قلم اور ضمیر کی جس طرح مٹی پلید کی اس پر اُن سے گلہ نہیں وہ پیشتر ازیں تحریک مسجد شہید گنج کے دنوں جبکہ مسلمان مسجد کے حصول میں دہلی دروازہ سے باہر گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ لاہور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایس پر تاب کے اُکسانے پر اپنے والد، جو اُن دنوں کرم آباد میں نظر بند تھے، کا جھوٹا پیغام سُنا کر تمام مورچہ برباد کر دیا۔ (اس کی تفصیل مصنف کی کتاب "تحریک مسجد شہید گنج" میں دیکھیں)

عین اسی طرح اختر علی خان نے تحفظ ختم نبوت کی رواں تحریک کے سمندر میں اپنی ایمانی کمزوری کی گندی اینٹ پھینک کر پاک مقاصد کو ناپاک کرنے کی جسارت کی۔ (مصنف)

منیر رپورٹ کے محرک مزید لکھتے ہیں:

"اس ذلت آمیز معافی نامے کی بنا پر مولانا اختر علی خان کو نہ گرفتار کیا گیا، نہ اُن کے اخبار زمیندار کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی۔"

ہائے! اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا! جیسے ہی عوام کو معلوم ہوا کہ مولانا اختر علی خان معافی مانگ کر اپنے گاؤں کرم آباد ضلع گوجرانوالہ پہنچ گئے، عوام غضبناک ہو گئے۔ اُسی غصّے کے عالم میں بعض حضرات اُن کے گاؤں پہنچے اور انہیں بزدلی کا طعنہ دیا۔ اختر علی خان نے الزام کی صحت سے انکار کیا اور ۲ مارچ کی صبح لاہور پہنچ گئے اور مسجد وزیر خان جا کر عوام پر اپنا مؤقف واضح کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ:

"میں اس تحریک کا اسی طرح وفادار ہوں جیسے پہلے تھا۔"

انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ:

"میں تیسرے پہر اپنے کو گرفتاری کے لیے پیش کروں گا۔"

چنانچہ شام کے وقت ہزاروں افراد کے ساتھ وہ مسجد وزیر خان سے نکلے تو پولیس نے انہیں دیگر حضرات کے ساتھ گرفتار کر لیا ۔ (منیر رپورٹ ص ۱۵۶،۱۵۵)

مولانا احمد علی لاہوریؒ کی گرفتاری

میدانِ کارزار گرم ہو تو آفیسر سے سپاہی تک وقت کا انتظار کیے بغیر ڈھول کی تھاپ پر جہاد کا رقص شروع کرنے لگتے ہیں ۔

۶ مارچ کا دن لاہور میں تحریک تحفظ ختم نبوت کا انتہائی گرم اور پُرجوش دن تھا ۔ عوام مرکزی حکام کی مرزائی نواز پالیسی پر غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے دیوانہ وار کوچہ و بازار میں پھر رہے تھے ۔ سرکاری عمارات اور آفیسروں کی گاڑیاں نذرِ آتش ہو رہی تھیں ۔ اس طرح ایک طرف اختر علی خان سجدہ سہو کرتے ہوئے وزیر خان کی مسجد سے گرفتاری کے لیے جلوس کی صورت قانون شکنی کر رہا تھا تو دوسری طرف قافلہ ہائے حریت کے بہادر جرنیل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیے گرفتاری کے لیے کفن بر دوش نکل آئے ۔ وہ دہلی دروازہ کے باغ میں پہنچے ہی تھے کہ انہیں پولیس نے زیرِ دفعہ ۳ سیفٹی ایکٹ گرفتار کر لیا ۔

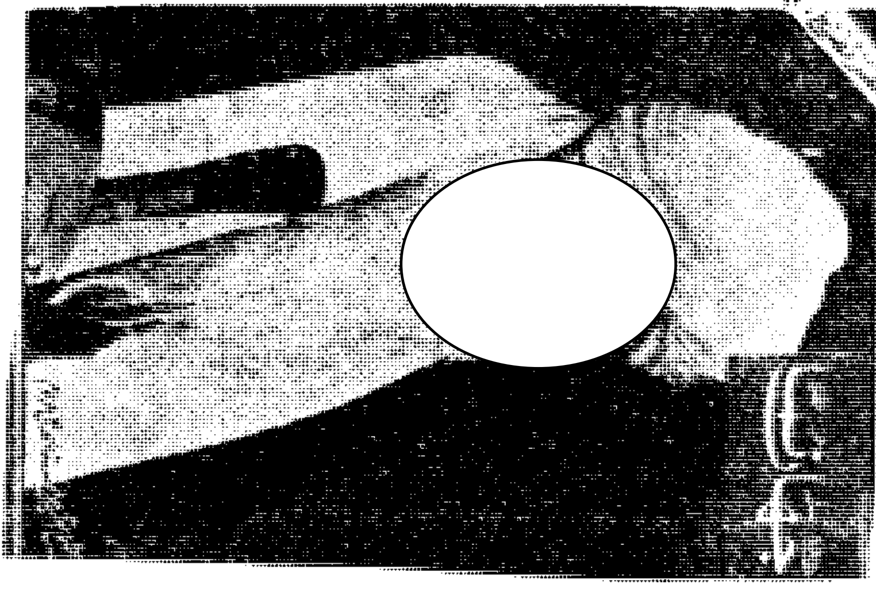

لاہور میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہر روز کا سورج اپنی کرنوں میں تپش کی ایسی تیزی لے کر طلوع ہوتا کہ لاہور آگ بگولا دکھائی دیتا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ اپنی جانوں کا نذرانہ لے کر شمع رسالت کے گرد ہو رہے تھے۔ وقت کا تقاضہ بھی تھا کہ ختم نبوت کی گرتی ہوئی دیوار کو سروں کا نذرانہ دے کر تھام لیا جائے۔ اس کی سالمیت اور بقاء کے لیے مٹی اور گارے کی جگہ خون اور ہڈیاں دے کر اس عمارت کو قائم رکھا جائے۔

اس طرح ایک طرف ایمان اور دوسری طرف ملازمت کی ذمہ داریاں باہم متصادم تھیں۔ ایمان سے زیادہ ملازمت کو مقدم جانتے ہوئے مسلمان پولیس آفیسروں نے امن عامہ کو باقی رکھنا ضروری اور اہم سمجھتے ہوئے اندرون لاہور دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا۔ لیکن جن کا عشق صادق ہو وہ دریا کی تیز موجوں اور طوفانوں سے ٹکرا کر بھی یار سے کئے ہوئے وعدے کو نبھاتے ہیں۔

؎ خون دل دے کے بہاروں میں ثمر لائیں گے
ہم رہ عشق میں سر دے کے گذر جائیں گے (حیاتِ بازمرتا)

بغاوت نہیں احتجاج بازاروں سے گھروں تک، ملازمین سے کاروباری منڈیوں تک لوگ سراپا احتجاج تھے۔ کہ سر ظفر اللہ کو پاکستان کی وزارت خارجہ کی ذمہ داری الگ کر دیا جائے اور بس۔

" اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا "

اس پر مجلس عمل کے رہنماؤں نے حکومت کی منتیں کیں، درخواستیں دیں، لیڈروں کے وفود وزیر اعظم سے ملے، جلوس نکالے گئے، جلسے ہوئے لیکن کیا مجال کہ حکومت کے کان پر جوں تک رینگی ہو۔ کہا تو یہ کہا کہ:

" اگر ظفر اللہ کو وزارت سے الگ کر دیا گیا تو امریکہ ہمیں گندم نہیں دے گا "

اس کے برعکس دجال اعظم کا بیٹا بشیر الدین محمود برملا کہہ رہا تھا:

"ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہندو مسلم سوال اُٹھ جائے اور ساری قومیں
شیر و شکر ہو کر رہیں۔ تاکہ ملک کے حصّے بکھرے نہ ہوں۔ بے شک یہ کام بہت
مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں تاکہ احمدیت
اس بیس پر ترقی کرے۔"

چنانچہ اس رویہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے عارضی طور پر افتراق ہو۔ اسی لیے جماعت احمدیہ کا الہامی عقیدہ ہے کہ پاکستان کا وجود عارضی ہے۔ اور کچھ وقت کے لیے دونوں قومیں جُدا جُدا رہیں مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جلد دُور ہو جائے۔ بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔
(اخبار الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

●

ابنِ دجال بشیر الدین محمود دوسری جگہ کہتا ہے۔
"یہ اور بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں
بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں۔"
(الفضل ۱۷ مئی ۱۹۴۷ء)

●

"الہامی کتاب میں مرزا بشیر الدین واضح طور پر کھل کر کہتا ہے کہ پاکستان کی
موجودہ تقسیم عارضی ہے اور یہ تقسیم غیر فطری ہے۔ کچھ دنوں بعد دونوں علاقے ایک
دوسرے سے مل جائیں گے۔ احمدیوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح پاکستان
اور بھارت ایک ہو جائیں کیونکہ اس طرح احمدیوں کو زیادہ فائدہ ہے اور وہ
دوسری قوموں کو اپنی تبلیغ آسانی سے کر سکیں گے۔"

●

فرقہ باطلہ کے مندرجہ بالا نظریات اور وطن دشمن ارادوں کے باوجود حکومت نے پاکستانی عوام سے اُلجھنا مناسب سمجھا۔ جس فرقہ باطلہ کی حفاظت کے لیے حکومت مسلم

عوام سے ٹکراتی ہے ۔ وہ نہایت اطمینان سے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں ۔

ابن دجال بشیر الدین اور غدارِ پاکستان ظفر اللہ

جس ملک کی بنیاد کلمۂ توحید پر ہو ، جس ملک کی بنیاد میں ہزاروں بہنوں ، بیٹیوں اور ماؤں کی عصمتیں دفن ہوں جس ملک کے حصول میں لاکھوں گھر اُجڑے ہوں ۔ اربوں جائیداد کی تباہی ہوئی ہو ۔ لاکھوں مسلمان کفر کے ہاتھوں شہید ہوئے ہوں ۔ اُس ملک میں بیٹھ کر ابنِ دجال

یہ کہے کہ :

"پاکستان کی موجودہ تقسیم عارضی ہے اور یہ تقسیم غیر فطری ہے۔ کچھ دنوں کے بعد دونوں علاقے ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔"

اس پر اگر مسلمان پُرامن احتجاج کریں تو اُسے بغاوت قرار دے کر انہیں قابلِ گردن زدنی قرار دینا کہاں کا انصاف ہے۔ اگر اس کو بغاوت ہی سمجھ لیا جائے تو یہ بغاوت پاکستان سے نہیں بلکہ حاکمانِ وقت کے غلط فیصلوں کے خلاف تھی۔

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا قتل

۴ مارچ ۱۹۵۳ء کو حالات مزید آگے بڑھے۔ دوسرے شہروں سے قافلے دھڑا دھڑ لاہور پہنچ رہے تھے۔ ان میں سے اکثر کے گلے میں قرآن مجید اور زبانوں پر کلمہ طیبہ ہوتا۔ ان کا قیام مسجد وزیر خان میں تھا۔ رضا کاروں کی آمد آمد سے مسجد اپنی تنگ دامنی کا گلہ کر رہی تھی۔

گذشتہ دنوں سے لاہور کے حکام تحریک تحفظِ ختم نبوت سے جو برتاؤ کر رہے تھے۔ اس سے عوام اور حکام کے مابین ایسا زہر پھیلا جس کا کوئی تریاق نہیں تھا۔ طوفان کا پانی کناروں سے باہر آچکا تھا۔

عوامی تحریکیں جب رہنماؤں کے ہاتھوں سے نکل جائیں تو اُن میں ایسا عنصر داخل ہو جاتا ہے۔ جو تحریک کو اپنے ڈھب پر چلانے لگتا ہے اس سے تحریک کے مقاصد بگڑ جاتے ہیں۔

شروع میں مجلسِ عمل کے رہنماؤں نے فیصلہ کیا تھا (جیسے کہ پیشتر لکھا جاچکا ہے) کہ :

"صرف پانچ رضاکار ہاتھوں میں مجلسِ عمل کے مطالبات پر مشتمل بینر اُٹھائے کراچی کے غیر معروف بازاروں سے گذر کر وزیر اعظم کی قیام گاہ تک جائیں گے۔"

اس سے قبل تحریک کے رہنماؤں نے وزیر اعظم سے یہ گذارش کی تھی کہ وہ صرف وعدہ کرلیں کہ آج نہیں تو آئندہ دو چار ماہ تک مجلسِ عمل کے مطالبات مان لیے جائیں گے۔ مگر اسے حاکمانِ وقت کے ذہنوں کا سیاسی فقدان کہئے کہ انھوں نے اس مقدس تحریک کو محض اپنی ناسمجھی، سیاسی اقتدار اور باہم رقابت کے باعث اس درجے تک پہنچا دیا کہ نوزائیدہ مملکت خدا داد پاکستان کو آگ کے انگاروں پر لا کھڑا کیا۔

لاہور میں جمع ہونے والے رضا کاروں کے قافلے بذریعہ ریل کراچی پہنچ کر سول نافرمانی کا ارادہ رکھتے تھے۔

لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچنے کے دو راستے تھے۔ اوّل دہلی دروازہ سے لنڈا بازار، نولکھا اور ریلوے اسٹیشن، جبکہ دوسرا راستہ دہلی دروازہ سے برانڈرتھ روڈ، چوک دالگراں اور ریلوے اسٹیشن۔ ان دونوں راستوں پر فوج اور پولیس کی بھاری تعداد قافلوں کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ رضا کار آگے بڑھتے، پولیس روکتی۔ اس جدوجہد میں پولیس لاٹھی چارج کرتی، جس سے رضا کار زخمی ہوتے۔

اس ٹکراؤ میں غیر پسندیدہ عناصر (جو عموماً ایسی ہنگامی تحریکات میں شریک ہوکر اپنا کام کرتے ہیں) کے علاوہ مرزائی مختلف لباس پہنے ہنگامہ آرائی میں شامل ہوکر اس پُر امن تحریک کا رُخ تشدد کی طرف موڑنا چاہتے تھے۔ قسم قسم کی افواہیں پھیلاتے۔ جن میں ایک یہ تھی۔

"چوک دالگراں میں پولیس نے لاٹھیاں مار کر ایک بچے کو شہید کر دیا۔ دوسری افواہ کہ قرآن کریم کے اوراق پھاڑ دیئے گئے۔"

یہ افواہیں تھیں یا حقیقت۔ بہرحال اس نے جنگل میں آگ کی طرح پھیل کر رواں پُر امن تحریک کا رُخ موڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ دہلی دروازہ سے مسجد وزیر خان کے درمیانی راستے میں پھیلے ہوئے عوامی ہجوم نے پولیس آفیسروں کا گھیراؤ کر لیا۔ اس کی اطلاع جب کوتوالی پہنچی تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس فردوس شاہ پولیس آفیسروں کی امداد کے لیے ہجوم میں آگھسا اور پولیس کی روایتی زبان استعمال کرنا چاہی۔ اس پر ہجوم جو پہلے سے غصے میں تھا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پر ٹوٹ پڑا۔ اور اُسے قتل کر دیا۔

حقیقت اور افسانہ آمنے سامنے

ذمہ دار ہاتھوں سے عوامی تحریکیں جب غیر ذمہ داروں کے ہتھے چڑھ جائیں تو اُن کے نتائج حقیقت کو مسخ کر دیتے ہیں۔ اگر ہنگامہ آرائی کی ذمہ داری وقت کے حکمران پر آن پڑے تو پھر وہ اپنے خود ساختہ آئین کی چھتری میں بیٹھ کر اپنے کو بری الذمہ قرار دینے کے بہانے تراشنے لگتے ہیں۔

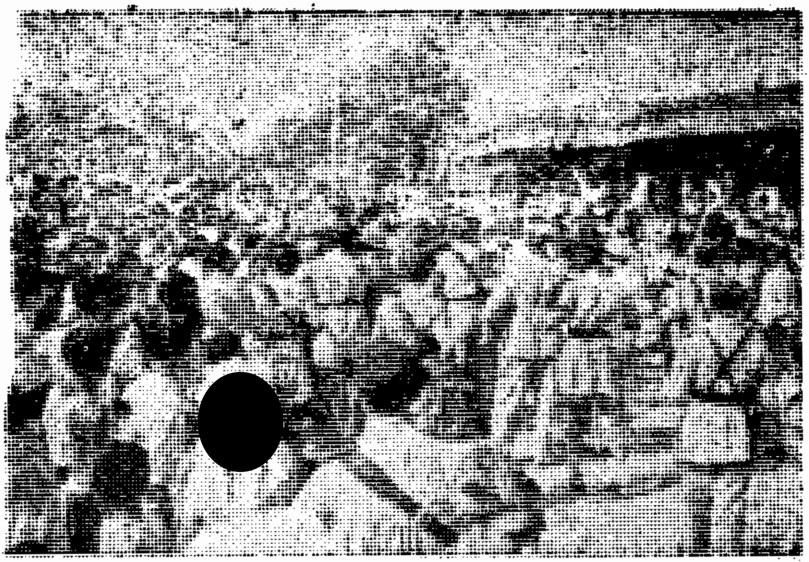

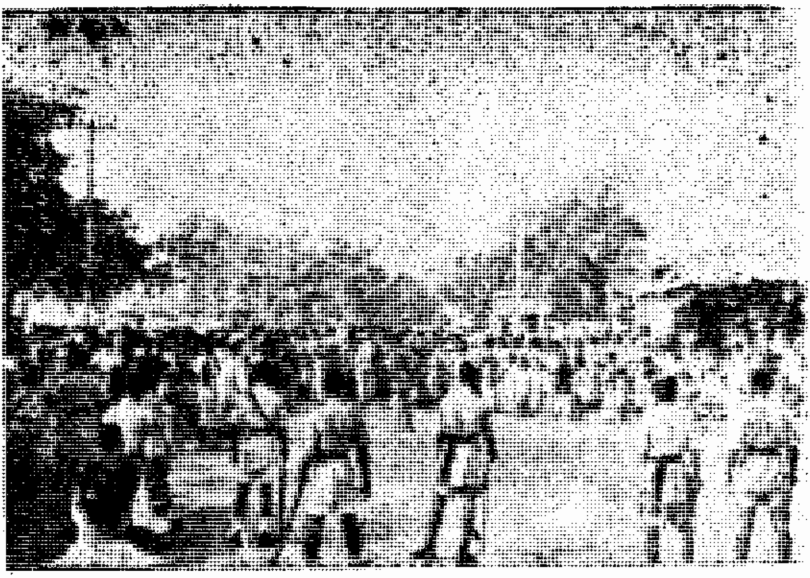

رواں تحریک کو غلط قسم کی افواہوں نے جن کے محرک مرزائی اور غنڈہ عناصر تھے جب اس موڑ پر پہنچایا اور خود حکمران اس کی زد میں آنے لگے تو قانون کی اوٹ میں اپنے کو مجرم ہونے سے بچانا چاہا۔ اس سلسلے میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے قتل کی روداد منیر رپورٹ کے صـــ پر اس طرح درج ہے :

۴ مارچ کو کابینہ کا ایک اجلاس ہوا جس میں چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، انسپکٹر جنرل پولیس اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس بھی شریک ہوئے۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک تقریر کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ جو گذشتہ شب مولانا عبدالستار خاں نیازی نے مسجد وزیر خان میں کی تھی یہ تقریر سخت اشتعال انگیز تھی۔ اور مقرر کی گرفتاری کے لیے ہوم سیکرٹری نے زیر دفعہ ۳ پبلک سیفٹی ایکٹ ایک حکم صادر کیا تھا۔ لیکن اس کی تعمیل نہ ہو سکی۔ کیونکہ جس مسجد میں نیازی نے اپنے آپ کو مسند نشین کر رکھا تھا۔ وہ شورش پسندوں کا ایک مضبوط گڑھ بن چکی تھی۔ جس میں داخلہ محال تھا۔

فوج نے بظاہر ہیڈ کوارٹر کے احکام کے ماتحت گشت لگانا بند کر دیا تھا۔ بلکہ ایک یا دو کمپنیاں جناح گارڈن سے واپس چھاؤنی بھی چلی گئی تھیں۔ بہت سے جلوس نکالے گئے اور منتشر کئے گئے۔ ان میں سے ایک جلوس نے احمدیہ بلڈنگز کا محاصرہ کر لیا جس کو اسسٹنٹ سب انسپکٹر محمد اکرم نے ہلکے لاٹھی چارج سے منتشر کر دیا۔ اب ٹرینوں اور لاریوں سے رضاکاروں کے بے شمار دستے لاہور میں داخل ہو رہے تھے۔ سرگودھا کے رضاکاروں کے ایک دستے کو سب انسپکٹر محمد حامد نے نولکھا تھانہ کے قریب منتشر کیا۔ برانڈرتھ روڈ پر ایک سو دس رضاکاروں کے ایک اور دستے نے سید حسنات احمد سٹی مجسٹریٹ، ملک خان بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا سامنا کیا۔ رضاکاروں نے منتشر ہونے سے انکار کیا اور چوک دالگراں پہنچے۔ جہاں ان پر اشک آور گیس چھوڑی گئی۔ وہ پھر بھی منتشر نہ ہوئے اور زمین پر بیٹھ گئے۔ جب لاٹھی چارج بھی غیر مؤثر ثابت ہوا تو پولیس والوں نے انہیں ایک ایک کر کے اُٹھایا۔ ٹرکوں میں ڈالا اور لے گئے۔ اس واقعہ کے متعلق غلط افواہیں فوراً پھیلنے لگیں۔ ظاہر کیا گیا کہ پولیس نے رضاکاروں کو منتشر کرتے ہوئے قرآن مجید کی توہین کی۔ اس کو ٹھوکریں لگائیں۔ اس کے اوراق پھاڑ دئے۔ اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو ہلاک کر دیا۔ دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا جس میں ایک لڑکا پیش کیا گیا۔ جو اپنے ہاتھ میں قرآن مجید کے چند اوراق لیے ہوئے تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں کلام الٰہی کی اس توہین کا عینی گواہ ہوں۔ ایک مولوی (غالباً مولوی محمد یوسف) نے یہ اوراق ہاتھ میں لے کر حاضرین کو دکھائے۔ اور ایک نہایت پُرتشدد تقریر کی جس سے غصے میں بھرا ہوا مجمع اور بھی زیادہ غضبناک ہو گیا۔ واقعہ کی یہ بناوٹی کہانی ہر جگہ جوش میں بھرے ہوئے لوگوں کا موضوع گفتگو بن گئی۔ اور چند ہی گھنٹوں کے اندر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی جس سے پولیس کے خلاف غیظ و نفرت کے جذبات برانگیختہ ہو گئے۔

ہم نے دالگراں کے واقعہ کا مذکورہ حال تحریری بیانات اور افسروں کی شہادت سے اخذ کیا ہے لیکن اس کے متعلق احراریوں اور مجلس عمل والوں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ قطعاً مختلف ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ اس واقعہ کے دوران میں ایک پولیس افسر نے قرآن کو ٹھوکر ماری۔ اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو زدو کوب کر کے مار ڈالا۔ اس قول کی تائید میں محمد نذیر گواہ نمبر ۳۲، محمد حنیف گواہ نمبر ۳۳، شیخ محمد رفیق گواہ نمبر ۳۴، اور سراج دین گواہ نمبر ۳۷ نے بیان دئے ہیں۔ عدالت نے سید حسنات احمد سٹی مجسٹریٹ اور ملک خان بہادر خان سپرنٹنڈنٹ پولیس (پنجاب کنسٹیبلری) کی شہادت بھی قلمبند کی ہے جو موقع پر موجود تھے۔ غیر سرکاری گواہوں کا بیان ہے کہ رضا کاروں کا ایک دستہ چوک دالگراں کی طرف سے ریلوے اسٹیشن کی طرف آرہا تھا کہ پولیس نے اس کو روکا۔ رضا کاروں سے منتشر ہونے کے لیے کہا گیا لیکن وہ بیٹھ گئے اور جب انہیں پاس کھڑے ہوئے ٹرکوں کی طرف لے جانے کی کوشش کی گئی تو وہ زمین پر لیٹ گئے۔ اور انہیں گھسیٹ کر لے جانا پڑا۔ جو لوگ اس طرح گھسیٹے گئے ان میں ایک بوڑھا آدمی بھی تھا جس کے پاس ایک حمائل تھی۔ جب وہ گھسیٹا جا رہا تھا تو گر پڑی اور ایک پست قامت پولیس افسر نے جس کے گلے میں گلوبند تھا اس کو ٹھوکر ماری اس معاملے کے متعلق گواہوں میں اختلاف ہے کہ آیا وہ حمائل ٹھکرا کر نالی میں پھینک دی گئی یا وہیں زمین پر پڑی رہی اور آیا وہ جزدان میں ملفوف تھی یا بغیر جزدان کے تھی جو شخص حمائل پہنے ہوئے تھا۔ وہ طلب نہیں کیا گیا۔ نہ اس شخص کا کوئی اتہ پتہ دیا گیا اور نہ اس لڑکے کے متعلق کوئی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان پولیس آفیسر خواہ وہ کتنا ہی لامذہب کیوں نہ ہو کتاب اللہ کو ٹھوکر مار سکتا ہے اور اس شدید ترین کافرانہ حرکت کا مجرم بن سکتا ہے۔

ہمارے سامنے بحث میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ

ممکن ہے کتاب اللہ نادانستگی کی حالت میں پامال کر دی گئی ہو۔ سید حسنات احمد اور ملک خان بہادر خان دونوں نے اس الزام کی صحت سے انکار کیا ہے اور چونکہ اس بارے میں غیر سرکاری شہادت مایوس کن حد تک ناکافی اور قلیل ہے۔ اس لیے ہم قبول نہیں کر سکتے کہ کسی نے قرآن مجید کو ٹھوکر ماری تھی یا کسی لڑکے کو مار مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

شورش پسندوں نے حکام کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے جو دوسری چالیں اختیار کیں وہ حسب ذیل تھیں:

۱۔ اس مضمون کے اشتہار شائع کیے گئے کہ جھنگ اور سرگودھا میں ایک ہزار سے زیادہ اشخاص گولیاں مار مار کر ہلاک کر دیے گئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اس دن ان مقامات پر ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔

۲۔ یہ افواہ پھیلائی گئی کہ احمدی موٹر کاروں میں سوار ہو کر اندھا دھند لوگوں پر گولیاں چلاتے رہے ہیں۔

۳۔ مسجد وزیر خان سے یہ اعلان کیا گیا کہ سرکاری ملازموں نے دفتروں میں ہڑتال کر دی ہے اور تحریک میں شامل ہو گئے ہیں۔

۴۔ یہ خبریں پھیلائی گئیں کہ ضلع کی پولیس نے گولی چلانے سے انکار کر دیا ہے اور اب صرف بارڈر پولیس اور کنسٹیبلری پولیس گولیاں چلا رہی ہے۔

یہ بیان کہ بعض احمدی فوجی وردیاں پہنے ایک جیپ میں سوار ہو کر لوگوں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ہمارے سامنے موضوع ثبوت بنایا گیا۔ اور اس کی تائید میں متعدد گواہ پیش کیے گئے۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پُراسرار گاڑی میں بعض نامعلوم افراد اس دن شہر میں گھومتے رہے لیکن ہمارے سامنے اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ اُس گاڑی میں احمدی سوار تھے یا وہ گاڑی کسی احمدی کی ملکیت تھی۔

ساڑھے چار بجے شام دہلی دروازے کے باہر ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس

کے حاضرین کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار کے قریب تھی۔ اس جلسے میں بھی یہ بیان کیا گیا کہ چوک دالگراں میں پولیس نے ایک لڑکے کو گولی مار دی ہے اور قرآن مجید کو پامال کیا ہے۔ جلسے کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا جو مسجد وزیر خان کی طرف روانہ ہوا۔ منظور الحق اور محمد صادق اسسٹنٹ سب انسپکٹروں نے مسجد کے قریب اس ہجوم کو روکا۔ سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو فون پر اطلاع ملی کہ لوگ ان اسسٹنٹ سب انسپکٹروں کو اٹھا کر مسجد میں لے گئے ہیں اور یہ دونوں ہلاک کر دیئے گئے ہیں یا عنقریب کئے جانے والے ہیں۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ایک مسلح ریزرو دستہ زیر سرکردگی سب انسپکٹر مظفر خان (تھانہ کوتوالی) ساتھ لیا اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ اُن کو بلوائیوں نے گھیر لیا اور ان پر چھروں اور لاٹھیوں سے حملہ کر کے وہیں ہلاک کر دیا۔ سید فردوس شاہ کے جسم پر باون زخموں کے نشان تھے۔ ان کا اپنا ریوالور اور ان کے ساتھی پولیس مینوں کی دو بندوقیں چھین لی گئیں۔ اور سب انسپکٹر مظفر خان زخمی ہو گیا۔ ڈی ایس پی کی نعش کو کسی نے کوتوالی پہنچا دیا۔

لاہور پولیس کے حوالے

گذشتہ روز کے واقعات نے پُرامن عوام کا سکون بُری طرح متاثر کیا۔ رات بھر گولیاں چلنے کی آوازیں آتی رہیں۔ ۵ مارچ کا دن بھی اسی افراتفری میں گذرا۔ ڈاکخانے جلائے گئے۔ پولیس کی گاڑیوں کو نقصان پہنچا۔ اس پر سٹی مجسٹریٹ نے لاہور کے معززین کو امن قائم کرنے کے لیے کہا، لیکن سب نے یہ ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ دفعہ ۱۴۴ کی دھجیاں بُری طرح اُڑائی گئیں۔ مرزائیوں کے گھر اور جائیدادیں لوٹ کر انہیں نذر آتش کیا گیا۔ لاہور یا غبانپورہ میں ایک مرزائی کو قتل کر دیا۔ شہر کے کاروباری اداروں کو نقصان پہنچا۔ بعض مقامات پر عوام اور پولیس کے درمیان تصادم کے واقعات ہوئے۔ کئی پولیس کانسٹیبل زخمی ہوئے۔ لوہاری دروازہ کے باہر فوج پر پتھراؤ کیا گیا۔ جواب میں فوج کو گولی چلانا پڑی۔ سیکرٹریٹ کے ملازمین نے کام چھوڑ دیا۔ اسلامیہ کالج اور دیال سنگھ کالج کے طلباء نے کلاسیں چھوڑ

دیں۔ پولیس کے حوصلے بڑھانے کے لیے انہیں حکومت کی طرف سے کئی قسم کے لالچ دئے گئے کہ وہ اس تحریک کو دبا ئیں۔ بعض جگہوں سے سائیکلو اسٹائل اشتہار تقسیم کئے گئے جن پر درج عبارت میں پولیس سے کہا گیا:

"کہ وہ اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ کیونکہ حکومت کے خلاف یہ جدوجہد ایک جہاد ہے آپ کسی پر گولی نہ چلائیں"

غرض ذہن سے دلوں تک بے چینی کی ایک لہر تھی۔ جس نے سارا لاہور آگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ اِس میں حکام کے عدمِ تدبّر کو زیادہ دخل تھا۔

باغبان اگر موسموں کا لحاظ کئے بغیر پودوں کی تخم ریزی کرتا ہے۔ تو پھر اُسے خزاں اور بادِ سموم پر گلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بادِ بہاری بھی اپنا چلن درست نہیں کر سکتی۔ اور نہ شبنم کی آبیاری پھولوں کی رنگ و بو کو زینت بخش سکتی ہے۔

پنجاب اور مرکزی انتظامیہ میں باہم اعتماد ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ افواہیں پروان چڑھتیں۔ اندریں اس قسم کے حالات وواقعات کی ذمہ داری نہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے۔ اور نہ اُن کے ارادوں میں ملک دشمنی کی کوئی جھلک نظر آتی ہے۔

عوامی لیگ کا فیصلہ اور......

انہیں پُر آشوب دنوں لاہور میں مرکزی عوامی لیگ کا اجلاس مسٹر حسین شہید سہروردی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں خواجہ عبدالرحیم ایڈوکیٹ، راجہ حسن اختر، ملک غلام نبی ایم اے، ملک محمد اسلم، آغا شورش کاشمیری، اور مشرقی پاکستان سے مجیب الرحمٰن، عطاء الرحمٰن خان اور مولانا عبدالحمید بھاشانی شامل تھے۔

اِس اجلاس میں تحریک تحفظِ ختم نبوت میں شمولیت کا فیصلہ کیا گیا۔

جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اُس وقت تحریک کی تمام باگ ڈور عبدالستار نیازی کے ہاتھوں میں تھی۔ اور وہ مسجد وزیر خان پر قابض تھے۔ اُنہیں عوامی لیگ کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ عوامی لیگ نے تحریک ختم نبوت میں شمولیت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان کا وفد اُن سے ملنے آیا ہے۔

مولانا عبدالستار نیازی اپنی اَنا کے مطابق اُن سے مخاطب ہوئے:۔

"لیجئے حضرات! اینگلو انڈین محمڈن بھی اس تحریک میں شمولیت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کا تحریک میں شامل ہونا کوئی گہری سازش ہے۔"

عبدالستار نیازی کے اس جواب پر عوامی لیگ کا وفد دل برداشتہ ہو کر واپس چلا گیا۔

بہر حال ۴، اور ۵ مارچ کے مخدوش مناظر دیکھتے ہوئے سرکاری سطح پر حسب ذیل فیصلے ہوئے:

"صبح کو گورنر چندریگر نے کابینہ کا ایک اجلاس منعقد کیا جس میں چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، جنرل آفیسر کمانڈنگ دہم ڈویژن بعض سٹاف افسر۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی طلب کئے گئے۔ اس جلسے میں جو وزراء شریک ہوئے۔ اُن سے گورنر نے کہا کہ قوت کا استعمال نہایت مضبوطی سے کرو۔ کیونکہ میرا بمبئی کا تجربہ یہی ہے کہ اگر فساد کے اولین مرحلوں پہ بلوائی کثیر تعداد میں ہلاک کر دئے جائیں تو بلوہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ اس اجلاس میں طویل بحث مباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:۔

۱۔ چونکہ لاہور کی صورتِ حال بدتر ہو چکی ہے۔ اور شہر بھر میں عام ہنگامہ برپا ہے۔ اس لیے اولاً پولیس کو چاہئے کہ فسادات کو فرو کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ جتنی قوت کا استعمال ضروری ہو۔ اس سے کام لے کر شدید اقدام کرے۔ پولیس کے گشتی دستوں کی امداد کے لیے فوجی دستے بھی مامور ہوں گے۔ جو اپنے کمانڈروں کے ماتحت ہوں گے۔

۲۔ اگر پولیس کسی خاص حصہ شہر کی حالت پر قابو پانے سے عاجز ہو۔ تو جو سینئر پولیس افسر وہاں موجود ہو اُس کو چاہئے کہ اس صورت حالات کا انتظام اپنے ساتھ کے فوجی کمانڈر کے حوالے کر دے۔

۳۔ اگر مندرجہ بالا تدابیر قانون و انتظام کی بحالی میں ناکام رہیں اور پولیس فوج کی اس جزوی امداد سے بھی عام صورتِ حالات پر قابو نہ پاسکے۔ تو فوج

سے کہا جائے گا کہ شہر کا چارج لے لے۔

۴۔ پولیس کے حوصلوں کو بلند رکھنے کی ہر تدبیر عمل میں لائی جائے۔ پولیس کے آدمیوں کو بتا دیا جائے کہ جو لوگ بہادری کا ثبوت دیں گے۔ اور اپنے فرائض کو امتیاز اور دیانتداری سے انجام دیں گے ان کو مناسب انعامات دیئے جائیں گے۔ ان کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ اگر ادائے فرض کے دوران میں کوئی جانی نقصان ہو گیا تو وارث کو کافی معاوضہ عطا کیا جائے گا۔ سید فردوس شاہ مرحوم کے وارثوں کو حکومت کسی کالونی کے ضلع میں دو مربعے اراضی عطا کرے گی۔

۵۔ جہاں تک ممکن ہو طالب علموں کو بلوائیوں سے الگ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

۶۔ ہز ایکسلینسی گورنر آج تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندہ معزز شہریوں سے خطاب کریں گے کہ وہ شہر میں عقل و ہوش کو بحال کرنے میں اپنے اثر کو استعمال کریں۔

۵ مارچ کے واقعات کے متعلق دوسرا متنازعہ فیہ امر کابینہ کا وہ اجلاس تھا۔ جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ساڑھے چھ بجے شام گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا تھا جس کی صدارت گورنر نے کی تھی۔ اور جس میں میجر جنرل محمد اعظم خان جی او سی، بریگیڈیئر حق نواز، بریگیڈیئر کلو، چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، انسپکٹر جنرل پولیس اور ملک حبیب اللہ اے ڈی آئی جی، سی آئی ڈی شامل ہوئے تھے۔ اس اجلاس کے فیصلوں میں ایک مبیّنہ فیصلہ یہ تھا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کرفیو لگانے کا حکم دیا۔

۵، اور ۶ مارچ کی درمیانی شب کو ساڑھے تین بجے شام سے چھ بجے صبح تک اور ۶ سے ۱۱ مارچ تک ۶ بجے شام سے ۶ بجے صبح تک کوئی شخص کسی سڑک یا بازار، گلی، چھوٹی گلی شارع عام یا کسی پبلک مقام پر باہر نہ نکلے۔ اِس حکم کا اطلاق پورے شہر پر ہونا تھا۔ صرف سول لائنز کا ایک حصہ مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔

اس رقبے کے اندر کسی پبلک مقام پر پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص کا اجتماع، اور دن اور رات کے کسی حصے میں بھی اسلحہ اٹھا کر چلنا بھی دو مہینے کے لیے ممنوع قرار دیا گیا۔

ان حالات میں ۵ اور ۶ مارچ ۱۹۵۳ء رات تین بجے لاہور فوج کے سپرد کر دیا گیا۔
اس کارروائی کے انچارج میجر جنرل اعظم خان تھے۔

جنرل اعظم خان

راعی اور رعایا کے مابین مڈبھیڑ ہو جائے تو اس جنگ میں فریقین اپنی اپنی ضرورت کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر ملک غلام ہو تو حکمران غلاموں پر اپنی ضرورت آزماتے ہیں۔ اور غلام اپنی نجات کے لیے اپنا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ لیکن ۱۹۵۳ء کی تحریک نہ تو غلام اور آقاؤں کے درمیان لڑائی کی تحریک تھی اور نہ ہی اس میں سیاست کو دخل تھا۔ ملک اپنا، فوج اپنی، قانون اپنا اور عوام بھی اپنے۔ پھر ملک بھی اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا ہوا۔ اس پر مارشل لاء چہ معنی؟

فوج کا منصب ملکی سرحدات کی حفاظت ہوتا ہے۔ نہ کہ اپنوں پر چڑھ دوڑنا۔

قوتِ حاکمہ کی تلوار جب جلاد کے ہاتھ سونپ دی جائے تو پھر اُس کی ثواب دیدپر ہے کہ وہ جس کی گردن چاہے اڑا دے۔

سیاں بھے کوتوال

دشمن اپنی دشمنی کے حصول میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔ مارشل لاء کا اعلان ہوتے ہی ایک طرف فوج نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور وہ شہر میں امن قائم کرنے میں مصروف ہوگئی۔ دوسری طرف مرزائیوں کی فرقان بٹالین فوجی وردی پہنے جیپ میں سوار لاہور کے بازاروں میں مسلمانوں کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنانے لگ پڑی۔ جیسے کہ منیر رپورٹ کے صفحہ ۱۵۹ پر درج ہے۔

منیر رپورٹ کے مطابق تحقیقاتی عدالت میں گواہوں نے تسلیم کیا کہ گاڑی میں احمدی فوجی وردی پہنے مسلمانوں پر اندھا دُھند گولیاں چلا رہے تھے۔ مرزائیوں نے کسی موقع پر بھی اس کی تردید نہیں کی کہ جیپ میں مرزائی نہیں تھے یا وہ جیپ کسی مرزائی کی نہ تھی۔ گویا یہ اقرار بالقلب ہے دجالی ٹولے کا کہ وہ پاکستانی فوج کا لباس پہنے نہتے مسلمانوں کو شہید کر رہے تھے۔ (مصنّف)

تحریک کا مرکز مسجد وزیر خان تھی۔ مارشل لاء کے باوجود دوسرے شہروں سے سینکڑوں رضاکار روزانہ کسی نہ کسی طرح قافلوں کی صورت میں یہاں پہنچ رہے تھے۔ شہر کے مخیر حضرات ان کے میزبان تھے ختم نبوت کے محافظ رضاکاروں کے دستے یہیں سے جذبۂ ایمانی کے تحت کراچی جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن کو روانہ ہوتے۔ دہلی دروازہ سے لنڈا بازار اور پھر ریلوے اسٹیشن یا براستہ برانڈرتھ روڈ چوک دالگراں سے اسٹیشن پہنچتے۔ انہیں دو جگہوں پر پولیس اور فوج انہیں روکتی۔ رضاکار اور فوج کے درمیان انہیں مقامات پر ٹکراؤ ہوتا۔ اس دوران کچھ رضاکار آنکھ بچا کر نکل جاتے، کچھ گرفتار ہو جاتے۔ اور کچھ فوج اور پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنتے۔

چونکہ مسجد وزیر خان تحریک کا مرکز تھی۔ حکام کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس مرکز کو ختم کیا جائے۔

مشتعل عوام اور بے لگام گھوڑا جب آپے سے باہر ہو جائیں تو اُن کے قریب جانے

والے کو عقلمند تصور نہیں کیا جا سکتا۔

پولیس کو ابتداء ہی سے ہدایت ہوتی ہے کہ وہ ملزم کو مجرم ثابت کرنے میں ایسا رویہ اختیار کرے کہ بے گناہ بھی گناہ کا اقرار کر لے۔

دہلی دروازہ کے باہر اور چوک دالگراں میں فوج اور پولیس جو کردار ادا کر رہی تھی، عوام اس سے بہت زیادہ مشتعل تھے۔ حسب معمول پروگرام کے مطابق رضا کاروں کا قافلہ جیسے ہی مسجد سے نکلنے لگا۔ پولیس افسران نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ پولیس کا حلقہ توڑ کر آگے بڑھے۔ پولیس نے پھر روکا۔ اس کشمکش میں عوام اور پولیس کے مابین ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ بالآخر پولیس افسران کو عوام نے اپنے گھیراؤ میں لے لیا۔ تاآنکہ اس واقعہ کی اطلاع ڈی۔ ایس۔ پی سید فردوس شاہ کو ان الفاظ میں ملی کہ:

"عوام پولیس افسران کو اغوا کر کے مسجد میں لے گئے ہیں۔ شاید انہیں قتل کر دیا گیا ہے یا قتل کر دئے جائیں گے۔"

یہ اطلاع پا کر ڈی ایس پی گارد کے ہمراہ مسجد میں پہنچ گیا۔ جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہونے لگا۔ پولیس کے روایتی انداز میں ہجوم کو ڈانٹنے اور برا بھلا کہنے لگا۔ اس وقت تک مسجد میں شہدائے ختم نبوت کی بے شمار لاشیں پہنچ چکی تھیں۔ لوگوں کے دل و دماغ اسی غم میں مبتلا تھے۔ نیز مولانا عبدالستار نیازی کی تقریروں نے انہیں مزید مشتعل کیا ہوا تھا۔

مولانا عبدالستار نیازی

ان حالات میں ڈی ایس پی کا رویہ مسجد کے اندر موجود عوام کو ناپسند تھا۔ اور پھر مجاہدین ختم نبوت کا قافلہ بھی روانہ ہونے کو تھا۔ دوسری طرف پولیس کوشش میں تھی کہ وہ مولانا عبدالستار نیازی کو جس طرح بھی ہو، گرفتار کرے۔ تحریک کی تمام ڈور اس وقت اُن کے قبضے میں تھی۔ اسی کشمکش میں عوام اور پولیس مسجد سے باہر آ چکے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد وزیر خان کی پہلی ڈیوڑھی تک آن پہنچے۔ مشتعل ہجوم میں سے کسی نے ڈی۔ ایس۔ پی کو خنجر مار دیا اور اس کی لاش کو جلانا چاہا۔ لیکن لاہور کے بستہ ب کے ایک بدمعاش نے آگے بڑھ کر لاش عوام سے چھین کر کوتوالی پہنچادی (یہ ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے) اس کی اس خدمت پر بطور انعام اُس کا نام بستہ ب سے خارج کر دیا گیا۔

اس موڑ پر پولیس اور فوج ذہناً دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ فوج نے مارشل لاء کی ذمہ داری سنبھال لی تو پولیس اپنے آفیسر (ڈی ایس پی) کے قتل کا انتقام لینے پر اُتر آئی۔ اس طرح عوام اور ختم نبوت کے مجاہدین کا دو طرفہ قتل عام شروع ہو گیا۔ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی شمع ختم نبوت کے پروانے اپنی جانیں تختِ نبوت پر قربان کر رہے تھے۔

یہ آگ پھیلتی چلی گئی

مارشل لاء اور اخبارات پر سنسر کی پابندیوں کے باوجود ظلم و جور کی داستان کو ہوائیں اپنے دوش پر لئے لاہور سے باہر چلنے لگیں۔ برسنے سیاہ بادلوں کی گھن گرج پنجاب سے باہر صوبہ سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ تک پہنچ گئی۔ یہاں کے اہل ایمان ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ کیوں نہ ہو، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی تو ایمان کامل کا جزو ہے۔

تحریک ختم نبوت پنجاب سے باہر کے حاکموں کو بھی اُسی طرح پسند نہ آئی جس طرح مرکزی حکمرانوں یا پنجاب کے اقتدار کو پسند نہیں تھی۔ حالانکہ یہ بھی مسلمان تھے۔ انہیں بھی حضور صلعم کی عزت اُسی طرح عزیز تھی جس طرح عام مسلمانوں کو، لیکن اس دور میں اقتدار کی کرسی ایمان سے کہیں زیادہ قیمتی سمجھی جا رہی تھی۔

سندھ کے علماء کرام

سندھ کے سینکڑوں مسلمانوں کے علاوہ یہاں کے علماء بھی تحریک ختم نبوت کے مجرم قرار دے کر گرفتار کر لئے گئے۔

حضرت مولانا نور محمد صاحب سجاول ۔ حکیم نواب الدین حیدر آباد

قاری محمد عیسیٰ گھوٹکی | مولانا عبدالحق پڈعیدن

مولانا تاج الدین بسمل پڈعیدن | مولانا محمد شفیع جیمس آباد

مولانا پیر سید علی احمد شاہ صاحب مٹیاری | مولانا عبدالکریم صاحب شکارپوری

مولانا محمد صادق صاحب کھڈہ کراچی | مولانا محمد شریف احرار ٹالپی سندھ مرزائی سٹیٹ

اسی طرح شمال مغربی صوبہ سرحد سے مولانا عبدالقیوم پوپلزئی (پشاور) اور اُن کے رفقار گرفتار کر لئے گئے ۔ ہری پور ہزارہ سے حکیم عبدالسلام گرفتار کئے گئے ۔ مولانا غلام غوث کی تلاش بھی تھی لیکن وہ پولیس کے ہاتھ نہیں آئے ۔

انہیں دنوں مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کا ایک خط بھی مجلس عمل کے رہنماؤں کے نام آیا ۔ جو ذیل میں درج ہے :

معززین رہنمایانِ مجلسِ عمل !

السلام علیکم

تحفظِ ختم نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلے میں مسلمانانِ مغربی پاکستان جو قربانیاں دے رہے ہیں مسلمانانِ مشرقی پاکستان کی ہمدردیاں اور دعائیں ان کے ساتھ ہیں ۔ اللہ تعالےٰ انہیں اپنی کوششوں میں کامیاب کرے ۔ (آمین)

الحمد للہ ۔ ابھی تک مرزائیت کی وبا ہمارے ہاں نہیں ۔ اگر کبھی خدانخواستہ یہاں یہ بیماری پیدا ہوئی تو انشاء اللہ ہم اس کا علاج اسی طرح کریں گے جس طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسیلمہ کذاب کا کیا تھا ۔

والسلام

دعاگو (پیر) محسن الدین ، (مولانا) اظہر علی

مولوی فرید احمد

نوٹ : مندرجہ بالا خط دفتر عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت ملتان سے ملا ہے ۔

وزیر اعظم پاکستان کا بیان

۱۹ر مارچ (۱۹۵۳ء) کو پاکستان کے وزیر اعظم الحاج خواجہ ناظم الدین نے بجٹ اجلاس کے موقعہ پر اپنی تقریر کے دوران کہا کہ:

"مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے ممتاز علمائے کرام نے اگرچہ اس خاص مطالبے کی حمایت کی تھی کہ احمدیہ فرقہ کو اقلیتی فرقہ قرار دے دیا جائے لیکن یہ ممتاز علماء ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک سے علیحدہ رہے جو احراری جماعت کے نام نہاد علماء کی حمایت سے مجلس عمل نے شروع کی تھی۔"

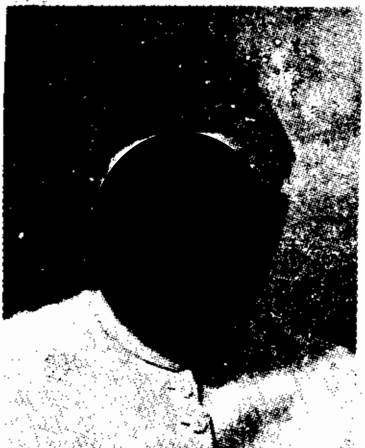

خواجہ ناظم الدین

توانائوں کے مزاج اور شعور میں یہ بات ہمیشہ رہی ہے کہ وہ اپنی کمزوری اور گناہ کو ناتوانوں کے دامن میں گرہ دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

رواں تحریک سیاسی نوعیت کی نہیں کہ اقتدار کو سنگھاسن سے اترنے کا خطرہ ہو۔ صرف خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام اور تحفظ کی تحریک ہے۔ اس کے داعی احرار ہی نہیں بلکہ ہمہ مکتبہ فکر کے مسلمان ہیں۔ وزیر اعظم کا یہ کہنا کہ یہ تحریک فقط احرار نے

شروع کی ہے، غلط ہے ۔ اگر احرار رہنماؤں پر ہی الزام دینا مقصود ہے ۔ تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں کہ وہ اس کے محرک اور داعی ہیں ۔ کیونکہ یہ ملک مذہب کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا ۔ اور پاکستان کے وزیر اعظم نے جس شخص کی حمایت میں سارے ملک کو بغاوت کی آگ میں جھونک دیا ہے اُس کا عقیدہ ہے کہ :

"ہندوستان کی تقسیم کو ہم نے مجبوری کے تحت قبول کیا ہے ہم (مرزائی) جلد کوشش کریں گے کہ یہ پھر سے اکھنڈ بھارت بن جائے ۔"

خواجہ ناظم الدین ذاتی طور پر اُس خاندان سے متعلق ہیں جس نے سب سے پہلے برصغیر میں انگریز کی آمد پر اس کے ہاتھ مضبوط کئے تھے ۔ اِس اعتبار سے خواجہ ناظم الدین احرار کو مجرم قرار دینے میں حق بجانب ہیں ۔ کیونکہ احرار مذہبًا اور سیاسی عقیدے کے اعتبار سے انگریز کے دشمن تھے اور ہیں ۔

؎ نواناؤں کے بس میں ہے سرپائے حقارت سے
کروڑوں ناتوانوں کی تمناؤں کو ٹھکرانا
زوال اُس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ہے ٹالے سے
کہ جس کو اپنی ہی رعایا سے پڑا ہو ٹکرانا

(ظفر علی خان)

خواجہ ناظم الدین کی ایک اور پہچان

۱۹۴۳ء کا سال دوسری جنگِ عظیم کا معروف ترین سال تھا ۔ جرمن فوجیں ایک طرف یورپ میں برطانوی وقار کا خاتمہ کر رہی تھیں ۔ تو ایشیا میں آزاد ہند کی فوجی یلغار نے انگریز کے وقار کو خطرے میں ڈال دیا تھا ۔ اُن کا زیادہ زور صوبہ بنگال کی طرف تھا ۔ صوبے کے انگریز گورنر نے اس خطرے کو بھانپ کر صوبے کا تمام اناج تلف کر دیا تاکہ عوام کو فوج کی آمد کے انتظار کی بجائے بھوک کی پڑ جائے ۔ ان حالات نے صوبے میں مصنوعی قحط کی شکل پیدا کر دی ۔ خاص کر وہی اضلاع اِس کی زد میں آئے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ۔ (آگے چل کر یہی اضلاع پاکستان میں شامل ہوئے)

مصنوعی قحط انگریز کی فوجی ضرورت اور سیاسی اغراض کے تحت تھا۔ بقول وزیر ہند مسٹر ایمرے "اس قحط میں اٹھارہ لاکھ ساٹھ سو انہتر انسان موت کا شکار ہوئے" جبکہ غیر سرکاری رپورٹ تھی کہ مرنے والوں کی تعداد نوے لاکھ کے قریب ہے۔

قحط کے دنوں صوبہ بنگال کے وزیر اعظم اے۔ کے فضل الحق تھے اور وزارت خوراک کی ذمہ داری خواجہ ناظم الدین کے سپرد تھی۔ ان دنوں بارہ روپے من خریدے ہوئے چاول ڈیڑھ سو اور دو سو روپے من کے حساب سے فروخت ہوئے۔

مسلمان ہونے کے علاوہ بحیثیت انسان وزیر اعظم سمیت خواجہ ناظم الدین کا فرض تھا کہ وہ ان ذمہ داریوں سے مستعفی ہو جاتے۔ مگر انگریز کی خواہش اور اس خواہش کا احترام ضروری تھا۔

یہ ہے وزیر اعظم پاکستان الحاج خواجہ ناظم الدین کی دوسری پہچان۔

نوٹ: قحط کی تفصیل کے لیے کاروان احرار کی جلد پنجم ص ۱۹ تا ۴۴ دیکھیں۔

شہدائے ختم نبوت

مارشل لاء کے تحت ۶ مارچ کو فوج اور پولیس نے لاہور کو آفت زدہ قرار دے کر مجلس عمل کے رضا کاروں سے ایسا سلوک کیا، جیسے یہ دشمن کی فوج ہے۔ اور پاکستان پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ دہلی دروازہ سے برانڈرتھ روڈ چوک دالگراں تک کا علاقہ کرب و بلا کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ختم نبوت کے مجاہد سینہ تانے فوج اور پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ شہدائے ختم نبوت کی لاشوں کے ڈھیر سرکاری ٹرکوں میں ڈال کر جانے کہاں پھینک دئے جاتے۔ بازاروں میں بکھرے ہوئے خون شہدائے ختم نبوت کے نشان ہر روز فائر بریگیڈ کے ذریعے صاف کر دئے جاتے تاکہ ظلم و جور کا نشان باقی نہ رہے۔ لیکن پروانے تھے کہ شمع نبوت پر نثار ہو رہے تھے۔ ان کے جذبات میں ٹھہراؤ تھا نہ موت کا خوف۔ دیوانے تھے کہ شوق جنوں میں ایک دوسرے پر گرے جا رہے تھے۔

؎ جو موت آئے تو زندگی بن کے آئے
قضا کی نرالی ادا چاہتا ہوں

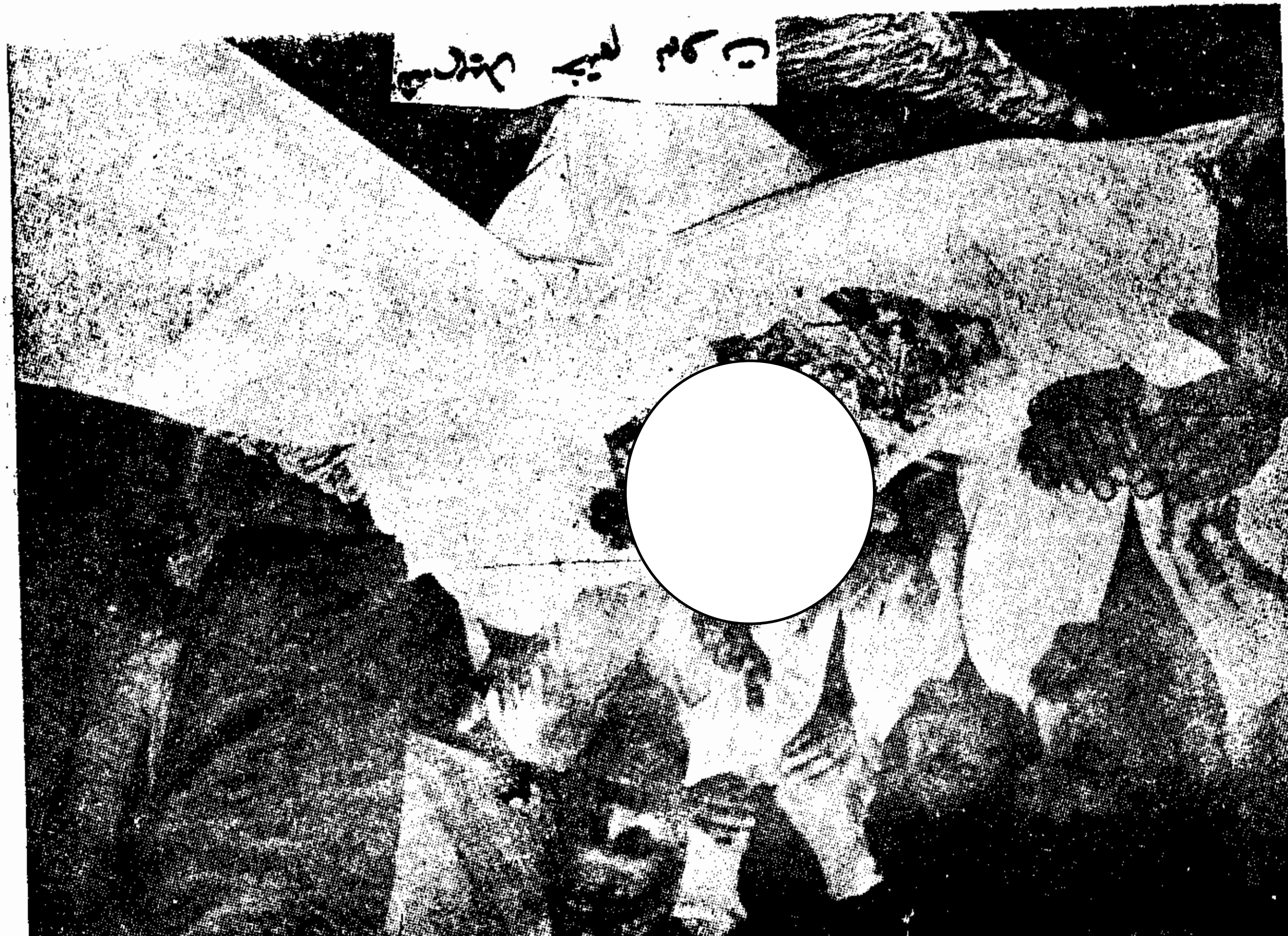

یہ سلسلہ ۱۲ / مارچ (۱۹۵۳ء) تک جاری رہا۔ اِس ایک ہفتہ کے دوران تحفظِ ختم نبوت کے کس قدر رضاکار شہید ہوئے؟ اِس کا جواب حکومتِ پاکستان کے کسی رجسٹر میں درج نہیں اور نہ ہی مجلسِ عمل کے اندراج میں ہے۔ البتہ واقعات کی تفصیل گواہ ہیں کہ ملتان تھانہ کپ، لائلپور (فیصل آباد) چنیوٹ بازار اور ریلوے پھاٹک، سیالکوٹ کا اڈا شہباز میں مارشل لاء کے دوران مرزائی فوجی وردی پہنے سرِعام لوگوں پر گولیاں چلاتے رہے۔ لاہور دہلی دروازہ سے برانڈرتھ چوک دالگراں تک شہداء کی میتیں جو عوام کے ہاتھ لگ جاتیں۔ جب ان کے جنازے مرزائیوں کے برابر سے گذرتے تو وہ اِن پر گولیاں برساتے۔ اس طرح غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق شہداء کی تعداد قریباً دس ہزار ہے۔

رُتبے شہیدِ ناز کے گر جان جائیے
قربان جانے والے پہ قربان جائیے

نہ فوج اور پولیس نے ہار مانی نہ مرنے والوں کے قدم ڈگمگائے۔ جب عشق اپنی منزل کی راہ لیتا ہے تو موت راستہ چھوڑ دیتی ہے۔
غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق دس ہزار نوجوانوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

شہیدانِ ختمِ نبوت

سلام اُن پر جنہوں نے سنتِ سجاد زندہ کی
سلام اُن پر جنہوں نے کربلا کی یاد زندہ کی
سلام اُن پر کہ جو ختمِ نبوت کے تھے شیدائی
سلام اُن پر کہ جن کی جرأتِ رندانہ کام آئی
سلام اُن پر جنہوں نے مشعلیں حق کی جلائی ہیں

سلام اُن پر جنہوں نے گولیاں سینوں پہ کھائی ہیں
سلام اُن پر جو جیتے تھے فقط اسلام کی خاطر
جنابِ خواجۂ ہر دوسرا کے نام کی خاطر
سلام اُن پر کہ جو ختمِ رسالت کے تھے پروانے
جو عاقل با خدا تھے اور حضور خواجہؐ کے دیوانے
سلام اُن کی شجاعت پر سلام اُن کے قرینے پر
کہ سینہ تان کر کہتے تھے گولی آئے تو سینے پر
سلام اُن پر کہ جن کی غیرت ایمان تھی زندہ
سلام اُن پر قیامت تک ہے جن کا نام پائندہ

مولانا عبدالستار نیازی کی گرفتاری حق و باطل کے مابین کشمکش جاری تھی۔

؎ ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں گا
سر بسجدہ ہے مسیحا کہ میری بات رہے

فوج پولیس کی گولیاں اور مجاہدین کے سینے آمنے سامنے تھے۔ شہدائے ختم نبوت کا لہو، لاہور کے بازاروں کو رنگین اور حکمرانوں کے چہرے سیاہ کر رہا تھا۔ پولیس نے مجاہدین ختم نبوت کا مرکز توڑنے کے لیے مولانا عبدالستار خان نیازی کو مسجد وزیر خان سے گرفتار کرنا ضروری سمجھ کر مسجد کے ارد گرد کی تمام عمارات کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن شکار ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ مولانا نیازی اپنے مخبر کی اطلاع پا کر مسجد سے جا چکے تھے۔ اس پر بھی ان کا تعاقب جاری رہا تا آنکہ ۲۵ / مارچ ۱۹۵۳ء کے روزنامہ امروز لاہور نے

حسب ذیل تصویر کے ساتھ ان کی یہ خبر شائع کی۔

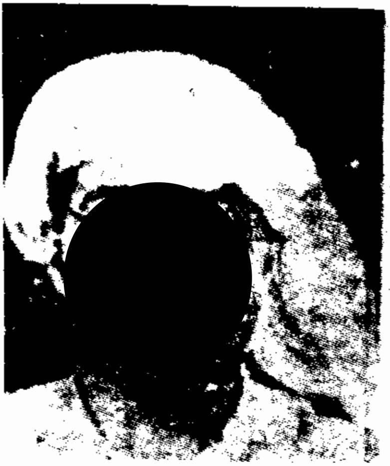

عبدالستار خان نیازی ممبر پنجاب اسمبلی جو پیر کی صبح قصور میں گرفتار کر لیے گئے۔ بائیں جانب ان کی گرفتاری کے وقت کی تصویر ہے۔

عبدالستار خان نیازی کو لاہور کی تحصیل قصور سے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے وقت ان کی داڑھی مونچھ منڈی ہوئی تھیں۔

(امروز کے سٹاف رپورٹر سے) امروز ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء

لاہور ۲۳ مارچ علی الصبح چار بجے مسٹر عبدالستار نیازی ممبر پنجاب اسمبلی ایک چھوٹے سے مکان کی چھت پر سے گرفتار کر لیے گئے۔

آج خفیہ پولیس کے افیسر نے ان کی گرفتاری کی روئداد بتاتے ہوئے کہا کہ مسٹر عبدالستار نیازی مارشل لاء کے نفاذ کے وقت وزیر خان کی مسجد میں مقیم اور وہیں سے وہ تحریک کے متعلق ہدایت جاری کرتے تھے چنانچہ جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب فوج نے صورت حال پر قابو پا لیا ہے تو انہوں نے مسجد وزیر خان سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی اور سات مارچ کو وہ وزیر خان کی مسجد سے چلے گئے لیکن وہ رہے اسی علاقے میں اور ۸ مارچ کو بھی وہ تھوڑی دیر کے لیے مسجد میں آئے لیکن رات کو انہوں نے اس علاقے کو خیرباد کہہ دیا۔ لاہور سے نکلنے کے لیے انہوں نے داڑھی مونچھ صاف کرا دی اور حلیہ بدل کر وہ لاہور

سے نکل گئے، وہ سانڈے سے ملتان روڈ پر ہولیے۔ رات انہوں نے ایک گاؤں میں گزاری اور پھر دوسرے دن وہ لاہور سے ملتان کی طرف ۳۰ میل دُور ایک مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ پرسوں قصور پہنچے جہاں آج صبح گرفتار کر لیے گئے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس تمام عرصے میں مسٹر عبدالستار نیازی لاہور کے قرب وجوار میں رہنا چاہتے تھے۔

کل دوپہر ایک بجے خفیہ پولیس کے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی معیت میں پولیس کی ایک بھاری جمعیت یہاں سے روانہ ہوئی اور انہوں نے اُن تمام مقامات سے نیازی صاحب کے متعلق اطلاعات حاصل کیں۔ بالآخر وہ قصور تک ان کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئے۔

جس وقت پولیس نے ان کے مکان کو گھیر ڈالا تو نیازی صاحب سو رہے تھے اور ان کو بستر سے اُٹھتے ہوئے اچانک گرفتار کر لیا گیا، انہوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

حکومت پنجاب نے ان کی گرفتاری کے لیے پہلے دو ہزار روپیہ انعام مقرر کیا تھا، لیکن کل ہی حکومت پنجاب نے یہ انعام دو ہزار سے بڑھا کر پانچ ہزار کر دیا تھا۔

تحریک کا نیا رُخ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی گرفتاری | عوامی تحریکیں اپنی زندگی کے دوران مختلف موڑوں سے گذرتی ہیں۔ خصوصاً ذمہ دار رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد۔ تحریک تحفظِ ختم نبوت کے ذمہ دار رہنماؤں کی گرفتاریوں کے بعد تحریک کارکنوں کی اپنی صوابدید پر آگے بڑھی۔

تحفظِ ختم نبوت کی تحریک مرکزی حکومت کے خلاف تھی لیکن جیسے ہی رضا کار کراچی جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر پہنچتے، انہیں گرفتار کر لیا جاتا۔ اس پر ایجی ٹیشن کا رُخ مرکز کی بجائے حکومت پنجاب کی طرف کر دیا گیا۔ اس کے انچارج چوہدری ثناء اللہ بھٹہ تھے۔ یہ ان دنوں پاکستان مجلسِ احرار کے ہیڈ کلرک تھے۔

گرفتاریاں تو پہلے ہی پنجاب میں ہوئیں۔ مگر نعرے مرکزی حکومت کے خلاف تھے۔

تحریک کا چارج جب نئی سوچ کے تحت آیا کہ تحریک میں مداخلت تو پنجاب حکومت کر رہی ہے کیوں نہ سول نافرمانی کا رُخ بجائے مرکز کے پنجاب کی طرف کر دیا جائے۔ اس موقعہ پر مشورہ کے لیے چودھری ثناء اللہ بھٹہ اچھرہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے ملے اور عرض کیا:

حضرت! اہم کارکنوں نے تحریک کا رُخ صوبائی حکومت کی طرف کر دیا ہے۔
چونکہ مجلسِ عمل کے مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد آپ ہی واحد رہنما باہر ہیں اس لیے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

ثناء اللہ بھٹہ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

مولانا مودودی: دیکھئے بھائی میں نے مسئلہ ختم نبوت پر ایک پمفلٹ لکھا ہے جو عنقریب پاکستان کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے عوام میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ تو کسی ایجی ٹیشن کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بات آپ سے آپ طے ہو جائے گی۔

ثناء اللہ بھٹہ: حضرت! آپ کی بات کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب نو من تیل ہوگا تو رادھا ناچے گی لیکن تحریک تو شروع ہو چکی ہے۔ ملک بھر میں گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ ہزاروں نوجوان شہید ہو چکے ہیں یہ وقت مزید انتظار کا نہیں۔ اور نہ ہی وقت مزید اجازت دیتا ہے بہتر ہے آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

مولانا مودودی: بھائی! اس سلسلے میں میرے مشورے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی میری کوئی ذمہ داری ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں۔

جسٹس منیر کی تحقیقاتی عدالت میں تحریک ختم نبوت میں شمولیت سے انکار کے بعد مولانا مودودی کا یہ دوسری مرتبہ تحریک سے متعلق انحراف تھا۔ خیر.... چودھری ثناء اللہ بھٹہ مولانا مودودی کے انکار پر مایوس واپس لوٹ آئے۔ اور حسب دستور پروگرام چلتا رہا۔

پنجاب سی آئی ڈی اس تلاش میں رہی کہ موجودہ تحریک میں کون لوگ ملوث ہیں۔ حالانکہ مارشل لاء نافذ ہے لیکن رضاکار بدستور احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

ثناء اللہ بھٹہ اور مولانا مودودی کی ملاقات کے بعد حکام کو شبہ گذرا کہ ہو نہ ہو تو اس آگ کو ثناء اللہ ہوا دے رہا ہے۔ اس شک پر چودھری ثناء اللہ اور ان کے دیگر رفقاء کو گرفتار کر کے شاہی قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ ساتھ ہی مجالس احرار کے باقی ماندہ دفاتر سر بمہر کر دئے گئے۔ باوجود کہ پہلے ہی پنجاب اور شمال مغربی صوبہ سرحد کی مجالسِ احرار خلاف قانون قرار دی جا چکی تھیں۔ اس پر بھی:

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

لاہور کا شاہی قلعہ جو کبھی مغل فرمانرواؤں کی شاہی قیام گاہ تھی۔ مگر فرنگی دورِ حکومت

میں یہ مذبحہ خانہ بن چکا تھا۔ مجرم آزادیٔ وطن سے سینکڑوں حریت پسندوں کو یہیں پابہ جولاں سزائیں دی جارہی تھیں۔ مگر یقین تھا کہ جب اپنا راج ہے تو جرم و سزا کی وہ کہنہ رسمیں ختم ہو چکی ہوں گی۔ مگر اپنے بھی پرائے نکلے۔

ثناء اللہ بھٹہ سمیت احرار کارکنوں پر انگریز کی معنوی اولاد نے قلعہ میں تشدد کی تمام رسمیں پوری کر دیں۔

ہر روز کوئی نہ کوئی پولیس آفسر سی آئی ڈی، ایک آدھ فوجی آفیسر کے ہمراہ قلعہ میں پہنچ کر مختلف سوالات کرتے۔ اس ضمن میں ثناء اللہ بھٹہ کہتے ہیں کہ ایک روز کچھ آفیسران نے مجھ سے سوالات کیئے۔

۱۔ موجودہ تحریک کا مقصد کیا ہے؟
۲۔ اس وقت تحریک کے رہنما کون ہیں؟
۳۔ آپ کی مالی امداد کون کر رہا ہے؟
۴۔ یہ تحریک کس کے اشارے پر چل رہی ہے؟
۵۔ موجودہ تحریک پنجاب حکومت کے خلاف کیوں؟ جبکہ مجلس عمل کی تحریک مرکزی حکومت کے خلاف چل رہی تھی اور اُن کے مطالبے کا تعلق بھی مرکزی حکومت سے تھا۔

چودھری ثناء اللہ: یہ سوال آپ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے کریں۔ ہم تو اُن کے رضاکار ہیں۔ جیسے وہ حکم دیتے ہیں ویسا کرتے ہیں۔

انسپکٹر پولیس: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تحریک اُن کے حکم پر چل رہی ہے۔

ثناء اللہ: یہی سمجھ لیں۔

اس کے بعد تمام آفیسر چلے گئے۔

دوسرے دن صبح قلعہ میں ہماری کوٹھڑیوں کا نگہدار دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا۔ چودھری صاحب آپ اپنے بستر باندھ لیں۔ بڑے بڑے مولوی آرہے ہیں۔ باہر نکل کر دیکھا تو مودودی جماعت کے مولوی طفیل سمیت تمام بزرگوں کی قطار لگ رہی تھی۔

ہماری کوٹھڑیوں میں اُن سب کو بند کر دیا گیا۔ اور ہمیں لاہور سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ وہاں

پہنچ کر پتہ چلا کہ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو مارشل لاء حکام نے گرفتار کر کے سزائے موت کا حکم دیا ہے۔ ان سے بیشتر مولانا عبدالستار نیازی کو بھی سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔ دونوں بزرگ برابر برابر کوٹھڑیوں میں موت کے انتظار میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

ے آعندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل!

رہائی مولانا مودودی کی پارٹی نے سزائے موت کا بہت چرچا کیا۔ مگر مولانا رہا کیسے ہوئے یہ ہنوز راز ہی ہے۔ جبکہ مولانا عبدالستار نیازی مارشل لاء کے اختتام پر رہا کر دئے گئے۔

ہر چیز کا ایک ردِعمل ہوتا ہے خواہ اچھا ہو یا بُرا۔

مولانا مودودی بمعہ اپنی جماعت کے ذمہ دار ارکان کے لاہور سے کراچی تک مجلس عمل کے اجلاسوں میں برابر کے شریک رہے۔ یہاں تک کہ قیام کراچی کے دوران یہ لوگ کھانے کے دسترخوانوں پر بھی دیکھے گئے۔ مجلس عمل کے آخری فیصلے پر بھی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے دستخط کئے۔ پھر نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر انہوں نے تحریک سے بار بار انحراف کیا۔

۲۶، اور ۲۷ فروری کی درمیانی رات مجلسِ عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری کے وقت پولیس وہ تمام کاغذات اُٹھا کر لے گئی۔ جس پر مجلسِ عمل کے رہنماؤں کے دستخط ثبت تھے۔ جن میں مولانا مودودی بھی شامل تھے۔ منیر عدالت کے فیصلے کے بعد جب تمام اسیرانِ مجلسِ عمل چھوڑ دئے گئے تو مجلسِ عمل کا پہلا اجلاس لائلپور (فیصل آباد) میں ہوا جس میں حضرت امیرِ شریعت نے تقریر کے دوران کہا:

"خدا کا غضب ہو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مجلسِ عمل کے اجلاس میں فیصلے کے وقت میرے گھٹنے سے گھٹنا جوڑ کر بیٹھے تھے اور انہوں نے میرے ساتھ ہی مجلسِ عمل کے فیصلے پر دستخط کئے۔ مگر آج کہتے ہیں کہ میں شامل نہیں۔"

تحریک ختم نبوت کے دوران مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور اُن کی جماعت نے جو رویہ

اختیار کیا مستقبل کی تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

تحریک مستقبل کے حوالے

سال میں کئی موسم آتے ہیں۔ بہار و خزاں کے ساتھ دریاؤں کے نشیب و فراز بھی شامل ہیں۔ سمندروں کے جوار بھاٹا موسموں کے محتاج سمجھے گئے ہیں۔

اسی طرح عوامی تحریکوں پر بھی کئی دور آئے ہیں۔ گاہے حکومتیں غالب آجاتی ہیں اور کبھی عوام حکمرانوں کو شکست دے دیتے ہیں۔

دفاع ختم نبوت کی تحریک جسے ۱۹۳۱ء میں احرار رہنماؤں نے شروع کیا تھا ۱۹۵۳ء میں اس موڑ پر آن پہنچی کہ وقت کے برسر اقتدار طبقہ نے محض ذاتی اور سیاسی اغراض کے لیے تحریک کو ختم کرنا ضروری سمجھ لیا۔ ورنہ یہ لڑائی جھوٹ اور سچائی کے مابین حدِ فاصل تھی۔ باطل کے لیے تو ضروری تھا کہ وہ سانپ کی طرح اسے ڈس لے لیکن حاکمانِ وقت کے لیے واجب نہیں تھا کہ وہ بندوقوں اور لاٹھیوں سے ختم نبوت کے دشمن کا دفاع کرے۔
مسیلمہ کذاب کے بعد قادیان سے اُٹھنے والا یہ بڑا عظیم فتنہ تھا۔ اس شجرِ خبیثہ کی اگر بیخ کنی نہ کی جاتی تو اسلام کا بنیادی مسئلہ (عقیدہ ختم نبوت) بُری طرح مجروح ہوتا۔
بہرطور تحریک ختم نبوت ایک طرف جیل خانوں سے گذری۔ خون کے دریا عبور کیے۔

پولیس کی لاٹھیوں سے زخمی ہوئی۔ فوج کی گولیوں سے اس کا تقدس پامال کیا گیا۔
عوامی تحریکات میں لوگ مختلف ذہن لے کر شامل ہوتے ہیں۔ بعض ذاتی شہرت کے لیے۔ بعض دولت کے لیے، بعض کاروباری نیت سے، کئی ایسے ہوتے ہیں جو راستہ چھوڑ جاتے ہیں۔ حکومت کا تشدد جیل خانوں کی سختیاں منہ موڑ دیتی ہیں۔ اندرونِ خانہ حالات بھی پاؤں کی زنجیریں کر لپٹ جاتے ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو خلوص اور ایمان کا اثاثہ لے کر مقاصد کی راہ پر سفر کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔
تحریک کے دوران ایسے بہت سے ارکان ملے جن کے سانس راستے میں پھول گئے۔ ایسے بھی ملے جنہوں نے منزل کے قریب پہنچ کر دم توڑ دیا۔

ان میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔

؎ جی میں آتا ہے لگا دوں آگ کوہِ طور کو
پھر خیال آتا ہے موسیٰ بے وطن ہو جائے گا

اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ط

انہیں حادثات و واقعات سے گذرتی ہوئی تحریک اس موڑ پر پہنچ کر رک گئی اور حالات نے اسے مستقبل کے حوالے کر دیا۔ مقاصد نیک ہوں اور رہنماؤں کے دلوں میں کھوٹ نہ ہو تو عوامی تحریکیں دب سکتی ہیں مٹ نہیں سکتیں۔

؎ تیرے کوچے میں ہم ہیں مثالِ نقشِ قدم
مٹا تو سکتے ہو لیکن اٹھا نہیں سکتے

تحقیقات اور رہنماؤں کی رہائی فروری ۱۹۵۳ء کے اختتام پر مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری کے نتیجے میں چلنے والی تحریک کے حقائق جاننے کے لیے حکومتِ پاکستان نے جسٹس محمد منیر اور جسٹس اے آر کیانی پر مشتمل تحقیقاتی عدالت قائم کی جس کی بظاہر کوئی آئینی حیثیت نہیں تھی بلکہ محض واقعات کی معلوماتی رپورٹ کا حصول تھا۔ اس رپورٹ کو فسادات پنجاب کا عنوان دیا گیا۔ اور اس کے نتیجے میں تمام رہنماؤں کو جیلوں سے رہا کر دیا گیا۔

حقیقت سے فرار کیوں اقتدار کے گھوڑے پر سوار مڑ کر دیکھنے کو گناہ جانتے ہوئے کئی حقیقتوں کو اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ سچائی کے یہی موڑ ہوتے ہیں۔ جہاں سے بناؤ سنگھار کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

حکومتیں اپنے جرائم کے داغ ہمیشہ سے چھپاتی چلی آرہی ہیں۔ محض اس لیے کہ ان کے استحکام کی عمر طویل ہو۔ مگر جیسے ہی یہ سورج ڈوبتا ہے۔ رات کی چاندنی اندھیروں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی سیاہی کا اعتراف کریں۔

۱۹۱۹ء کو امرتسر جلیانوالہ باغ میں گولی چلی ہزاروں ہندوستانی شہید ہوئے لیکن برطانوی سامراج نے اپنے جرم کا اعتراف کرنے پر ہزاروں کے ہندسوں کو سینکڑوں میں بدل دیا۔

۱۹۳۰ء کو قصہ خوانی بازار پشاور میں انگریز نے سینکڑوں پٹھان شہید کر دئے اور اس خونِ ناحق کو وہ شیرِ مادر کی طرح ہضم کر گیا۔

●

۱۹۳۵ء کو تحریک مسجد شہید گنج کے دوران دہلی دروازہ سے لنڈے بازار تک قتل و غارتگری کا بازار دو دن گرم رہا۔ مگر سرکاری رپورٹ میں کہا گیا کہ صرف تیرہ آدمی مرے ہیں۔

●

اسی طرح ۶ر مارچ سے ۱۳ر مارچ تک مرزائی، فوج اور پولیس لاہور میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاکاروں پر گولیاں برساتی رہی مگر حکومت نے اپنے پیشرو حکمرانوں کی طرح اس ظلم و جور کا ذکر تک نہیں کیا۔

منیر رپورٹ کے محررین نے دودھ اور پانی کی چھان پھٹک میں سینکڑوں صفحات لکھ مارے۔ تحریک سے وابستہ افراد اور جماعتوں کے کردار پر بحث کی۔ مگر اپنے اوپر آنے والے مارشل لاء کے ذمہ دار میجر جنرل اعظم خان اور آئی جی پولیس مسٹر انور علی سے یہ دریافت نہ کر سکے کہ:

"فوج اور پولیس نے ختم نبوت کے رضاکاروں پر کس قدر گولیاں برسائیں؟

کس قدر مسلمان شہید اور مجروح ہوئے؟"

یہ فردِ جرم انکوائری رپورٹ سے مصلحتاً اوجھل کر دی گئی۔

؎ قریب آیا ہے روزِ محشر چھپے کا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

دولتانہ وزارت برطرف

بظاہر سارا پاکستان حکمرانوں کی ضد اور ہٹ دھرمی پر بے چین و مضطرب تھا۔ مگر پنجاب خصوصیت سے تحریک ختم نبوت کا داعی ہونے کی وجہ سے مارشل لاء کی زد میں رہا۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اندر خانہ مرکز سے اپنے وقار کی لڑائی لڑ

رہے تھے۔ وزیر اعظم اس سے بے خبر نہیں تھے۔ تحریک کا زیادہ زور بھی پنجاب میں تھا۔ بدیں حالات مرکزی حکومت نے تمام تر بدنظمی کی ذمہ داری پنجاب کے وزیر اعلیٰ پر ڈالتے ہوئے ۲۴ مارچ ۱۹۵۳ء کو نہ صرف دولتانہ کو وزارت سے الگ کر دیا بلکہ ان کی کابینہ بھی توڑ دی۔

جاری

مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک

جلد دوم
(آخری)

(تحریکِ ختمِ نبوت کے مختلف ابواب)

جناب جانباز مرزا کے قلم سے

کہی اور اَن کہی

بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

مسیلمہ کذاب

سے

دجّالِ قادیان

تک

تحریکِ ختمِ نبوّت کے مختلف ابواب

جَانباز مرزا